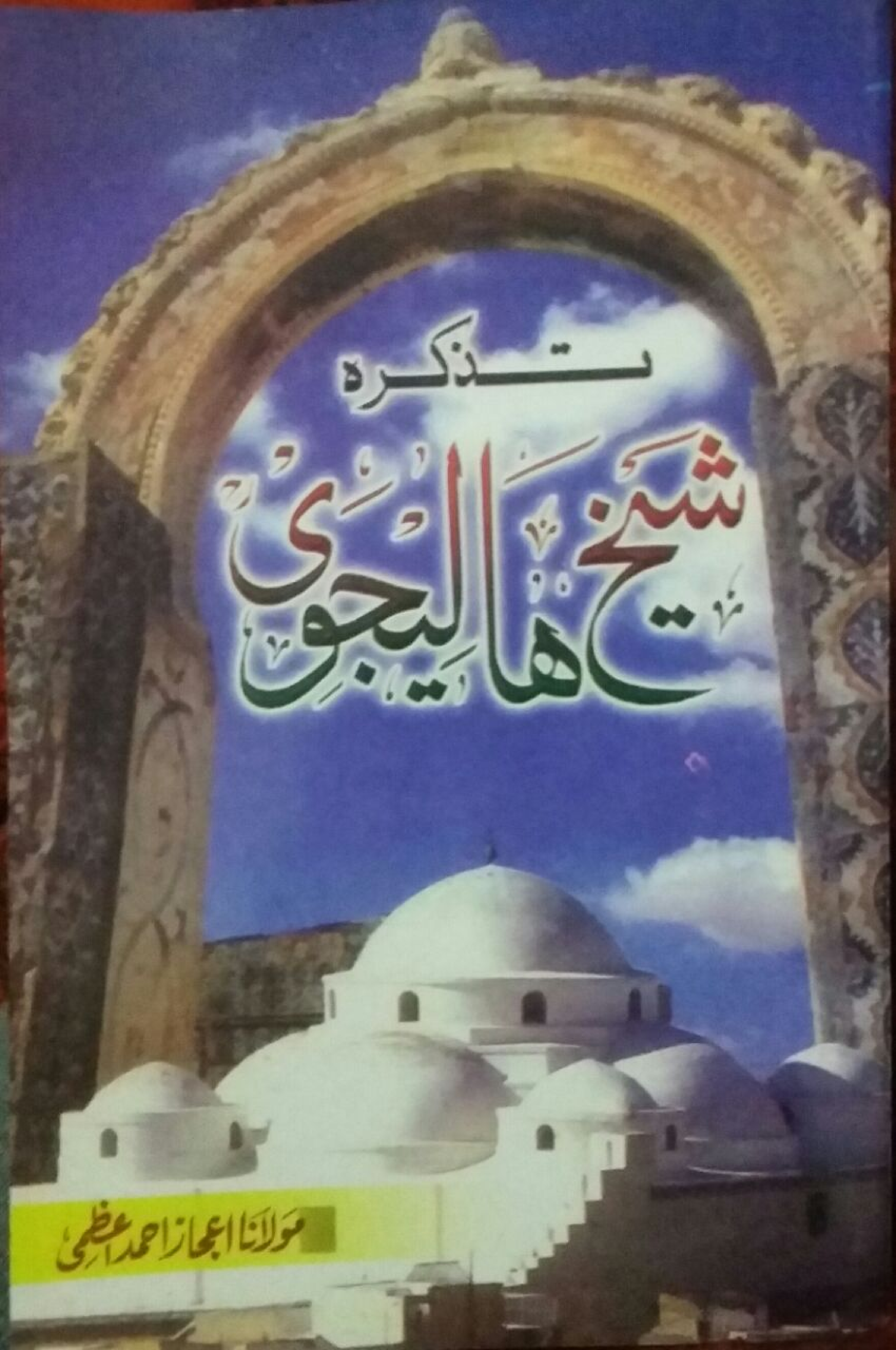

تذکرہ

شیخ ہالیجوی

مولانا اعجاز احمد اعظمی

تذکرۂ شیخ ہالیجوی رحمۃ اللّٰہ علیہ

شیخ المشائخ، عارف باللہ، قطب الارشاد حضرت مولانا شیخ حماد اللہ ہالیجوی قدس سرہٗ
کا
ایمان افروز اور دل آویز تذکرہ، جس کے مطالعہ سے دل کو زندگی اور ایمان کو تازگی
حاصل ہوتی ہے، اور سلسلہ قادریہ کے چند دیگر مشائخ کرام کے تذکرے

مولف

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

ناشر

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ لمٹیڈ) نئی دہلی
FARID BOOKDEPOT(Pvt)Ltd.
New Delhi-110002

تفصیلات

نام کتاب : تذکرہ شیخ ہالیجوی
مؤلف : حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی
صفحات : 224
طبع اول : اگست ۲۰۰۳ء
باہتمام : ناصر خاں (مینجنگ ڈائرکٹر فرید بکڈپو)
زیر نگرانی : مولانا ضیاء الحق خیر آبادی
قیمت : 56/=

ای میل: **zeyaulhaquekbd@gmail.com**

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ ضیاء الکتب، خیر آباد، ضلع مئو (یوپی) 9235327576
☆ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
☆ مکتبہ الفہیم صدر چوک مئوناتھ بھنجن 9236761926
☆ مولانا محمد خالد قاسمی مکتبہ دار ارقم، اسلام آباد (ڈکہا) جون پور 9554983430

عرض ناشر

صدق، اخلاص، قرب خداوندی، خوف الٰہی، انابت، دین کی بے لوث خدمت اور اسلام کی بقاء وحفاظت کے میدان میں جو سبقت وفضیلت اسلاف کو حاصل ہے اسے دل سے تسلیم کرتے ہوئے ان کی طرف سے نئی نسل کے دلوں میں کوئی کینہ اور نفرت نہ ہو، ان کے حق میں ہماری زبانیں دعا گو اور ثنا خواں ہیں، ایسی شخصیات کا ذکر خیر فائدے سے کسی طرح خالی نہیں، ایسی بزرگ ہستیوں کا تذکرہ نزول رحمت وسکینت کا باعث بنتا ہے۔ لہٰذا جب خاکسار سے ”تذکرہ شیخ ہالیجوی“ کی اشاعت کا ذکر کیا گیا تو میں فی الفور تیار ہو گیا۔ اللہ کا شکر واحسان ہے کہ اس سعادت کے حصول کی خاطر ایک قطب وقت، ایک نابغہ روزگار شخصیت، فنا فی اللہ، مرشد العلماء والاتقیاء حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجوی کا ذکر خیر ”تذکرۂ شیخ ہالیجوی“ کے نام سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ حضرت شیخ ہالیجویؒ جیسی بزرگ شخصیت کی تعلیمات اور خیر سے ہمیں کما حقہٗ مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور کتاب کے مؤلف ومعاونین کو اس قیمتی کتاب کی تیاری کے صلے میں بہترین اجر سے نوازے۔ آمین!

ـــــ ناصر خان

کتاب سے پہلے

”تذکرۂ شیخ ہالیجوی“ ایک مردِ حقانی، عالم ربانی، عارف باللہ وفنا فی اللہ بزرگ کی سوانح حیات ہے، جو روحانیت وللٰہیت کے مقام بلند پر فائز ہوتے ہوئے ہمیشہ اس بات کے لئے کوشاں رہے کہ انھیں خدا کے علاوہ کوئی نہ جانے، نام اور کلمہ صرف اسی ذات کا بلند ہو، اشاعت وترویج اسی کے کلام کی ہو، تواضع وفنائیت کا عالم یہ تھا کہ فرماتے تھے ”بیٹا میرا نام کاغذ پر نہ لکھو“ کہ مبادا شہرت کا ذریعہ یہ بھی ہوجائے، مگر جب خدا کو کسی کی شہرت اور تعارف مقصود ہوتا ہے تو اس کے اسباب خود بخود پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اللہ جزائے خیر دے استاذ محترم حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی مدظلہٗ کو...... جنھیں مبدأ فیاض کی جانب سے تحریر وتصنیف کا ایک خاص ذوق اور سلیقہ عطا کیا گیا ہے، اور اسی کے ساتھ ساتھ خاصان خدا اور بزرگان دین کی محبت وعقیدت بھی وافر مقدار میں ودیعت کی گئی ہے، جس کی وجہ سے ان کی تحریروں میں ایک خاص قسم کی جاذبیت اور تاثیر پیدا ہوجاتی ہے، ...... انھوں نے محنت شاقہ برداشت کر کے حضرت شیخ (مولانا حماد اللہ صاحبؒ) کی ایک مبسوط سوانح مرتب کردی، جس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ والوں کا رنگ کیا ہوتا ہے، اور ان کی شان کیا ہوتی ہے؟

یہ کتاب آج سے پانچ سال پہلے جامعہ حمادیہ (کراچی) سے شائع ہوچکی ہے، مگر ہند وپاک کے درمیان قانونی دشواریوں کے باعث کتب ورسائل کی آمد ورفت ”کوہ کندن وکاہ برآوردن سے کم نہیں“ یہ دیکھ کر خیال ہوا کہ ہندوستان میں اس کی اشاعت کا انتظام کیا جائے، چنانچہ میں نے الحاج ناصر خاں صاحب (مینجنگ ڈائرکٹر فرید بکڈپو دہلی) کے سامنے یہ بات رکھی تو انھوں نے بخوشی اس کی اشاعت کیلئے آمادگی ظاہر کی، جس پر ہم ان کے ممنون ہیں، اب انھیں کے زیر اہتمام یہ کتاب ایک باب (میرے شیخ ومرشد) کے اضافے کیساتھ پہلی مرتبہ ہندوستان میں شائع ہورہی ہے۔

ضیاء الحق خیر آبادی
(یکم/محرم الحرام ۱۴۲۴ھ)
مدیر ماہنامہ ضیاء الاسلام ومدرس مدرسہ شیخ الاسلام
شیخوپور...... اعظم گڈھ

فہرستِ ابواب

۱- شیخ الشیوخ حضرت مولانا حماد اللہ صاحب قدس سرہٗ ۲۴
۲- سندھ میں سلسلۂ قادریہ ۴۰
۳- حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی قدس سرہٗ ۶۷
۴- حضرت امروٹی کی بارگاہ میں ۷۸
۵- محبت رسول اور اتباعِ سنت ۸۷
۶- محبت الٰہی اور توحید میں رسوخ ۹۴
۷- کمالات علمیہ ۱۰۷
۸- باطنی احوال ۱۱۱
۹- شفقت وحلم اور مسلمانوں کیلئے فکرمندی ۱۳۰
۱۰- سیاسیات میں حضرت کا طرز عمل ۱۴۱
۱۱- علماء ومشائخ کی نظر میں ۱۴۶
۱۲- تصانیف ۱۵۴
۱۳- انعامات الٰہیہ ۱۶۱
۱۴- وفات اور ازواج واولاد ۱۷۶
۱۵- تعلیمات وملفوظات ۱۸۰
۱۶- شجرۂ سلسلۂ عالیہ قادریہ ۲۰۴
۱۷- میرے شیخ ومرشد ۲۱۰

فہرستِ مضامین

☆ عرض ناشر مفتی عاصم عبداللہ صاحب ۱۱
☆ دعائیہ کلمات حضرت مولانا عبدالصمد صاحب مدظلہٗ ۱۴
☆ کلمات طیبات حضرت مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہٗ ۱۶
☆ تقریب حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب مدظلہٗ ۲۰

باب ۱

☆ حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی قدس سرہ ۲۴
☆ نام ونسب ۲۶
☆ ہالیجی شریف ۲۷
☆ ولادت وتعلیم ۲۷
☆ انقلاب حال ۳۰
☆ تحصیل علم کے لئے سفر ۳۱
☆ مولانا محمد واصل صاحب بروہی کی خدمت میں ۳۲
☆ مشکلات اور غیبی مدد ۳۲
☆ طلب علم میں انہماک ۳۴
☆ ایک طالب علم سے مقابلہ ۳۵
☆ فراغت اور تدریس ۳۵
☆ تلاش مرشد ۳۸
☆ ایک پیر کی صحبت میں ۳۹

باب ۲

☆ سندھ میں سلسلۂ قادریہ ۴۰
☆ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کا سلسلۂ طریقت ۴۰
☆ چار سلسلے ۴۴
☆ سلسلۂ قادریہ ۴۵
☆ پیر محمد راشد صاحب نور اللہ مرقدہٗ ۴۶
☆ سید علی مکی ۴۶
☆ سید محمد بقاء ۴۷
☆ پیر محمد راشد صاحب ۴۷
☆ حضرت سید حسن شاہ جیلانیؒ سوئی شری ۵۰
☆ جہاد منارہ پٹن ۵۱
☆ سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق صاحب نور اللہ مرقدہٗ ۵۲
☆ جہاد لوڑی کندہ ۵۳
☆ شیخ سے تعلق اور فنائیت ۵۵
☆ شریعت کا اتباع اور بدعات سے نفرت ۵۶
☆ توحید کا غلبہ ۵۷
☆ مولانا عبیداللہ سندھی حافظ صاحب کی خدمت میں ۶۰
☆ وفات ۶۱
☆ خلیفہ صاحب مولانا ابوسراج غلام محمد صاحب دین پوریؒ: ۶۳

باب ۳

☆ حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی قدس سرہٗ ۶۷

☆ وفات ۷۳
☆ تصوف اور اصحاب تصوف کی اہمیت ۷۴

باب ۴

☆ حضرت امروٹی کی بارگاہ میں ۷۸
☆ حضرت امروٹی کی بشارت ۸۰
☆ محبت شیخ ۸۲
☆ کمال تعلق ۸۳
☆ شیخ کی محبت میں استغراق ۸۴
☆ مرشد کا اعتماد ۸۶

باب ۵

☆ محبت رسول اللہ ﷺ اور اتباع سنت ۸۷
☆ اتباع سنت ۸۸
☆ محفل سماع کے بارے میں ارشاد گرامی ۹۰
☆ لطائف کی تحقیق ۹۱
☆ حضور اکرم ﷺ کی زیارت ۹۲

باب ۶

☆ محبت الٰہی اور توحید میں رسوخ ۹۴
☆ از سرِ نو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہونا ۹۷

☆ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب کا ارشاد ۹۷
☆ خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کا واقعہ ۹۸
☆ عبادت و ریاضت ۱۰۱
☆ حضرت کا معمول ۱۰۳

باب ۷

☆ کمالات علمیہ ۱۰۷

باب ۸

☆ باطنی احوال ۱۱۱
☆ تقویٰ اور خوف خدا ۱۱۲
☆ معاشرت میں تقویٰ ۱۱۴
☆ دل کی معصومیت ۱۱۴
☆ فکر خاتمہ ۱۱۵
☆ زہد فی الدنیا ۱۱۷
☆ غذا ۱۱۹
☆ لباس ۱۲۰
☆ رہائش ۱۲۱
☆ کرم و سخاوت ۱۲۲
☆ تواضع ۱۲۳
☆ صبر و شکر ۱۲۸

باب ۹

☆ شفقت وحلم اور مسلمانوں کیلئے فکرمندی ۱۳۰
☆ خدا کا بھیجا ہوا ۱۳۱
☆ حضرت کا تحمل ۱۳۲
☆ مرض الوفات کا ایک واقعہ ۱۳۳
☆ اسلام اور اہل اسلام کیلئے فکرمندی ۱۳۴
☆ مسلمانوں کو انتشار سے بچانے کا اہتمام ۱۳۵
☆ حضرت کی مجالس کا انداز اور تاثیر ۱۳۸
☆ مدارس دینیہ کا اہتمام ۱۳۹

باب ۱۰

☆ سیاسیات میں حضرت کا طرز عمل ۱۴۱

باب ۱۱

☆ علماء ومشائخ کی نظر میں ۱۴۶
☆ حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی قدس سرہٗ ۱۴۷
☆ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ ۱۴۷
☆ حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی علیہ الرحمۃ ۱۴۸
☆ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری علیہ الرحمۃ ۱۴۹
☆ شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان علیہ الرحمۃ ۱۵۰
☆ شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالغنی صاحب جاجروی علیہ الرحمۃ ۱۵۰

☆ محدث عصر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری علیہ الرحمۃ ۱۵۱

باب ۱۲

☆ تصانیف ۱۵۴
☆ الیاقوت والمرجان (عربی) ۱۵۴
☆ الاشارات الحمادیہ (عربی) ۱۵۶
☆ لغات القرآن (سندھی) ۱۵۷
☆ شرح منظومہ اسمائے حسنٰی (عربی) ۱۵۷
☆ الینابیع الصافیہ (عربی) ۱۵۷
☆ تجلیات شیخ ہالیجوی (ملفوظات اردو) ۱۵۸
☆ تحفۃ السالکین (ملفوظات سندھی) ۱۵۸
☆ خطبات (سندھی) ۱۵۹
☆ غیر مطبوعہ تصانیف ۱۵۹

باب ۱۳

☆ انعامات الٰہیہ ۱۶۱
☆ استقامت ۱۶۵
☆ غفلت کا علاج ۱۶۶
☆ قیام تراویح میں رکوع وسجود ۱۶۷
☆ سردیوں میں گرم عبا کا پہننا ۱۶۸
☆ سرمد کی رباعیاں ۱۶۹
☆ سندھی صاحب کے حوالے کرو ۱۶۹

☆ کلمات کی تاثیر ۱۷۱
☆ نظر کی تاثیر ۱۷۲
☆ دم کی تاثیر ۱۷۴

باب ۱۴

☆ **وفات اور ازواج واولاد** ۱۷۶
☆ حلیہ وجمال ۱۷۸
☆ ازواج واولاد ۱۷۹

باب ۱۵

☆ **تعلیمات وملفوظات** ۱۸۰
☆ ضرورت شیخ ۱۸۰
☆ اصلاح باطن کی تلقین ۱۸۵
☆ تسخیر جنات نہیں، تسخیر نفس ۱۹۱
☆ عامل نہ بنو، کامل بنو ۱۹۱
☆ عالم الغیب صرف خدا ہے ۱۹۲
☆ مشائخ قادریہ کا طریقۂ ذکر ۱۹۶
☆ اعتراض ۱۹۸
☆ جواب ۱۹۹
☆ اشکال اور اس کا حل ۱۹۹
☆ ذکر قلبی ۲۰۱

☆ خدمت دین کے بنیادی ارکان ۲۰۲
☆ قلب سلیم ۲۰۳
☆ تعلیم وتعلم اور اخلاص ۲۰۳
☆ خدمت دین ۲۰۳

باب ۱۶

☆ **شجرہ سلسلۂ عالیہ قادریہ** ۲۰۴

باب ۱۷

☆ **میرے شیخ ومرشد** ۲۱۰

عرض ناشر

صاحبزادۂ گرامی قدر حضرت مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب مدظلہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد! وَالَّذِیۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّکَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ (سورۃ الحشر)

(اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے دعاء کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہمارے ان بھائیوں کے، جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں، گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے، اور اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے)

قرآن کریم کی اس آیت میں آئندہ آنے والی نسلوں سے اس بات کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ گذشتہ نسلوں (اسلاف) کے بارے میں ان کا رویہ شرح صدر اور اعتراف حق کا ہونا چاہئے۔

صدق، اخلاص، قرب خداوندی، خوف الٰہی، انابت، دین کی بے لوث خدمت اور اسلام کی بقاء وحفاظت کے میدان میں جو سبقت وفضیلت ان کو حاصل ہے اسے دل سے تسلیم کرتے ہوئے ان کی طرف سے نئی نسل کے دلوں میں کوئی کینہ اور نفرت نہ ہو، ان کے حق میں ہماری زبانیں دعا گو اور ثنا خواں رہیں، ایسی شخصیات کا ذکر خیر فائدے سے کسی طرح خالی نہیں، ایسی بزرگ ہستیوں کا تذکرہ نزول رحمت و سکینت کا باعث بنتا ہے۔

اس سعادت کے حصول کی خاطر ایک قطب وقت، ایک نابغہ روزگار شخصیت، فنا فی اللہ، مرشد العلماء والاتقیاء حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً کا ذکر خیر ’’تذکرۂ شیخ ہالیجوی‘‘ کے نام سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، درحقیقت ہمارے محترم، سلسلۂ قادریہ سے وابستہ ہندوستان کے ممتاز وجید عالم دین، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی، قبلہ حضرت والد صاحب مدظلہ کی زیارت کی غرض سے ہندوستان سے تشریف لائے (مولانا موصوف کا سلسلہ بیعت حضرت قبلہ والد صاحب سے قائم ہے) تقریباً ایک ماہ تک جامعہ حمادیہ میں قیام رہا، اس قیام کے دوران مولانا موصوف نے چند کتب کی مدد سے ایک مضمون کا ارادہ کیا اور زیادہ تر حضرت والد صاحب دامت برکاتہم سے بالمشافہ، حضرت والا قدس سرہ کے حالات وواقعات سنتے رہے، تو تنہائی کے لمحات میں اپنے حافظے سے ان حالات وواقعات کو تحریر کی لڑیوں میں پرو لیتے تھے، نہ ان کا ارادہ تھا نہ کسی کو علم تھا کہ یہ کوئی کتاب لکھی جا رہی ہے، جب کافی مواد جمع ہوا تو مولانا نے خواہش ظاہر فرمائی کہ جامعہ کے ترجمان ’’ماہنامہ الحماد‘‘ میں اس مواد کو قسط وار شائع کیا جائے۔

چنانچہ مسودہ ومواد دیکھنے کے بعد بندہ کے دل میں شدید داعیہ پیدا ہوا کہ اس قیمتی مواد اور انمول خزانے کو رسائل میں بکھیرنے کے بجائے کتابی شکل دے کر شائع کیا جائے تو یہ اس مسودے کے ساتھ قرین انصاف ہوگا۔

احباب ورفقاء کی طرف سے بھی میری تجویز کو پذیرائی ملی اور حوصلہ بڑھا اور اپنی محنت وکوشش اور تگ ودو کا یہ ثمرہ آج قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت سے سرفراز ہو رہا ہوں۔

اس ضمن میں دیگر رفقاء واحباب کے تعاون کا شکریہ ادا کرتے ہوئے خصوصی طور پر رفیق محترم مولانا ابوسجاد صدیق احمد صاحب استاذ جامعہ حمادیہ کا نہایت شکر گذار ہوں جنھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود کتاب ہٰذا کی تصحیح، پروف

ریڈنگ سے لے کر پریس کے تمام مراحلمیں میرا ساتھ دیا اور اس محنت کو ثمر آور اور نتیجہ خیز بنانے میں ہر طرح کا تعاون جاری رکھا، اللہ انھیں جزاء خیر عطا فرمائے۔ آمین

یہ کتاب اس سلسلے میں ہماری کوششوں اور مساعی کا حرف آغاز ہے انتہاء نہیں، ہماری کوشش ہے کہ اپنی مقدور بھر استطاعت کے مطابق حضرت والاؒ سے متعلق تمام کتب بالخصوص حضرت والاؒ کی تصانیف کو جو کہ بیشتر سندھی زبان میں زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں، مگر اردو داں طبقہ اس سے محروم ہے، ان سب کو اردو داں طبقے کی ہدایت ورہنمائی کیلئے اردو میں شائع کرنے کا اہتمام کریں، خاص طور پر حضرت والا کی گرانقدر تصنیف ’’تحفۃ السالکین‘‘ جو کہ تین جلدوں میں سندھی زبان میں طبع ہو چکی ہے، مگر اردو میں خاطر خواہ طور پر اس کی اشاعت نہیں ہو سکی۔ اس کتاب کو بھی عام فہم اردو زبان میں قارئین کیلئے پیش کریں۔

انشاءاللہ العزیز ہم اپنی کوشش و جہد میں کوئی کسر باقی نہیں رکھیں گے، اخیر میں اپنی اس محنت وجد و جہد کے اصل محرک اور دینی ذوق وشوق کے اصل مربی قبلہ حضرت والد صاحب **بارک اللہ فی حیاتھم** کیلئے دعا گو ہوں جن کی تربیت کے طفیل آج اس کتاب کی اشاعت کے قابل ہوا۔

اس سب کچھ کے باوجود میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ حضرت والاؒ کی جلالت قدر اور شان کے مطابق ہم سے کچھ بھی نہیں ہو سکا، بقول شیخ سعدیؒ

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی

لیکن ’’**مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ**‘‘ کے بموجب اپنی سعی جاری رہے گی۔

یابم اورا یا نیابم جستجوئے می کنم
حاصل آید یا نہ آید آرزوئے می کنم

والسلام

عاصم عبداللہ، ناظم مکتبہ حمادیہ، کراچی

دعائیہ کلمات

پیر طریقت حضرت العلام مولانا عبد الصمد ہالیجوی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمد ونصلی علی رسولہ الکریم

زبانی طور پر عزیزم عاصم عبداللہ صاحب سلمہ سے سنا تھا کہ حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب نے پاکستان آمد کے موقع پر جامعہ حمادیہ میں چند دن کے قیام کے دوران حضرت والا قدس اللہ سرہ کی سوانح عمری پر کچھ کام کیا ہے جسے عوام کے وسیع تر مفاد میں طباعت سے آراستہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا تھا۔

اب جب بندہ جامعہ حمادیہ میں چند دن کے لئے حضرت والا قدس سرہ کی تفسیر کے سلسلے میں رکا، تو عزیزم مفتی عاصم عبداللہ صاحب نے کمپوز شدہ ’’تذکرۂ شیخ ہالیجوی‘‘ کا غیر مطبوعہ نسخہ دکھایا اور خواہش ظاہر کی کہ آپ اس پر چند کلمات تحریر فرمادیں۔

اپنی گونا گوں مصروفیات، اور ضعف وعلالت کے پیش نظر اس کتاب پر تبصرہ کرنے کا حق تو مجھ سے ادا نہیں ہوگا مگر مجموعی طور پر چند چیدہ مقامات سے اس کتاب کے جو مواد میری نظر سے گذرے تو یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اردو زبان میں حضرت والا کی سوانح عمری مرتب ومنظّم طور پر پیش کرنے کا قرض اتارنے کی توفیق اللہ جل وعلی نے ’’مکتبہ حمادیہ‘‘ کو نصیب فرمائی۔

ماشاءاللہ مصنف نے جس طرح فن تصنیف کے شہسوار کے طور پر تحریر کا حق ادا

کر دیا ہے مکتبہ حمادیہ نے اس کی تزئین وخوبصورتی اور دیگر طباعتی خوبیوں میں اعلی ذوق کا مظاہرہ کرتے ہوئے کتاب کا حق ادا کر دیا ہے۔

فجزاهم الله عنا وعن سائر المسلمين خيراً اللهم زدفزد ووفق لهم لا حسن ما تحب وترضى (آمین)

عبدالصمد ہالیجوی

نزیل جامعہ حمادیہ ۵صفر المظفر ۱۴۱۹ھ

کلمات طبیات

حضرت اقدس رہبر راہ طریقت

حضرت مولانا حافظ عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحابته المتقين امابعد!

اللہ رب العزت کا بے حد و بے حساب شکر ہے کہ اس نے اپنے اس ضعیف بندے کو سیدی ومرشدی قطب الارشاد عارف باللہ حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی قدس سرہ کے ملفوظات طیبہ کی خدمت کی توفیق بخشی، حضرت کے خلیفہ مجاز مولانا دھنی بخش صاحب نے آپ کے کچھ ملفوظات بزبان فارسی جمع کئے تھے۔ ان کا اس احقر نے اردو میں ترجمہ کیا تھا وہ ''تجلیات شیخ ہالیجوی'' کے نام سے شائع ہوا، اس وقت یہ افسوس ہوا تھا کہ ایک ایسی عظیم شخصیت جس کے کلمات طیبات نہایت قیمتی آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں ان کا مجموعہ اس قدر مختصر۔ پھر ارادہ ہوا کہ اگر اللہ تعالی کا فضل شامل حال رہا تو اس خدمت کو انشاء اللہ از سر نو انجام دیا جائے گا۔

اللہ رب العزت کا ہزار شکر واحسان ہے کہ خود خانقاہ عالیہ ہالیجی شریف سے یہ خدمت انجام پا رہی ہے۔ حضرت کے ملفوظات طیبات کے تین مجموعے ''تحفہ السالکین'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں گو کہ یہ سندھی زبان میں ہیں۔ اردو خواں حضرات ان سے استفادہ نہیں کر سکتے لیکن جہاں اللہ نے اتنا کر دیا ہے وہ کسی بندے کے لئے آسان فرمادے گا کہ اس کا اردو میں ترجمہ بھی ہو جائے۔ ملفوظات کے علاوہ

آپ کے خطبات اور آپ کی بلند پایہ تصنیفات بھی شائع کرنے کا خانقاہ شریف سے اہتمام کیا گیا ہے ۔ حضرت اقدس کے حفید رشید حضرت مولانا عبدالصمد ہالیجوی دامت برکاتہم کو اللہ تعالیٰ خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے انھوں نے اس سلسلے میں اپنی ہمت مبذول فرما رکھی ہے۔

جی چاہتا ہے کہ حضرت کے ملفوظات کی طرح حضرت کی ایک سوانح بھی مرتب ہوجاتی تو دل وجان کے لئے یہ ذکر محبوب سرمایہ تسکین بنتا، لیکن اس کی ہمت نہیں ہوتی تھی حضرت نے اپنے کو جس طرح مٹایا اور فنا کیا تھا اور اس سلسلے میں حضرت اقدس کا جو ذوق تھا اس کو دیکھتے ہوئے سوانح حیات لکھنے کا خیال آتا بھی تھا تو دل میں ہی رہ جاتا تھا۔ حضرت اقدس کی فنائیت کا یہ عالم تھا کہ جن چیزوں سے کچھ کچھ ظہور وشہود کا احتمال گذرتا تھا اسے بھی ناپسند کرتے تھے فرماتے تھے کہ ”بیٹا میرے نام کو کاغذ پر نہ لکھو“ گویا یہ بھی نام کی شہرت کا ایک ذریعہ ہوجائے گا۔ سالکین کے خطوط کا جواب لکھتے تھے مگر ان پر اپنا نام بسا اوقات نہیں لکھتے تھے، بس حضرت والا کا ایک ہی مشغلہ تھا کہ اللہ کا نام اور اللہ کا کلمہ بلند ہو، بندوں کے نام کے جاننے اور انھیں شہرت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سلسلے میں حضرت کے جو احوال دیکھنے میں آئے وہ حیران کن ہیں ۔ حضرت کو پسند نہ تھا کہ ان کی تعریف وتوصیف میں کوئی تحریر لکھی جائے اور اسے شائع کیا جائے، وہ قرآن وسنت کی زیادہ سے زیادہ اشاعت چاہتے تھے اور انہی کے علوم کو عام کرنا چاہتے تھے۔

اس صورت حال میں سوانح حیات لکھنے کا منصوبہ خواب وخیال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ لیکن اللہ جزائے خیر دے ہمارے عزیز مکرم مولانا اعجاز احمد اعظمی سلمہ کو انھوں نے اپنی محنت اور اپنے شوق سے حضرت کے کچھ حالات مرتب کرکے میرے پاس کراچی بھیجے ۔ عزیز موصوف ہندوستان میں ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے ہیں ۔ اس احقر کا آبائی وطن اعظم گڈھ سے ہی متصل ضلع غازی پور ہے، بندہ کا وہاں ۱۴۰۲ھ سے کئی بار جانا ہوا، اس وقت مولانا موصوف مدرسہ دینیہ غازی پور میں جہاں میں نے اپنے استاذ حضرت مولانا قاری عبیداللہ صاحب الہ آبادیؒ سے پڑھا تھا مدرس تھے۔ وہیں ان سے ملاقات ہوئی انھیں اس خاکسار سے بہت مناسبت ہوئی اور باقاعدہ سلسلہ میں داخل ہوگئے ۔ انھیں لکھنے پڑھنے کا خاص ذوق ہے ۔ بالخصوص بزرگوں کے حالات سے بہت دلچسپی رکھتے ہیں مجالس میں حضرت اقدس کا ذکر آتا ہی رہتا تھا۔ اس کے علاوہ تجلیات شیخ ہالیجویؒ میں بھی مختصر سا تذکرہ ہے انہیں معلومات کو سامنے رکھ کر کچھ مزید محنت وکاوش کرکے انھوں نے ترتیب سوانح کا کام شروع کردیا۔

جتنا حصہ انھوں نے بھیجا تھا وہ ابھی مکمل نہ تھا اسے دیکھا تو ماشاء اللہ پسند آیا خیال ہوا کہ اسے مکمل کردیں تو کتابی صورت میں شائع کردیا جائے پھر وہ ۱۴۱۷ھ کے آخر میں پاکستان آئے تو یہاں لگ لپٹ کر اسے مکمل کردیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی شان عالی کے مطابق جزائے خیر سے نوازے ۔ اپنی محبت ومرضیات سے نوازے اور اخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے اور اپنے دین کی خدمت ان سے لے۔

اب یہ ایک تذکرہ ہے سوانح حیات ہے ”حضرت اقدسؒ کی شان عالی کی ایک جھلک سی اس میں دیکھی جاسکتی ہے۔ نہ پوری نہ ادھوری بلکہ صرف ایک ہلکی سی جھلک اول تو حضرت نے اپنے احوال رفیعہ پر اخفاء کی دبیز چادر ڈال رکھی تھی، کون انھیں دیکھ سکتا تھا دوسرے جو کچھ بظاہر دکھائی دیا اس کے بھی اظہار اور تحریر کو انھوں نے کبھی پسند نہیں کیا یہاں جو کچھ لکھا گیا یا لکھوایا گیا وہ اس نیت سے ہے کہ شاید اس روشن زندگی کی رہنمائی میں کسی سالک راہ کو راستہ نظر آجائے یا راستہ چلنے کا حوصلہ مل جائے اور شاید بزرگوں کے تذکرہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اتر پڑے۔

مؤلف نے اچھا کیا ہے کہ سلسلے کے اوپر کے اکابر کا بھی قدرے تذکرہ کردیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سلسلے کے بزرگوں نے ہمیشہ قید وبند، جفاکوشی، محنت ومشقت، تواضع وانکساری اور جہاد ومجاہدہ کو اپنا شعار بنایا ہے آج بھی یہی راستہ متعین ہے، احقر کی خوش نصیبی ہے کہ دورۂ حدیث شریف کی تکمیل دارالعلوم دیوبند میں سید المجاہدین شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کی خدمت میں کی

اور باطن کی اصلاح ودرستگی کے لئے حق تعالی نے ایک ایسے بزرگ کی خدمت میں پہنچایا جن کی روح اور جن کا وجود تبلیغ دین اور جہاد فی سبیل اللہ کے جذبہ سے معمور تھا۔ اللہ تعالی ان بزرگوں کی نسبت کا فیض عطا فرمائے، آمین۔

اخیر میں حضرت پیر طریقت مولانا عبدالصمد صاحب ہالیجوی دامت برکاتہم کا شکرگزار ہوں کہ انھوں نے اس سوانح و تذکرہ کے شائع کرنے کی اجازت اس خاکسار کو دی انہی کے ایماء پر یہ کتاب چھپ کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ اللہ تعالی اسے قبول فرمائے اور مخلوق خدا کے لئے نافع اور مفید بنائے۔ آمین۔

عبدالواحد
خادم
جامعہ حمادیہ فیصل کالونی نمبر۲ کراچی نمبر ۲۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریب

ایک سال قبل ایک صاحب کراچی سے ہندوستان تشریف لائے میری ان سے ملاقات مئوناتھ بھنجن میں ہوئی، وہ کراچی سے ایک رسالہ ''**الحماد**'' کے چند شمارے اور سیدی ومرشدی حضرت اقدس مولانا حافظ عبدالواحد صاحب مدظلہم کا مکتوب مبارک لائے تھے۔ یہ رسالہ شیخ المشائخ حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی قدس سرہ کی یادگار میں جاری کیا گیا ہے۔

حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی شان عالی کے بارے میں اپنے مرشد سے بہت کچھ سن چکا تھا، نیز ان کے مختصر حالات وملفوظات کا مجموعہ " **تجلیات شیخ ہالیجوی** "'' کے نام سے شائع بھی ہو چکا ہے، یہ مجموعہ میرے پاس موجود تھا ، خیال ہوا کہ حضرت صاحب نور اللہ مرقدہ کے متعلق ایک مضمون حضرت سے سنی ہوئی باتوں اور تجلیات کی روشنی میں لکھ کر بھیج دوں۔

سندھ کے مشائخ وبزرگان دین ہندوستان میں زیادہ معروف نہیں ہیں۔ ارادہ ہوا کہ اس سلسلے کے دوسرے حضرات مشائخ کے بھی کچھ احوال دریافت کئے جائیں۔ مشائخ سندھ کے متعلق کچھ کتابیں دیکھیں، ناکافی معلومات حاصل ہوئیں۔ انہیں کی بنیاد پر مضمون لکھنے کا آغاز کیا جو بے ارادہ طویل ہو گیا۔ اب سوچا کہ اسے مستقل سوانح عمری بنادیا جائے۔ چنانچہ پھر اسی انداز پر لکھنے لگا۔ نصف کے قریب لکھ چکا تھا کہ فرصت عنقا ہو گئی اور اس کا سلسلہ رک گیا۔ جتنا لکھ چکا تھا اسے حضرت کی خدمت میں کراچی بھیج دیا کہ اشاعت مناسب ہو گی تو "**ماہنامہ الحماد**'' میں قسط وار یہ سلسلہ چھپتا رہے گا۔

پھر اللہ نے سعادت بخشی کہ اواخر رجب ۱۴۱۷ھ میں حضرت اقدس دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضری کا موقع مل گیا۔ یہاں فرصت دستیاب ہوئی تو باقی ماندہ حصہ لکھنا شروع کیا۔ کراچی میں حالات کے سلسلے میں کچھ اور چیزیں بھی مہیا ہوگئیں۔ حضرت صاحب کے ملفوظات کا ایک اور مجموعہ سندھی زبان میں ''**تحفه السالکین**'' تین حصوں میں ابھی حال میں ہی شائع ہوا ہے، وہ مل گیا۔ یہ مجموعہ سندھی زبان میں ہے اور راقم الحروف اس سے بالکل آشنا نہیں ہے۔ لیکن بعض سندھی دوستوں نے مدد کی اور اس میں سے ضرورت کی چیزیں میں نے اخذ کرلیں۔

پھر ایک کتاب ''**بیس مردان حق**'' مرتبہ مولانا عبدالرشید ارشد صاحب ملی، جس میں انھوں نے سلسلہ قادریہ کے مشائخ حضرت سید حسن شاہ جیلانی، حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بھرچونڈی شریف، حضرت مولانا تاج محمود صاحب امروٹی قدس سرہ کے حالات قدرے تفصیل سے لکھے ہیں۔ اس کتاب کی مدد سے ان بزرگوں کے حالات شامل کتاب کئے۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت مرشد دامت برکاتہم کی خدمت میں مستقل ایک ماہ کی حاضری نے ترتیب وتالیف کی تمام راہیں آسان کردیں اور مزید خوش نصیبی یہ میسر آئی کہ حضرت اقدس کی معیت میں ۱۶/شعبان کو ہالیجوی شریف میں حاضری ہوئی۔

ہالیجی سندھ کے ضلع سکھر کا ایک گاؤں ہے۔ یہی حضرت صاحب علیہ الرحمہ کا وطن ہے اور یہیں بیٹھ کر حضرت صاحب نے محبت ومعرفت کے چشمے بہائے اور علم و عرفان کے چراغ جلائے ہیں۔ ایک پرسکون روح پرور اور ایمان افروز جگہ ہے جہاں کے ذرے ذرے میں روحانیت بسی ہوئی ہے۔

یہ بستی دنیا کی آبادیوں سے ایک الگ آبادی معلوم ہوتی ہے جہاں پہونچتے ہی آدمی کا رواں رواں اللہ اللہ کرنے لگتا ہے۔ اس خانقاہ کے سربراہ حضرت صاحب قدس سرہ کے حفید رشید حضرت مولانا عبدالصمد صاحب مدظلہ العالی ہیں، خود بھی بزرگ ہیں ایک بزرگ کے بیٹے ہیں ایک عظیم بزرگ کے پوتے ہیں تمام بزرگانہ

شانیں ان میں موجود ہیں۔ سادگی، بے تکلفی، خلوص وللّٰہیت، تواضع، شفقت ومحبت، غرض تمام صفات عالیہ کے مجمع ومرکز، اللہ تعالی تادیر سلامت رکھے۔

حضرت نے اور ان کی اولاد و متعلقین نے اور خانقاہ شریف کے فقراء نے حضرت مرشدی مدظلہ کی برکت سے حد درجہ پذیرائی کی۔ حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی مزار پرانوار پر فاتحہ پڑھی۔ ایک دن دورات وہاں قیام کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس حاضری کی لذت وحلاوت تادیر باقی رہے گی۔ انشاءاللہ۔

۱۸/شعبان کو وہاں سے چل کر امروٹ شریف حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی قدس سرہ کی خانقاہ امروٹ شریف میں حاضری ہوئی حضرت امروٹی علیہ الرحمہ حضرت ہالیجوی علیہ الرحمہ کے شیخ ومرشد تھے۔ تھوڑی دیر وہاں کی روحانیت بھری فضا میں رہ کر سلسلہ قادریہ کے مرکزی بزرگ حضرت پیر محمد راشد صاحب علیہ الرحمہ کے آستانہ پیر گوٹھ میں حاضری دی۔ اس آستانہ عالیہ میں گوکہ بدعات نے بہت کچھ راہ پالی ہے۔ تاہم روحانیت کی خنکی محسوس ہوتی ہے۔ اللہ تعالی ان بزرگوں کے درجات کو بلند فرمائے۔

کراچی میں حضرت اقدس مرشدی دامت برکاتہم کی خدمت میں ۲۹ دن حاضری کا شرف ملا۔ یہ ۲۹ دن زندگی کے یادگار ایام ہیں۔ حضرت اقدس نے بہت شفقت وکرم کا معاملہ فرمایا۔ اللہ تعالی ان کے سایۂ رحمت کو سلامت باکرامت رکھے۔

حضرت کے عالی قدر صاحبزادگان محترم نے بھی بڑی عنایت ومحبت کا معاملہ فرمایا۔ یہ نالائق حقیقتاً کسی لائق نہیں ہے، لیکن بزرگوں اور بڑوں کی نظر اپنے کرم کے لئے کسی استحقاق ولیاقت کو نہیں دیکھتی۔ وہ ان کی نظر کرم ہے۔ جس سے ہر کس وناکس سرفراز ہوتا ہے۔ ایک ناکس ہندوستان سے بھی آیا اور سرفراز ہوکر واپس ہوا۔

رفع الله درجاتهم وبارک فی حیاتهم

ایک ایسا شخص جو خود سندھ سے اور سندھی بزرگوں سے کچھ واقفیت نہیں رکھتا تھا اس سلسلہ میں منسلک ہوا تو ان بزرگوں کے قدرے تعارف کا شرف حاصل کررہا ہے

نہ اس کے قلم میں کوئی جان، نہ اس کی تحریر میں کوئی رنگ ہے، شاید بزرگوں کی برکت سے اسے قبولیت حاصل ہو جائے۔ اللہ کرے۔

اعجاز احمد اعظمی
مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور اعظم گڑھ۔ یوپی (ہند)
نزیل جامعہ حمادیہ کراچی ۲۲/شعبان ۱۴۱۷ھ

ماہنامہ ''ضیاء الاسلام'' وقت کی ایک اہم ضرورت
مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور کا دینی وعلمی واصلاحی ترجمان
ماہنامہ ضیاء الاسلام شیخوپور

سرپرست:
حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی مدظلہ

مدیر:
ضیاء الحق خیرآبادی (فاضل دیوبند)

مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور سے شوال ۱۴۲۰ھ سے ایک عام فہم دینی رسالہ ''ضیاء الاسلام'' کے نام سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ جس میں مختلف دینی و تاریخی موضوعات پر اہم مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے حسن قبول عطا فرمایا، اور اصلاح وہدایت کا ذریعہ بنایا۔

قارئین سے گذارش ہے کہ اس کی اشاعت کیلئے سعی وکوشش کریں، خود بھی اس کے خریدار بنیں اور اپنے دوست واحباب اور متعلقین کو بھی اس کار خیر کی ترغیب دیں۔ سالانہ زرتعاون ایک سو پچیس روپے (125/=) قیمت فی شمارہ بارہ روپے (12)

پتہ:
منیجر ماھنامہ ضیاء الاسلام، مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور
اعظم گڈھ۔ یوپی 276121

باب نمبر ا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ الشیوخ حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی قدس سرہ

اسلام کا ابر کرم سرزمین عرب سے اٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے فضائے عالم پر محیط ہوتا چلا گیا، دنیا میں ایک نئی ہلچل پیدا ہوئی، جہاں جہاں یہ بارش کرم برسی مردہ زمینیں زندہ ہوگئیں، خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہونے لگیں، ہندوستان کی جانب جب اس ابر بہاراں نے رخ کیا تو سب سے پہلے جو خطہ اس کے فیضان رحمت سے سرسبز وشاداب ہوا وہ سندھ کا علاقہ ہے۔ سندھ میں ہی مسلمانوں کا پہلا قافلہ اترا، یہیں ان کی پہلی حکومت قائم ہوئی۔ وہ ایک ہزار سال سے اوپر یہاں حکمراں رہے۔ جس کے آثار آج بھی سندھ کے در و دیوار سے نمایاں ہیں۔

تاریخ کی شہادت ہے کہ اسلام دنیا کے جس جس خطے میں پہونچا، مادی برکات سے زیادہ ایمانی وروحانی برکات لٹاتا رہا۔ لشکر اسلام کے جلو میں ہر ہر جگہ علماء و فقہاء محدثین و متکلمین اور صوفیاء ومشائخ کے گروہ بھی پہنچتے رہے۔ اہل سیاست ملکوں کو فتح کرتے رہے اور ان کی تعمیر وانتظام میں مشغول ہوتے اور یہ ارباب کمال قلوب واذھان اور افکار ونظریات کی تسخیر کرتے، پھر حکومتیں الٹتی پلٹتی رہتیں، تخت وتاج ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتے رہتے لیکن اقلیم علم وفضل کے فرمانرواؤں کا سکہ یکساں چلتا رہتا، یہ بوریہ نشیں جہاں اپنے علم وعمل اور ایمان وایقان کا چراغ جلا کر بیٹھ جاتے پھر ہزار آندھیاں آتیں مگر یہ اپنی آستینوں میں ید بیضاء لئے بیٹھے رہتے اور اپنی

درسگاہوں، زاویوں، خانقاہوں کی شکستہ دیواروں کے سہارے اپنے چراغوں کو انقلابات کی آندھیوں سے بچائے رکھتے۔ حکومتیں بدل جاتیں، حکمراں ہاتھوں سے تخت وتاج چھن جاتے مگر جن دلوں کو ان حضرات نے فتح کیا ہوتا ان کی نسلوں پر نسلیں گزر جاتیں مگر ان میں کوئی تبدیلی نہ آتی۔

سندھ میں جب اسلامی افواج کا داخلہ ہوا تو قدرتی طور پر ہر طبقہ کے اہل کمال بھی ان کے ساتھ یہاں آئے۔ یہ پہلی صدی ہجری کے اواخر کا قصہ ہے۔ اس وقت مجموعی طور پر مسلمانوں کا معاشرہ مذہبی پختگی، دین و دیانت کے استحکام، خداترسی و للّٰہیت کے رسوخ کا ایک بہترین نمونہ تھا۔ مسلمان فوجی ہوں یا تجارت پیشہ، دستکار ہوں یا اصحاب علم وفضل، سب کی زندگی میں جو بات علامت بن کر چھائی رہتی وہ ان کی دینداری، خلوص، انسانی ہمدردی، ذوق عبادت اور امانت و دیانت کا وہی جذبہ ہوتا تھا جس کو اسلامی تعلیمات نے عام کر رکھا تھا۔

یہ حضرات اسی علامت سے پہچانے جاتے تھے۔ سندھ میں یہ لوگ جب آئے تو یہاں بھی یہی شناخت عام ہوئی۔ ارباب سیاست وحکومت عرب سے آتے رہے جاتے رہے لیکن جو ارباب کمال ان کے ساتھ یہاں آگئے تھے ان میں سے بیشتر یہیں رہ گئے اور یہیں پیوند خاک ہوئے۔ وہ اپنے پیچھے نومسلموں کا ایک جم غفیر تیار کر گئے ایک ایک چراغ سے پوری پوری انجمن وجود میں آگئی۔

ان بزرگوں نے یہاں کے غیر مسلم خاندانوں اور غیر مسلم افراد پر محنت کی، انہیں زبانی ہدایات، حسن اخلاق، سیرت و کردار اور اپنی روحانی قوت کے ذریعے اسلام کی آغوش رحمت میں کھینچا، یہ سلسلہ ابتدائی صدیوں سے شروع ہو کر قرون متاخرہ تک کمیت و کیفیت کے اختلاف کے ساتھ برابر جاری رہا۔

سندھ میں علماء ومشائخ اور اصحاب سلاسل کی ایک لمبی تاریخ ہے بالخصوص سلسلہ قادریہ کے مشائخ نے اس خطہ کو خصوصیت سے سیراب کیا۔ اس سلسلۂ مبارکہ میں یہاں بڑے بڑے صاحب نسبت شیوخ طریقت گزرے ہیں جنہوں نے ایمان

ویقین کی خنکی اور اللہ کے نام کی حلاوت کو عام کیا۔

اس وقت میرے پیش نظر سلسلہ قادریہ ہی کے ایک قوی النسبت اور برگزیدہ عالم ربانی اور شیخ طریقت کا تذکرہ ہے۔ جنہوں نے سندھ کے ایک گمنام گاؤں میں بیٹھ کر مدتوں علم وعرفان کے چشمے بہائے ہیں اور ریاضت و مجاہدہ، محبت الٰہی و عشق نبوی، ذوق عبدیت، شوق انابت اور دینی تعلیم و تربیت سے قرون اولیٰ کی درسگاہوں اور خانقاہوں کی یاد تازہ کر دی۔ ان کی دکان دل میں عشق ومحبت کی متاع گرانمایہ تقسیم ہوتی تھی لوگ تہی دامن آتے تہی مایہ آتے اور محبت ومعرفت کی دولت سے مالا مال ہو کر جاتے۔

نام ونسب:

ان بزرگ کا اسم گرامی حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہے۔ یہ سکھر کے علاقہ میں ایک گاؤں ہالیجی کے رہنے والے تھے، اسم گرامی حضرت والا کا جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، حماد اللہ تھا حضرت مولانا حماد اللہ بن میاں محمود بن حماد اللہ، حضرت کا خاندان اصلاً راجستھان کا رہنے والا تھا۔ اطراف اجمیر میں کہیں بود و باش تھی، سندھ میں یہ خاندان اندھڑ کے نام سے معروف ہے۔ تجلیات ہالیجوی کے مرتب لکھتے ہیں کہ:۔

> حضرت والا نے ایک مرتبہ خود فرمایا تھا کہ ایک شخص اندرراج نامی از قوم راجپوت اجمیر شریف کے اطراف سے ہجرت کر کے بھنگ کے قرب وجوار میں (جو ایک گاؤں ہے ریاست بھاول پور میں) سکونت پذیر ہوا اور میاں موسیٰ نواب کے ہاتھ پر مع جمیع اہل وعیال کے مشرف بہ اسلام ہوا۔ اسی شخص کی اولاد اندرراج سے بگڑ کر اندھڑ کے نام سے مشہور ہوئی۔” (ص ۱۱)

ساتویں صدی ہجری میں میاں موسیٰ نواب رحمۃ اللہ علیہ مشہور سہروردی بزرگ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نور اللہ مرقدہ کے بھانجے اور خلیفہ تھے، انہی کی تبلیغی

کوششوں سے اندھڑ قوم مسلمان ہوئی، اسی وجہ سے اس قوم کا روحانی تعلق ملتان سے اب تک کسی نہ کسی صورت میں باقی ہے۔ حضرت مولانا کا قول صاحب تجلیات نقل کرتے ہیں کہ:۔

> ’’اسی قوم کے بعض افراد ریاست بھاول پور سے ترک وطن کر کے اس دیہات میں آباد ہوئے، ہمارے اجداد بھی ہالیجی میں آ کر آباد ہو گئے۔‘‘ (ص ۱۱)

ہالیجی شریف:

یہ گاؤں ضلع سکھر قصبہ پنو عاقل کے قریب ہے حضرت مولانا کے ارشاد کے مطابق اس گاؤں کے ہالیجی نام ہونے کا سبب یہ ہے کہ اسکے قریب ہی ایک وادی تھی جس کا نام ہالیجی تھا اسی سبب سے اس بستی کا نام بھی ہالیجی ہو گیا۔ شاید کہ ہالا نامی شخص اس وادی میں سکونت رکھتا ہوا سکے نام پر یہ وادی ہالیجی ہوئی اور اس وادی کے نام پر اس قریہ کا نام بھی ہالیجی مشہور ہوا، اس کا تلفظ ’’ہالے جی‘‘ ہے۔

بہر کیف وجہ تسمیہ جو کچھ بھی ہو، مگر یہ ایک گمنام گاؤں تھا لیکن نہ جانے کتنی گمنام بستیاں ہوتی ہیں جنہیں پہلے کوئی نہیں جانتا پھر اچانک دیکھا جاتا ہے کہ لوگوں کے قدم ان کی طرف بڑھ رہے ہیں خوشبو کی طرح ان کی شہرت پھیلتی اور بڑھتی چلی جا رہی ہے زبانوں پہ تذکرے چل رہے ہیں۔ وہاں جانے کا راستہ نہ تھا، مگر اب سواریاں دوڑنے لگیں۔ معلوم ہوا کہ یہاں سے نام خدا کی خوشبو پھوٹ رہی ہے۔ کوئی شخص ہے جو تجلیات الٰہی کا مرکز ہے، پھر مخلوق بھونروں اور پروانوں کی مانند اس خوشبو اور روشنی پر ٹوٹی پڑ رہی ہے۔

ہر کجا بوئے خدا می آید
خلق بیں بے سروپا می آید

ولادت و تعلیم:

حضرت اقدس بے شمار گمنام بستیوں میں سے اس ایک بستی ہالیجی میں چودھویں صدی ہجری کی ابتدا یعنی ۱۳۰۱ھ میں تولد ہوئے حضرت والا کا وجود مسعود جو آگے چل کر رحمت الٰہی کا ایک مظہر اور ارشاد و ہدایت کا ایک پیکر بننے والا تھا۔ ماں باپ کے لئے آیت رحمت بن کر نمودار ہوا۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ:۔

> ’’ہمارے والدین کو اولاد پیدا نہیں ہوتی تھی‘‘

ظاہر ہے کہ جہاں والدین ایک عرصہ تک اولاد سے محروم ہوں ان پر یاس و قنوط کی کیسی کچھ کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ لیکن پھر یکا یک رحمت الٰہی کو جوش آتا ہے اور شاخ بے ثمر پر نئے سرے سے برگ و بار آنے لگتے ہیں ماں باپ جب بڑھاپے کی سرحد میں داخل ہو رہے تھے اس وقت اللہ کی رحمت جلوہ فگن ہوئی اور حضرت اقدس کے وجود نے ایک بے نور و بے چراغ گھر کو فروزاں کیا۔

والدین کو اپنی اس اکلوتی اولاد سے جو بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ نے عطا کی تھی۔ جو تعلق رہا ہو گا اس کو بتانے اور سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے موقع پر بسا اوقات والدین محبت اور لاڈ و پیار میں اولاد کی تعلیم و تربیت سے غافل رہ جاتے ہیں۔ لیکن مولانا کے والد نے اپنے بچے کی تعلیم و تربیت سے چشم پوشی نہیں کی۔

مولانا کی عمر جب چار پانچ سال کی ہوئی تو والد محترم نے ان کی تعلیم کے لئے ایک مولوی صاحب کو مسجد میں مقرر کر دیا اور محبت کی بناء پر خود اپنے بیٹے کی انگلی پکڑ کر مسجد میں لے جاتے۔ جب تک بچہ پڑھتا ابا جان وہیں بیٹھے رہتے، اور جب لوٹتے تو بیٹا بھی ساتھ گھر چلا آتا۔ یہ سلسلہ کچھ دنوں تک چلتا رہا لیکن تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ حضرت اقدس کے والد کا سایۂ رحمت اٹھ گیا۔

والد کے قضا کر جانے کے بعد بھی تعلیم کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ البتہ اس میں سستی آ گئی۔ یتیمی کے صدمے کے بعد فطرتاً حضرت کی طبیعت اچاٹ ہو گئی۔ بوڑھی والدہ کتنا اہتمام کرتیں انہیں بیوگی کی مصیبت سے دوچار ہونا پڑا تھا اور کوئی اولاد تھی نہیں کہ کچھ سہارا ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت اقدس کی سستی پر ایک روز استاد نے بہت

زیادہ زدوکوب کردیا۔ طبیعت تو پہلے ہی سے اچاٹ تھی اس زدوکوب نے اور بھی حوصلہ توڑ دیا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ:.

> ’’میں یہاں سے بھاگ کر ایک گاؤں جو کہ جنوب کی طرف واقع تھا، قرآن کریم پڑھنے چلا گیا۔ وہاں پر ایک مولوی صاحب تھے جن کا نام مٹھا تھا۔ جیسا کہ ان کا نام تھا اللہ تعالی نے ویسا ہی مزاج بھی بنایا تھا۔ نہایت شیریں کلام اور نرم مزاج تھے۔‘‘ (ص۱۲)

مولانا نے یہاں سہولت کے ساتھ قرآن پاک ختم کرلیا۔ لیکن چونکہ استاد نرم تھے۔ اس لئے قرآن شریف میں جتنی محنت چاہئے تھی نہ ہوسکی۔ اس لئے اس میں پختگی نہ آسکی اور قرآن رواں نہ ہوا۔ بچوں کی تعلیم بھی ایک عجیب نازک امر ہے۔ استاد سخت ہو بچوں پر سختی کرتا ہو تو اس کی تعلیم میں عموماً پختگی ہوتی ہے مگر کتنے بچے اس کی وجہ سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ بعض تو اس وحشت کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے تعلیم سے محروم ہوجاتے ہیں اور استاد نرم ہو تو بچوں کو تعلیم سے وحشت نہیں ہوتی مگر علم میں رسوخ اور پختگی نہیں ہو پاتی۔

اعتدال اور توازن کا برقرار رکھنا تعلیم میں بہت ضروری ہے۔ استاد کا رویہ طلبہ کے حق میں بے لچک اور مضبوط ہونا چاہئے کہ ان کو تعلیم اور سبق سے بے پرواہی کی جرأت نہ ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ایسی شفقت اور محبت کا برتاؤ بھی ہونا چاہئے کہ طالب علم تعلیم سے گھبرا کر راہ فرار نہ اختیار کرلے۔ تاہم بے جا زدوکوب اور جسمانی سزاؤں سے ہمیشہ احتراز کرنا چاہئے۔

اسی دوران حضرت اقدس کے ماموں جان جن کا نام حبیب اللہ تھا، اپنے بھانجے کو دیکھنے اور اپنی بہن سے ملنے آئے، ان کا قرآن سنا، انھوں نے محسوس کیا کہ پڑھنا نہ پڑھنا برابر ہے۔ وہ مولانا کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے اور کوشش کرکے ان کا قرآن شریف ختم کرادیا۔ اس کے ساتھ انھوں نے مزید نوشت وخواند کی بھی تعلیم دی اور فارسی کا ابتدائی رسالہ نام حق پڑھایا۔ اس کے بعد تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔

اس انقطاع کا تذکرہ حضرت نے خود کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:.

> ’’گاؤں میں ایک شخص تھا جو تمام لڑکوں کو جمع کرکے انہیں کھلاتا تھا۔ مجھ سے بھی اس نے کہا کہ پڑھنے کیوں جاتے ہو یہیں رہو، کھیل کریں گے، بکریاں چرائیں گے جنگل میں جاکر شہد درختوں سے اتار کر کھائیں گےء اس کے بہکانے سے میں بھی پڑھنے سے رک گیا۔ (ص۱۲)

والدہ اکیلی تھیں۔ ان کی اکلوتی اولاد ان کی آنکھوں کے سامنے تھی، تعلیم بند ہوگئی، مگر ماں کی محبت نے اس نقصان کو گوارا کر رکھا تھا تاہم ماموں کو فکر تھی وہ پھر آئے اور اپنی بہن کو بھی سمجھایا بھانجے کو بھی ترغیب دی۔ اب ان کی عمر بھی زیادہ ہوگئی تھی لیکن اس سمجھانے سے کیا ہوا، فرماتے ہیں کہ:.

> ’’میرے دل پر ذرہ برابر اثر نہیں ہوا۔‘‘ (ص۱۳)

جب ماموں نے دیکھا کہ نصیحت اور ترغیب سے کام نہیں چلتا تب انھوں نے دوسری راہ اختیار کی اور زبردستی اپنے گھوڑے پر بیٹھا کر انہیں لے کر چل دیئے لیکن اس کا بھی حاصل کچھ نہ نکلا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ:.

> ’’میں نے رونا چلانا شروع کردیا اور پیر پٹکنے لگا جب میری یہ حالت ماموں نے دیکھی تو مجھ سے فرمایا کہ میرے ساتھ چلو، میں تمہارا نکاح اپنی لڑکی سے کردونگا لیکن میں گریہ وزاری سے باز نہ آیا‘‘

جب کوئی ترکیب، تحریک اور تحریص کام نہ آئی تو والدہ نے بالآخر مجبور ہوکر کہا کہ بھائی اس بچے کو چھوڑ دو یہ تمھارے ساتھ نہیں جاسکتا۔ ماموں بھی مجبور ہوئے اور چھوڑ کر چلے گئے۔

انقلاب حال:

آثار وقرائن سب ایسے ہی تھے کہ ہالیجی میں پیدا ہونے والا بچہ اپنی بستی ہی کی طرح گمنام ہوکر رہ جائے گا لیکن بعض لوگ شان اجتبار کھتے ہیں۔ انہیں حق تعالی کے

دربار سے انتخاب کیا جاتا ہے۔ یہ مرید نہیں ہوتے مراد ہوتے ہیں۔ یہ گم ہونا چاہیں تو بھی گم نہیں ہوسکتے ظاہری اسباب جس بچے کی تعلیم کے باب میں شکست کھا چکے تھے اللہ تعالیٰ کو اسی بچے سے کام لینا منظور تھا۔ اسی لئے عالم غیب سے اس کے اسباب و محرکات ابھرنے لگے۔ حضرت اقدس کی زبان فیض ترجمان سے اس کی قدرے تفصیل سنئے۔ فرماتے ہیں کہ:-

> ’’میں ایک عرصہ تک کھیل کود، بکریاں چرانے میں مشغول رہا۔ ایک مرد صالح خدا پرست جو کہ اسی قرب جوار میں سکونت پذیر تھا۔ میرے گھر آیا اور مجھ کو نصیحت کی کہ علم حاصل کرو، بکریاں چرانے سے کیا فائدہ ہوگا۔ علم دنیا اور آخرت میں نجات کا باعث ہوگا اور میری والدہ ماجدہ کو بھی بہت سمجھایا اور نصیحت کی کہ اس بچے کو علم دین پڑھاؤ۔‘‘

اب طبیعت کے پلٹنے کا وقت آ گیا تھا۔ پہلے تو اس نصیحت کا اثر نہیں ہوا تھا لیکن وہ مرد صالح ہمت نہیں ہارا، باصرار سمجھاتا رہا۔ بالآخر مولانا کے دل میں بھی یہ بات بیٹھ گئی کہ علم حاصل کرنا چاہئے۔

تحصیل علم کے لئے سفر:

حضرت اقدس کی طبیعت کا رنگ ابتداء سے پختہ تھا۔ جب تک پڑھنا شروع نہیں کیا تھا اسوقت تک کسی کے کہنے سننے کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اور جب تعلیم کی طرف مائل ہوئے تو آپ دیکھیں گے کہ اس راہ کی کوئی مشقت اور دشواری، رکاوٹ نہ بن سکی۔ مولانا گھر سے نکلے تو جہاں جہاں مدرسے تھے، وہاں وہاں پہونچے۔ لیکن کہیں کی تعلیم اور ماحول پسند نہیں آیا تو کہیں طلبہ کی تعداد زیادہ تھی اور اسباب خوردونوش کی کمی۔ تاہم مولانا فرماتے ہیں کہ:-

> ’’لیکن میں نے کہا کہ اگر یہاں مجھ کو سبق ملتا رہے تو جو کچھ بھی کم و بیش کھانے کو ملتا ہے اسی پر صبر کروں گا۔ مگر اس کے باوجود میرا داخلہ یہاں ممکن نہیں ہوا۔ پھر میں نے مدرسہ سومرانی میں علم حاصل کرنے کا ارادہ کیا لیکن بعض طلبہ سے معلوم ہوا کہ مدرسہ سومرانی میں بھی طلبہ کی تعداد بہت ہے۔ میرا داخلہ وہاں بھی مشکل ہوگا۔‘‘

ایک ایسا طالب علم جو پڑھنے سے بھاگا تھا اس کے دل میں پڑھنے کا شوق نہ تھا جب ادھر متوجہ ہوا تو جہاں جاتا ہے دروازہ بند پاتا ہے۔ ہمت شکنی کے تمام اسباب موجود ہیں اگر وہ اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آتا تو کچھ تعجب نہ تھا مگر اب اسے توفیق الٰہی کھینچ رہی تھی۔ اب اسے پڑھنا ہے خواہ کتنا ہی ہٹایا جائے۔

مولانا محمد واصل صاحب بروہیؒ کی خدمت میں:

اس وقت ایک بہت کامل عالم اور جید مدرس حضرت مولانا محمد واصل صاحب بروہیؒ بستی ابراہیم میں پڑھایا کرتے تھے۔ بعض طلبہ نے وہاں جانے کا مشورہ دیا اور بتایا کہ مولانا موصوف بہت محنت اور جانفشانی سے تعلیم دیتے ہیں وہاں تعلیم اچھی ہوتی ہے۔ مولانا سیدھے بستی ابراھیم پہنچے۔

حسن اتفاق کہئے یا قدرت کا انتظام کہ وہاں حضرت کے ایک رشتہ دار مولوی محمد صادق صاحب زیر تعلیم تھے وہاں حضرت کا داخلہ ہوگیا اور آپ محنت سے تعلیم حاصل کرنے لگے اس وقت آپ عربی کی ابتدائی کتابیں نحو میر وغیرہ پڑھ رہے تھے۔

مشکلات اور غیبی امداد:

حضرت نے فرمایا کہ:-

> ’’اس مدرسہ میں اسباب خوردونوش کی کچھ تنگی تھی چونکہ میں نووارد تھا اس لئے طلبہ مخالفت کرتے تھے اور مجھے بقدر کف دست روٹی کا ٹکڑا دیتے تھے۔ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرتا تھا کہ یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے اگر تعلیم اچھی ہو تو کھانے کے لئے جو کچھ بھی ہو اور جس قدر بھی ملے نہایت خوب ہے۔ چونکہ مولوی

> محمد واصل صاحب تعلیم میں بہت محنت فرماتے تھے اس لئے یہاں مستقل قیام کا ارادہ کرلیا۔ ‘‘

پڑھنے والوں اور علم کے شیدائیوں کی یہی شان ہوتی ہے۔ علم کی راہ دشواریوں اور جانکاہیوں سے ہوکر ہی نکلی ہے اس راہ کو اگر کوئی عیش وتنعم کے ساتھ طے کرنا چاہے تو اسے کنارہ کشی کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے، اللہ کی توفیق شامل حال ہوتی ہے تبھی یہ کٹھن اور سنگلاخ راستہ طے ہوتا ہے۔

آج کتنے طلبہ ہیں جو عمدہ کھانوں اور بہترین رہائش گاہوں کی فکر میں دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ وہ دیکھیں کہ نحو میر پڑھنے والا نوجوان اپنے بارے میں کیا سوچتا ہے۔ ہتھیلی بھر روٹی کا ٹکڑا کھا کر جس سے پیٹ کا ایک گوشہ بھی پر نہ ہوسکے، اللہ کا شکرادا کرتا ہے اور ٹھان لیتا ہے کہ چونکہ تعلیم اچھی ہورہی ہے اس لئے اب یہیں خیمہ گاڑ دینا ہے۔

جس طالب علم نے مصیبت کے ساتھ نیم فاقہ کشی کی حالت میں اخلاص کے ساتھ پڑھنے کا عزم کرلیا تھا، اب دیکھنا چاہئے کہ اللہ تعالی کا وعدہ ’’**ویرزقه من حیث لا یحتسب**‘‘ کس رنگ میں ظہور کرتا ہے۔ دنیاوالے اپنی تگ ودواور جدوجہد کو روزی کا سبب سمجھتے ہیں لیکن عبرت حاصل کرنی چاہئے کہ جس نے ایک کف دست روٹی پر قناعت کرنے کا حوصلہ کرلیا ہے۔ اس کے لئے غیبی انتظام کہاں سے اور کیسے ہورہا ہے؟ خود حضرت والا کی زبان مبارک سے سنئے: -

> ’’ایک شخص قوم مہر کا یہاں رہتا تھا جو کہ والد ماجد کا معتقد تھا جب اس نے سنا کہ فلاں کا بیٹا پڑھنے کے لئے یہاں آیا ہوا ہے تو وہ خود اور اس کی بیوی مدرسہ میں آئی اور بہت محبت وشفقت کا اظہار کیا اور اپنے گھر پر لے گئے اور درخواست کی کہ آپ ہمارے یہاں ہمیشہ کھانا کھائیں۔ اس دن بھی مکھن اور شہد سے روٹی کھلائی۔ لیکن چونکہ میری طبیعت اپنے لئے کسی کو تکلیف دینا گوارہ نہیں کرتی تھی۔ اس لئے میں نے ان سے کہا کہ روٹی مدرسہ میں کافی ہے۔ لیکن ان لوگوں کے بے حد اصرار

> پر میں نے کہا کہ آپ لوگ صرف لسی مدرسہ میں پہونچادیا کریں۔ انہوں نے کہا کہ رات کو ہم دودھ بھی لائیں گے آپ قبول فرمائیے گا۔ چنانچہ رات میں دودھ اور دن میں لسی وہ شخص یا اس کی بیوی پہونچاتی رہی۔ ‘‘

طلبہ نے جب حق تعالی کی طرف سے بے وہم وگمان روزی کا فیضان دیکھا تو ان پر حضرت اقدس کی عظمت منکشف ہونے لگی اب انھیں محسوس ہوا کہ جس طالب علم کو وہ غریب نو وارد سمجھ کر ٹھکرا رہے تھے وہ کوئی لعل وجواہر ہے۔ جو ابھی غربت اور سادگی کی گدڑی میں لپٹا ہوا ہے اب وہ حضرت کو پوری روٹی دینے لگے۔ حضرت فرماتے تھے کہ معلوم ہوا کہ حقیقت میں مدرسہ میں طلبہ کے لئے روٹی کافی تھی۔

طلب علم میں انہماک:

حضرت اقدس کا مزاج یکسوئی اور کام میں لگے رہنے کا تھا۔ جب تعلیم میں مشغول ہوئے تو پوری کوشش اور لگن کے ساتھ اس میں منہمک ہوگئے۔ اور علم میں خوب رسوخ اور ملکہ پیدا کرلیا۔

حضرت والا نے فرمایا کہ: -

> ’’مجھے حصول علم میں بہت مشغولیت تھی کوئی دوسرا کام یا کھیل تفریح بالکل پسند نہیں تھی۔ ‘‘

کبھی کبھی اس انہماک میں کوئی طالب علم یا کوئی ساتھی حارج ہوتا تو حضرت کو ناگواری ہوتی۔ لیکن ضبط وتحمل کا مادہ چونکہ طبیعت میں بہت تھا اس لئے برداشت کر لیتے۔ مگر ایک مرتبہ جب کسی کی شرارت حد سے گزر گئی تو آپ نے زور وقوت کا بھی استعمال فرمایا۔ فرماتے ہیں کہ: -

> ’’اسی مدرسہ میں، میں مطالعہ میں مشغول تھا کہ ایک لڑکا لایعنی باتیں اور فضول حرکتیں کرتا تھا، میں نے اسے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ اس کے بعد سے وہ الگ کام میں لگ گیا اور میں بھی اپنے مطالعہ میں مشغول رہا۔ ‘‘

ایک طالب علم سے مقابلہ:

طلبہ میں باہمی چشمک کا ہونا کوئی انہونی چیز نہیں ہے۔ ایک ہی جگہ رہنے سہنے اور ایک استاد سے پڑھنے میں کبھی کبھی باہمی منافست کا ہو جانا کچھ بعید نہیں۔ مولانا محمد واصل صاحب کے مدرسہ میں ایک طالب علم تھا۔ مولانا موصوف اس طالب علم کو سبق تھوڑا پڑھاتے تھے اور حضرت اقدس کو زیادہ پڑھاتے، اس سے اس کو کبیدگی پیدا ہوئی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ:-

> ”اس طالب علم نے اعتراض کیا کہ آپ فلاں کو سبق زیادہ دیتے ہیں اور مجھے کم، مجھے بھی برابر کا سبق دیا جائے۔ استاد نے فرمایا تمھاری استعداد اس کے مقابلہ میں کم ہے اس لئے سبق کم دیا جاتا ہے۔ طالب علم نے کہا کہ میری استعداد میں کیا کمی ہے؟ استاد نے فرمایا کہ تم دونوں کو کتاب میں ایک مقام دیا جاتا ہے۔ دونوں مطالعہ کرو۔ ہم دیکھیں گے کہ اس مقام کو کون صحیح سمجھتا ہے اور کون صحیح بیان کرتا ہے۔ ہم دونوں نے اس جگہ کا مطالعہ کیا حالانکہ وہ مقام میرا پڑھا ہوا نہ تھا مگر میں نے استاد کے سامنے صحیح مطلب بیان کر دیا اور اس طالب علم نے مطالعہ کے باوجود حالانکہ وہ مقام اس کا پڑھا ہوا تھا، غلط بیان کیا۔ استاد نے فرمایا کہ یہ مقام تمھارا پڑھا ہوا تھا، مطالعہ کے لئے دیا گیا پھر بھی اس کو صحیح بیان نہ کر سکے۔ اس وجہ سے تم کو سبق کم دیا جاتا ہے، کوشش کرو تاکہ تمھارے اندر استعداد پیدا ہو جائے۔“

فراغت اور تدریس:

حضرت اقدس فرماتے تھے کہ زیادہ تر علم میں نے اسی مدرسہ میں استاذی مولانا محمد واصل صاحب بروہی کے پاس حاصل کیا۔ پھر عربی کی انتہائی تعلیم کے لئے حضرت کو دور دراز کا سفر کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ آپ کے قریب میں ہی

آپ ہی کے قوم کے ایک زبردست عالم مولانا قمر الدین صاحب علیہ الرحمہ موجود تھے، انہیں استاد العلماء کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا قمر الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ ہندوستان کے مشہور علمی خانوادہ خیر آبادی سلسلہ کے وابستگان میں تھے۔ حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی جن کا علمی تفوق اور جلالت قدر سب جانتے ہیں، وہ اپنے وقت کے فارابی اور رازی تھے۔ ان کے ممتاز ترین شاگرد خود ان کے صاحبزادے مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی تھے، جن سے ان کے خانوادہ کو بڑا علمی عروج حاصل ہوا۔ ان کے شاگرد سندھ میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ابڑاوی تھے، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ممتاز شاگرد مولانا نظر محمد صاحب تھے۔ انھیں مولانا نظر محمد صاحب سے مولانا قمر الدین صاحب نے مکمل تعلیم حاصل کی تھی۔

ماضی قریب میں سندھ کے اندر مولانا قمر الدین صاحب زبردست محقق عالم گزرے ہیں۔ ان کے تلامذہ میں مولانا میر محمد صاحب نورنگی، مولانا عبدالوہاب صاحب کولاچی، مولانا محمد اسمعیل صاحب بھٹو گھوٹکی والے، مولانا دین محمد صاحب بٹئی والے، مولانا عبدالکریم صاحب کورائی (رحمہم اللہ) مشہور علماء ہیں۔

حضرت ہالیجوی قدس سرہ نے تعلیم کی تکمیل انھیں استاذ العلماء مولانا قمر الدین صاحبؒ کی خدمت میں کی۔ ایک دو کتابیں حضرت مولانا عبیداللہ سندھی علیہ الرحمہ سے بھی پڑھی ہیں۔ (تحفہ السالکین) ص ۲۵، ج ۳)

حضرت اقدس نے جو کچھ پڑھا سندھ ہی کے مدارس میں پڑھا۔ باہر نکل کر دہلی، دیوبند یا فرنگی محل وغیرہ آنے کی نوبت نہیں آئی، لیکن یہیں رہ کر علم میں اتنا رسوخ پیدا کر لیا کہ اصحاب نظر علماء جنھوں نے بڑے بڑے علماء کی صحبت اٹھائی ہے وہ بھی حضرت کے علم و فضل کا بے ساختہ اعتراف فرماتے تھے۔

مرشدی حضرت مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہ نے بیان فرمایا اور تجلیات ہالیجوی میں بھی مذکور ہے کہ مشہور عالم و محدث حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ نے ارشاد

فرمایا تھا کہ:-

> ”حضرت مولانا حماداللہ صاحب کو عارف باللہ تو سارا عالم تسلیم کرتا ہے مگر ظاہری علوم میں بھی ان کے پائے کا کوئی عالم نہیں ہے (ص۴۲)

حضرت اقدس کی ایک کتاب الفاظ قرآنی کے معانی کی تشریح و تبیین پر ”الیاقوت والمرجان“ کے نام سے ہے۔ اس کے مقدمے میں محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

> **هٰذا مما یورث الحیرة والعجب رجل ینشاء فی هٰذه البلاد ویتعلم فی هٰذه المدارس الدینیة ویعیش فی رجال لا مساس لهم بالاذواق الادبیة ولادقائق اللغة ثم لا یشتغل کثیر ا بالکتب الادبیة ویصل الی هذه الدرجة. والمزیة ینبئنا علی شخصیة فذو عبقریة کاملة ذلک فضل الله یوتیه من یشاء والله ذوالفضل العظیم.“**

> ”اور یہ نہایت حیرت انگیز اور تعجب خیز بات ہے کہ ایک شخص اس دیار (سندھ) میں پیدا ہوا، تعلیم بھی یہیں کے مدارس دینیہ میں حاصل کی اور زندگی ایسے لوگوں کے درمیاں بسر کی جنھیں نہ عربی ادب کا کوئی ذوق ہے نہ لغاتِ عربی سے کوئی مس ہے، اور پھر اسے کتب ادبیہ سے کچھ زیادہ اشتغال بھی نہ رہا، اس کے باوجود اس درجہ اور خصوصیت کا مالک ہوا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک عبقری اور نادرہ روزگار شخصیت ہے“۔ ذلک فضل اللہ۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد حضرت اقدس نے اپنی بستی میں مدرسہ قائم کر کے فی سبیل اللہ درس دینا شروع کر دیا۔ پھر ایک دوسرے بزرگ قاضی عبداللہ صاحب نے اپنے گاؤں قاضی وھن میں حضرت والا کو مدرس مقرر کیا۔ آپ نے یہاں درس وتدریس کا سلسلہ قائم فرمایا۔ چند سال تک آپ یہاں مقیم رہے اور کئی جید الاستعداد علماء نے آپ کے درس سے استفادہ کیا۔ کچھ دنوں کے بعد آپ نے اوقات تقسیم کر دیئے۔ گرمیوں میں قاضی وھن میں قیام کرتے اور تعلیم دیتے۔ اور سردیوں میں اپنی بستی ہالیجی شریف میں درس وافادہ کی مجلس گرم کرتے۔ کئی سال تک یہی طریقہ چلتا رہا، بہت سے طلبہ نے جن میں مولانا حبیب اللہ صاحب بھی شامل تھے، آپ کے درس سے فراغت حاصل کی َ

تلاش مرشد:

حضرت والا کئی سال کے عرصہ تک درس وتدریس میں مشغول رہے۔ تاکہ علم میں پختگی اور رسوخ علی وجہ الکمال حاصل ہو جائے لیکن آپ کے دل اور آپ کی روح کو کچھ اور ہی پیاس تھی۔ آپ ظاہری احوال کے لحاظ سے کوہ وقار تھے، اس لئے باطنی کیفیات اور دل کی شورش کا دریافت کرنا ایک دشوار امر تھا۔ اندر قلب مصفّٰی میں محبت الٰہی اور عشق نبوی کا دریا موجزن تھا، مگر اس پر ضبط کا بند بندھا ہوا تھا، اس لئے دیکھنے والے آپ کو ایک خشک ملا سمجھتے۔ مگر آہستہ آہستہ یہ بند ٹوٹنے لگا اور قلبی کیفیات کا جوش ابلنے لگا دیکھنے والے جسے خشک ملا دیکھ رہے تھے اس کے قلب کی طراوت وشادابی چھلکنے لگی۔ حضرت اقدس کے ایک خاص مرید حضرت حاجی گلاب دین سومرہ نے حضرت والا کا ایک ارشاد نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ:-

> ”جس وقت میں حدیث کا درس دیا کرتا تھا۔ جناب نبی کریم ﷺ کی محبت اس قدر تھی کہ سبق کے دوران آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے اور کتاب پر ٹپکتے رہتے۔ (تجلیات شیخ ہالیجوی ص ۱۸)

اس تعلق ومحبت کا رنگ بہر حال ظاہر ہونے والا تھا۔ حاجی گلاب دین صاحب کی روایت کے مطابق ایک مرتبہ کہیں دعوت تھی حضرت اقدس بھی طلبہ کی معیت میں اس دعوت میں تشریف لے گئے، واپسی میں طلبہ حضرت کے آگے آگے پیدل چل رہے تھے۔ اور آپ ایک کمزور گھوڑے پر سوار تھے۔ راستہ جنگل کا تھا اور مچھر بے حد تھے۔

اللہ تعالٰی کے فضل کرم کے بھی عجیب انداز ہیں۔ آدمی دشواریوں میں گھرا ہوا ہوتا ہے کہ اچانک روشنی کی کوئی کرن کہیں دکھائی دینے لگتی ہے۔ مچھروں کی یلغار میں تاریک راستہ، ایک مریل گھوڑے کی پشت پر قطع ہو رہا ہے، آگے طلبہ چل رہے ہیں کہ اچانک دل میں نور کی ایک خاص کرن چمکتی ہے حضرت نے اسے فکر احدیت سے تعبیر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:-

> ”میں راستہ میں تھا کہ مجھے فکر احدیت حاصل ہوگئی اس کے بعد کسی اللہ والے سے بیعت کا اشتیاق دل میں پیدا ہوا۔“

ایک پیر کی صحبت میں:

یہ ایک جذبہ صادق تھا جو قلب اطہر میں پیدا ہوا۔ اب مرشد کی تلاش ہوئی۔ کسی نے بتایا کہ نواب شاہ کی طرف کوئی پیر ہیں۔ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے آٹھ روز آپ کو اپنے پاس رکھا حضرت فرماتے ہیں:-

> ”ان پیر صاحب کا معمول اس طرح تھا کہ ہر شب مجھ کو اپنے پیر صاحب کی قبر پر لے جاتے اور مجھے وظیفہ اور تعلیم کیا جو کہ چند آیات قرآن کریم اور کچھ عربی جملے تھے آٹھ روز رہنے کے بعد بھی مجھے اطمینان قلبی حاصل نہیں ہوا، میں بغیر اجازت کے واپس آ گیا۔“

باب نمبر۲

سندھ میں سلسلہ قادریہ

اس زمانے میں سلسلہ قادریہ کے مشہور شیخ اور بزرگ عالم حضرت مولانا تاج محمود امروٹی قدس سرہ کے ارشاد و تعلیم کا غلغلہ بلند تھا۔ یہ بزرگ شریعت کے علوم ظاہرہ میں بھی کمال رکھتے تھے اور تصوف و معرفت کے بھی مرتبہ بلند پر فائز تھے، اکابر علماء ان کے معترف و مداح تھے۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہ سے ان کے خصوصی روابط تھے۔

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا سلسلہ طریقت:

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ قادریہ کا اور اس کے بعض نامور مشائخ کا قدرے تعارف کرا دیا جائے۔ کیونکہ کہ ہمارے زمانے میں اس سلسلہ کی جانب بعض ایسے برخود غلط قسم کے افراد اور حلقے اپنی نسبت کرتے ہیں جس سے غلط فہمی ہوتی ہے کہ شاید یہ سلسلہ اہل حق سے تہی دامن ہے۔ بالخصوص ہندوستان میں تو قادری ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اس کا تعلق رضا خانیت کے کسی گروپ سے ضرور ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں اہل حق علماء بھی بکثرت موجود ہیں۔ علماء دیوبند کا عموماً انتساب چونکہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمہ سے ہے اور حاجی صاحب گو کہ چاروں سلسلوں میں بیعت رکھتے تھے اور بیعت کرتے تھے مگر سلسلہ چشتیہ جو حضرت علی احمد صابر کلیری کے واسطے سے پھیلا ہے۔ تعلیم ان کی اسی سلسلے کے مطابق تھی۔

ورنہ یہ سارے اکابر چشتی ہونے کے ساتھ قادری، نقشبندی اور سہروردی بھی تھے، اور ہیں۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری ابتداً ایک قادری شیخ کے خلیفہ تھے بعد میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے اجازت پائی۔ ان کے نامور خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری بھی دونوں نسبتوں کے جامع تھے۔

موجودہ مشائخ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی مدظلہ کو حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ مفسر قرآن سے اجازت حاصل ہے۔ جو حضرت مولانا تاج محمود امروٹی اور حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب کے مجاز تھے ان دونوں بزرگوں کا تعلق سلسلہ قادریہ سے تھا اور آج ان حضرات کے متوسلین ہندوستان میں تو کم لیکن پاکستان میں بکثرت موجود ہیں

حضرت مولانا علی میاں نے لکھا ہے کہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کو حضرت خلیفہ غلام محمدؒ سے بھی اجازت حاصل تھی۔ (پرانے چراغ)

تصوف وسلوک کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ شریعت کے احکام جن کے سامنے سر جھکانے کا نام اسلام ہے اور ان کی تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے۔ اسی اسلام اور ایمان میں قلبی محبت اور ہمہ دم استحضار شامل ہوجائے اور شرعی احکام جنہیں احکام تکلیفیہ کے عنوان سے فقہاء وعلماء تعبیر کرتے ہیں۔ ان سے تکلیف کا مادہ ختم ہوکر انسان کا طبعی اور دلی تقاضا اور حال بن جائے۔ جب یہ کیفیت انسان کے دل میں پیدا ہوجاتی ہے تو اس کی تمام عبادات واعمال صالحہ بلکہ اس کی پوری زندگی میں اسی کیفیت قلبی کا نام رسول اللہ ﷺ نے حدیث جبریل میں احسان رکھا ہے۔

یہی احسان پورے دین کا مغز اور خلاصہ ہے۔ اس کے حاصل ہونے کے بعد انسان کو خدا کا خصوصی قرب نصیب ہوجاتا ہے۔ یہ ولایت خاصہ مخصوص لوگوں کا نصیب ہے۔ شریعت اور طریقت کے اس اعتباری فرق کو اکبر مرحوم نے اپنے مخصوص انداز میں بہت خوب ظاہر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:-

''شریعت سر جھکانا ہے اور طریقت دل لگانا ہے''

سر تو نہ جانے کتنوں کا جھکا رہتا ہے لیکن دل بھی لگا ہو، یہ خال خال ہوتا ہے۔ جھکا ہوا سر کبھی خارجی ترغیب وتحریض کے باعث اٹھ بھی جاتا ہے، بغاوت بھی کر بیٹھتا ہے پابندی احکام میں کلفت بھی محسوس کرتا ہے، راہ فرار بھی سوچنے لگتا ہے لیکن جب دل لگ جاتا ہے تو کلفت کیسی ہر ہر حکم میں لذت وحلاوت کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ راہ فرار سوچنا کیسا؟ اب تو اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ:-

''اسیرت نخواہد رہائی زبند''

تیرے گرفتار کو رہائی کی کوئی تمنا نہیں۔

غرض احکام الٰہیہ کی پابندی اور ان کی ادائیگی دل کی دوا اور روح کی غذا بن جاتی ہے۔

پہلے جس کام کو آدمی بجبر وتکلف انجام دیتا تھا۔ اب اس کو کئے بغیر چین نہیں پڑتا۔ اس کی محسوس مثال یہ ہے کہ طفل گریز پا کو اولاً زبردستی مکتب میں لاتے ہیں، وہ بھاگتا ہے، روتا چلاتا ہے، پاؤں پٹختا ہے، مگر جب اس کو علم کی حلاوت سے آشنائی ہوتی ہے تو علم اس کا اوڑھنا بچھونا بن جاتا ہے۔ علم اس کے رگ وریشہ میں سما جاتا ہے۔ اگر اسے کوئی علم سے اور علمی مشاغل سے الگ کرنا چاہے تو اسے موت نظر آنے لگتی ہے کیونکہ علم کی لذت اس کے قلب وروح میں اتر گئی ہے، یہ مرتبہ احسان کی مثال ہے۔

اسی احسان کو حاصل کرنے کی کوشش اور اس کی جستجو کا نام تصوف ہے۔ تصوف شریعت کا خادم ہے تصوف سر جھکانے کی کیفیت کو ترقی دے کر دل لگانے کی منزل تک پہونچنے کی جان توڑ جدوجہد کا نام ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ آدمی کو مرتبہ احسان حاصل ہوجائے۔ لوگ خوامخواہ تصوف کے نام سے بھڑکتے اور چڑھتے ہیں۔ اس عملی جدوجہد کے نتیجہ میں سیکڑوں، ہزاروں افراد کیفیت احسانی سے سرشار ہوتے تھے۔ آج ستم ظریفوں نے اس سے بھڑکا بھڑکا کر ان لوگوں کو بھی احسان کی لذت سے محروم کردیا ہے جن کی فطرتیں سلیم اور جن کی طبیعتیں احسان کی طالب وجویا ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ مسجدیں چھوٹی، کچی، معمولی ہوتی تھیں۔ مگر ان میں نماز پڑھنے والوں کے سجدوں سے محراب ومنبر کو وجد آجاتا تھا اور آج ہے کہ مسجدیں عالیشان، منارے بلند اور صحن مسجد خوب کشادہ ہے لیکن نمازیوں کے دل سونے، سجدے بے روح اور چہرے بے نور ہیں۔

بات یہ ہے کہ کیفیت احسان کے حصول وجستجو کے طریقوں کو اپنے وہمی خیالات کے زیر اثر **عمل بالحدیث** کی نمائش کرنے والوں نے بدعت بدعت کی پکار سے محو کرڈالا ہے۔ پھر جتنے قصور وار یہ ہیں، ان سے کم قصور وار وہ بھی نہیں ہیں جو تصوف کے نام پر ہر خرافات کو مستحسن، ہر بدعت کو واجب قرار دے کر تصوف کی غلط نمائندگی کرتے ہیں۔ خیر یہ تو ایک لمبی داستان ہے اور الگ موضوع ہے۔

مجھے یہ عرض کرنا تھا کہ جس طرح ظاہری احکام شرع کی بجا آوری ضروری ہے لیکن انہیں روبہ عمل لانے کے لئے کسی خاص طریقے کی تحدید نہیں کی گئی ہے۔ بس کچھ اصولی باتیں طے کردی گئی ہیں۔ کچھ جائز وناجائز کی حد بندی کردی گئی ہے۔ کچھ سنن و مستحبات کے دائرے بنادیئے گئے ہیں۔ انہیں بنیادی اصولوں اور انہیں حدود و دوائر میں رہ کر انسان اپنے زمانے اور ماحول کے مطابق احکام شرع کو بجالانے کا کوئی بھی طریقہ اختیار کرسکتا ہے۔ مثلاً جہاد کرنا ایک حکم شرع ہے، پہلے اس کے لئے تیر وتفنگ شمشیر و سناں، گھوڑے اور اونٹ کام میں لائے جاتے تھے۔ اب ان کے بجائے بندوق، توپ، ٹینک میزائل، ہوائی جہاز اور دوسرے جدید ذرائع استعمال ہوتے ہیں۔

تو کیا کوئی ہوش وحواس والا یہ کہہ سکتا ہے کہ تلوار اور نیزے وغیرہ منصوص ہیں۔ اس لئے وہ مسنون ہیں۔ اور یہ جدید ذرائع غیر مسنون ہیں اس لئے یہ بدعت ہیں۔ اسی طرح یہ سمجھنا چاہئے کہ دل لگانے (یعنی مرتبہ احسان) کے لئے جائز تدبیریں اختیار کی جاسکتی ہیں۔ اس میں منصوص اور غیر منصوص کو موضوع مجادلہ بنانا ذہنی اور علمی افلاس کی دلیل ہے۔ بس اس میں بھی ان حدود وقیود کی رعایت ضروری

ہوگی جنہیں شریعت نے بطور قواعد کلیہ کے متعین کردیا ہے۔

ہر زمانے میں بزرگوں نے، اس فن کے ماہرین وحذاق نے، اپنے اجتہاد و الہام، فراست وروشن ضمیری اور اپنے تجربوں سے مرتبہ احسان کے حصول کے لئے کچھ طریقے اور کچھ تدبیریں متعین کی ہے۔ ان طریقوں میں جن کا شیوع برنگ عموم ہوا، انہیں سلاسل تصوف کہا جانے لگا۔ یہ سلسلے متعدد ہیں اور ایمان والوں نے ان سے خوب نفع حاصل کیا، مگر چار بزرگوں کے سلسلے اس قوت وشوکت کے ساتھ جاری ہوئے کہ انھوں نے مستقل خانوادوں کی شکل اختیار کرلی اور ہر زمانے میں ان کے اندر اتنے صاحبان کمال ہوئے کہ وہ اب تک زندہ وتابندہ ہیں۔

ان سلسلوں میں جب کبھی مقصدی اعتبار سے ضعف واضمحلال آیا تو اللہ تعالی نے کسی ایسی طاقتور شخصیت کو اٹھایا کہ اس کے نفس گرم کی تاثیر سے عرصہ دراز تک ماحول گرم اور متحرک رہا۔ گو کہ ان سلسلون کے بزرگوں نے ہر دور میں اپنے اپنے احوال وظروف کے لحاظ سے جزوی طور پر تغیر وتبدل کا عمل جاری رکھا ہے، جمود کہیں نہیں رہا۔ تاہم بنیادی قواعد ہر ایک کے الگ الگ ہیں اور وہ اصولی طور پر باقی اور محفوظ ہیں، بالکل ایسے ہی جیسے دبستان فقہ میں چار مذاہب ہیں اور ان کے بنیادی اصول وقواعد ہیں۔ انہیں باقی رکھتے ہوئے جزئی احکام ومسائل میں بسا اوقات اخذ و رد کا سلسلہ چلتا رہتا ہے، یہ چاروں فقہی مذاہب اپنے اپنے طور پر احکام شرع کی تصحیح و تشکیل میں صاحب شریعت کی منشاء کو پانے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ چاروں مذاہب دینی احکام کو اللہ اور اس کے رسول کی منشاء اور ان کے فرمان کے مطابق ادا کرنے کی کدوکاوش کرتے ہیں۔ اسی طرح چاروں سلاسل تصوف مرتبہ احسان کو حاصل کرنے کی جدوجہد اور سعی ومجاہدہ کا نام ہے۔

چار سلسلے:

چار بزرگ جن کی نسبت سے یہ چار سلسلے رائج ہیں امت کی برگزیدہ شخصیات

ہیں۔ آج بے دینی اور رائے کی آزادی نے، جسے حدیث نبوی میں ”اعجاب کل ذی رأی برایہ“ سے تعبیر کیا گیا ہے، ان کی اہمیت کو گھٹانے کی خواہ کتنی ہی کوشش کی ہو مگر انشاءاللہ، اللہ کے حضور ان کی سعی مشکور ہوگی اور ان کی کھال اور گوشت سے الجھنے والے اپنے اعمال بد کا انجام دیکھ لیں گے، یہ حضرات ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں:-

(۱) سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، ان کی طرف سلسلہ قادریہ منسوب ہے۔

(۲) سیدنا خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، ان کی ذات والا صفات کی جانب سلسلہ چشتیہ منسوب ہے۔

(۳) سیدنا خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ، سلسلہ نقشبندیہ کا تعلق انہی سے ہے۔

(۴) سیدنا شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ، یہ سلسلہ سہروردیہ کی بنیاد ہیں۔

سلسلہ قادریہ:

سلسلہ قادریہ غیر منقسم ہندوستان میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ علیہ الرحمۃ کی اولاد و احفاد سے پھیلا۔ بعض دوسرے بزرگ بھی اس سلسلے کے ہندوستان میں تشریف لائے، لیکن اس کا زیادہ تر فروغ حضرت مخدوم محمد گیلانی متوفی ۸۹۴ھ سے ہوا۔ آپ حضرت شیخ جیلانی کی اولاد میں تھے، جب ہلاکو خان نے بغداد کو تباہ و برباد کیا تو آپ کے بزرگ حلب چلے گئے۔ آپ وہیں پیدا ہوئے۔ آپ نے علوم معقول و منقول سب پورے طور پر حاصل کئے۔ علم کے ساتھ آپ کو دنیوی جاہ و جلال بھی حاصل تھا۔ ایک عرصہ تک ایران، خراسان اور دوسرے ملکوں کی سیر کرتے رہے۔ پھر اپنے والد کی وفات کے بعد ہندوستان تشریف لائے، اور مغربی پنجاب کے مشہور مقام اچہ میں توطن اختیار کیا ۸۹۴ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ (رود کوثر، ص ۶۴)

مخدوم محمد گیلانی کی وفات کے بعد ان کے صاحب زادے مخدوم عبدالقادر ثانی کا اس سلسلہ میں نہایت عالی مقام ہے، ان سے یہ سلسلہ خوب پھیلا اور پنجاب سے آگے بڑھ کر دوسرے صوبوں سندھ وغیرہ میں جا پہونچا۔

پیر محمد راشد صاحب نور اللہ مرقدہ:

اسی سلسلہ کے ایک مایہ ناز اور مرکزی بزرگ اور عالم حضرت شیخ پیر محمد راشد علیہ الرحمہ نے تیرہویں صدی ہجری میں سندھ کے اندر سلسلہ قادریہ کو بہت فروغ بخشا، اور انھیں مشائخ قادریہ میں ایک امتیازی مقام حاصل ہوا۔

سید علی مکی:

نسبی اعتبار سے پیر محمد راشد صاحب کا تعلق خانوادہ نبوت سے ہے۔ ان کے جد امجد سید علی مکی چوتھی صدی ہجری میں سندھ تشریف لائے، حضرت سید علی مکی اکابر شیوخ اور اولیاء کبار میں سے تھے۔

حضرت سید علی ہندوستان میں ایک سرکش اور متکبر راجہ دلورائے کی سرکوبی کے لئے اس کے بھائی چھوٹے امرانی کی درخواست پر تشریف لائے تھے۔ سید علی کو یہ علاقہ پسند آگیا۔ یہاں سے وہ واپس نہیں ہوئے، بلکہ پرگنہ سیوستان، ضلع دادو میں بھگے توڑے نامی پہاڑ کے دامن میں دریا کے کنارے ایک پرفضا اور خاموش بستی میں سکونت پذیر ہوگئے، یہ گاؤں آئندہ چل کر حضرت سید علی کے نام پر ”لک علوی“ سے مشہور ہوا اور پھر کچھ بگڑ کر لکیاری کہلایا۔ ان کی اولاد لکیاری سادات کہلائی۔

سادات کا یہ پہلا خانوادہ تھا جو سندھ کیلئے باعث شرف و زینت بنا۔ لکیاری سادات کی شرافت و نجابت اور فضائل کا تذکرہ سندھی مورخین اور تذکرہ نگار نہایت اہتمام سے کرتے ہیں۔

سندھی مورخ برک یوسف جس نے ۱۰۴۴ھ میں سندھ کے شاہجہانی دور کے

حالات پر شاہجہاں کے لئے ''مظہر شاہجہانی'' کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے ، اس میں اس نے سادات لکیاری کے متعلق لکھا ہے کہ؛-

''سادات لک علوی بسیار صحیح النسب اند''

(تذکرہ صوفیائے سندھ، ص ۱۰۸، ۱۱۰)

حضرت سید علی کے کئی بیٹے ہوئے ، بڑے بیٹے حضرت سید محمد ہیں، ان کے فرزند شاہ صدر ایک عظیم الشان بزرگ تھے، جن کی سندھ میں بڑی عظمت ہوئی، انہی کی اولاد میں حضرت پیر محمد راشد ہیں۔

سید محمد بقاؒ:

پیر صاحب کے والد گرامی کا نام سید محمد بقا تھا، ان کی ولادت یکم شعبان ۱۱۳۵ھ میں ہوئی۔ انہی سلسلہ قادریہ میں بیعت وخلافت سید عبدالقادر حسینی خامس سے حاصل ہوئی ۔(پرانے چراغ ص: ۱۴۶ ج ۱) اور وہ شیخ سید صالح شاہ قادری کے مرید وخلیفہ تھے۔

حضرت سید محمد بقاء نے سندھ میں عرفان وتصوف اور علم وعمل کی دولت کو عام کیا۔ سید صاحب صرف عالم وعارف نہ تھے، سندھی زبان کے بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ ۹ ربیع الآخر ۱۱۹۸ھ کو سید محمد بقاء کتابوں کا ایک گٹھر سر پر رکھے ہوئے تشریف لئے جارہے تھے کہ راستے میں ڈاکوؤں نے اس گٹھر کو مال ودولت کا انبار سمجھ کر آپ کو شہید کردیا، قصبہ شیخ طیب ریاست خیر پور میں آپ مدفون ہوئے۔

پیر محمد راشد صاحب:

سید محمد بقاء کے اٹھارہ صاحب زادے تھے، ان میں پیر محمد راشد زیادہ مشہور ہوئے۔ عوام انہیں روضے دھنی (روضے والے) کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ پیر محمد راشد صاحب کی ولادت باسعادت ۱۱۷۰ھ میں ہوئی۔ پیر صاحب پر ابتداء سے ہی

ولایت کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں جو شخصیتیں برگزیدہ ہوتی ہیں، جن کا انتخاب اللہ تعالی اپنے دین کی خدمت کے لئے کرتے ہیں، شروع ہی سے عجائب وخصائص ان کے ساتھ وابستہ کردئے جاتے ہیں اور تاڑنے والے تاڑ جاتے ہیں کہ اس بچہ کے قالب میں کوئی برگزیدہ روح ہے، تذکرہ صوفیائے سندھ کے مصنف اطلاع دیتے ہیں کہ؛-

> ''پیر صاحب جس سال پیدا ہوئے ، اس سال جو رمضان آیا تو انھوں نے پورے رمضان دن کے اوقات میں ماں کا دودھ نہیں پیا، خیال ہوتا ہے کہ یہ بات لوگوں میں معروف ہوئی تو اسی وقت ان کا لقب روزہ دھنی پڑا ہوگا یعنی روزہ والے، بعد میں جب ان کی قبر پر گنبد تعمیر ہوا تو وہی روضہ دھنی ہوگیا۔'' (ص ۲۶۲)

پیر صاحب جب تعلیم کی عمر کو پہونچے تو ماشا اللہ ان کا پورا گھر علم دین سے جگمگا رہا تھا۔ والد صاحب خود بڑے عالم اور زبردست شیخ طریقت تھے، علم اور روحانیت کا اجتماع تھا۔ گھر میں والد صاحب کی آغوش شفقت میں علم حاصل کیا اور تعلیم کی تکمیل اس دور کے دو نامور عالم اور استاد سے کی ۔ایک مخدوم احمدی اور دوسرے شاہ فقیر اللہ علوی قدس سرہ۔

تعلیم سے فراغت کے بعد پیر صاحب تصوف وسلوک کی جانب متوجہ ہوئے ۔طریقت گھر کی دولت تھی ، کہیں اور نگاہ اٹھانے کی ضرورت ہی نہ تھی ۔اپنے نامور والد سید محمد بقاء کے دست حق پرست پر بیعت کی اور مجاہدہ وریاضت میں لگ گئے ۔جب اس میں مرتبہ کمال کو پہونچے تو والد صاحب نے اجازت وخلافت سے نوازا۔

والد صاحب کے وصال کے بعد پیر صاحب نے سلسلہ قادریہ کو فروغ بخشا، ان کی قوت نسبت کا اثر تھا کہ مخلوق الٰہی دور دور سے آکر فیض یاب ہوئی اور ان کا فیضان سندھ سے آگے بڑھ کر جودھ پور، جیسلمیر اور دوسرے علاقوں تک پھیل گیا ۔(تذکرہ صوفیائے سندھ)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب پرانے چراغ میں لکھتے ہیں کہ:-

> بارھویں صدی کے تقریباً وسط میں سندھ میں ایک مشہور شیخ طریقت سید محمد راشد گزرے ہیں جن کا سلسلہ قادریہ تھا، میں نے مولانا عبیداللہ سندھی سے خود سنا ہے کہ وہ ان دیار میں علمی اور روحانی طور پر تقریباً وہی مرتبہ اور شہرت رکھتے تھے، جو ان کے معاصر شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ(۱) کا شمالی مغربی ہندوستان میں تھا۔ (ص۱۶۴ج۱)

حضرت سید محمد راشد صاحب اپنے اساتذہ کا بے حد ادب واحترام کرتے تھے۔ آپ کو حضرت شاہ فقیراللہ علوی سے بے حد عقیدت وارادت تھی اور شاہ صاحب بھی آپ پر غیر معمولی شفقت رکھتے تھے اور محبت فرماتے تھے۔ اس کا اثر یہ تھا کہ حضرت سید صاحب کے اخلاف بھی شاہ صاحب کا بہت احترام کرتے تھے۔ شاہ صاحب کے انتقال کے بعد ان کے کتب خانے سے صحیح بخاری کا ایک نسخہ سید صبغۃ اللہ بن سید محمد راشد نے تبرکاً منگوایا تو جب لوگ اس نسخے کو لے کر آئے تو پیر صبغۃ اللہ صاحب نے ہزاروں آدمیوں کے ساتھ اپنے والد کے استاذ کے اس نسخے کا استقبال کیا۔

(تذکرہ صوفیائے سندھ)

حضرت پیر محمد راشد صاحب کا وصال ۱۲۳۳ھ میں ہوا۔ پیر صاحب کے دو صاحبزادے تھے۔ سید صبغۃ اللہ اور سید محمد یٰسین۔ یہ دونوں بیٹے اپنے والد نامدار کے علم وفضل اور ان کی نسبت باطنی کے حامل تھے۔ سید صاحب کی وراثت دونوں بیٹوں میں اس طرح تقسیم ہوئی کہ ان کا عمامہ پیر سید صبغۃ اللہ کو ملا اور ان کا علم (جھنڈا) سید محمد یٰسین کے حصے میں آیا۔ اسی مناسبت سے سندھی زبان میں سید صبغۃ اللہ کو پیر پگاڑو، اور سید محمد یٰسین صاحب کو پیر جھنڈا کہا گیا۔ پھر یہی لقب دونوں کی اولادوں اور نسل میں باقی رہا۔ چنانچہ سندھ میں دونوں خاندان اب بھی اسی نام سے معروف ہیں

---

(۱) سید محمد راشد صاحب شاہ ولی اللہ صاحب کے نہیں بلکہ ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز صاحب کے معاصر ہیں، کیونکہ شاہ صاحب کی وفات ۱۱۷۶ھ میں ہوئی ہے۔ اور سید محمد راشد کی ولادت ۱۱۷۰ھ میں ہوئی اس لئے ان کی معاصرت نہیں ہوسکتی۔ (مرتب)

علم وفضل کا دونوں خاندان میں خوب چرچا رہا۔ پیر جھنڈا کا کتب خانہ مشہور تھا۔

حضرت سید حسن شاہ جیلانی نوراللہ مرقدہ (سوئی شریف)

حضرت سید محمد راشد صاحب علیہ الرحمۃ کے تیسرے بڑے خلیفہ حضرت سید حسن شاہ قدس سرہ تھے، یہ اصلاً شیرگڑھ ضلع لاہور کے رہنے والے تھے مگر اپنا مستقر انہوں نے سوئی شریف سندھ کو بنایا۔ آپ نے اپنے مرشد پاک کے مشن کو خوب بڑھایا۔

حضرت سید احمد شہید قدس سرہٗ نے جب اپنی پاکباز فوج کے ساتھ رائے بریلی (ہندوستان) سے ہجرت کی تو راجستھان کے راستے سے ہوتے ہوئے حضرت سید صبغت اللہ صاحب علیہ الرحمہ کے مستقر پیر گوٹھ میں قیام فرمایا تھا۔ اور چند روز تک سوئی شریف میں بھی ٹھہرے تھے دونوں بزرگوں کے درمیان نہایت مخلصانہ ارتباط قائم ہوا۔ جذبہ جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ میں دونوں بزرگ ہم رنگ تھے۔ چنانچہ حضرت سید احمد صاحب علیہ الرحمۃ کی شہادت کے بعد بھی ان کا مشن سندھ میں جاری رہا۔

حضرت سید حسن شاہ صاحب نے خود بھی جہاد کیا اور ان کے خلیفہ حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بھرچونڈی شریف بھی جہاد میں شریک رہے، بلکہ وہی لشکر اسلام کے سپہ سالار رہتے تھے۔ سوئی شریف میں فقراء وصوفیہ کو اوراد واذکار کے ساتھ ساتھ جہاد کی مکمل تربیت دی جاتی تھی اور انھیں ہر وقت مستعد رکھا جاتا تھا کہ جب بھی ضرورت پیش آئے تو بلا توقف فقراء بوریہ نشینوں کی یہ جماعت صف مجاہدین میں تبدیل ہوجائے۔

جن دنوں حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ کا قیام سوئی شریف میں تھا، اس وقت کا ایک واقعہ سید العارفین حضرت حافظ صدیق نوراللہ مرقدہ بیان فرماتے ہیں کہ:-

”جس وقت جماعت مجاہدین سوئی شریف حضور مرشدؒ کے ہاں آئی تو بندہ

اس وقت حضور کے لنگر میں رہتا تھا۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید اس سفر میں مجاہدین کے اونٹ چَرایا کرتے تھے۔ ایک دن بعد نماز عصر مسجد شریف میں حضور مرشد اور حضرت سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ کے درمیان فرضیت جہاد کے متعلق مذاکرہ ہور ہا تھا دونوں بزرگ اپنے اپنے علم وکمال کے موتی لٹا رہے تھے اتنے میں حضرت سید احمد شہید رحمتہ اللہ نے کسی کو فرمایا کہ جاؤ میاں اسماعیل کو بلالاؤ۔ اس وقت حضرت مولانا اسماعیل شہید سوئی شریف کے باہر اونٹوں کے ساتھ پھر رہے تھے، ٹخنوں کے اوپر پاجامہ تھا اور کندھوں پر اونٹوں کی مہاریں اور رسیاں تھیں۔ آپ اسی وقت اسی حالت میں مسجد میں حاضر ہوئے اور دونوں بزرگوں کے سامنے باادب کھڑے ہوگئے۔ حضرت سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ نے زیر بحث حدیث کی تشریح بیان کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا۔ حضرت اسماعیل شہید نے اس قدر دل پذیر تقریر فرمائی کہ حدیث کے مضامین، ان پر اشکالات واعتراضات، پھر ان کے جوابات بیان کئے، نیز اسماء الرجال پہ بحث ایسے مختصر اور بلیغ انداز میں کی کہ وہ مسئلہ چٹکیوں میں حل ہوگیا۔ علم کے اس بحر بے پایاں کی تقریر کے دوران ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس شخص نے زندگی بھر میں صرف یہی ایک حدیث پڑھی اور اس پر تحقیق کی ہے۔''

جہاد پٹن منارہ:

ایک شاطر بدھ راہب نے پٹن مناروں میں ایک ننگا بت نصب کر کے خلقت کو شرک کی ضلالت میں ڈال رکھا تھا۔ اور اس کی وجہ سے گمراہی بڑھتی جارہی تھی۔ حضرت سید حسن شاہ صاحب نے اس کے خلاف جہاد کا ارادہ فرمایا۔ نواب بھاول خان نے حضرت کے پاس کچھ لوگوں کو بھیجا کہ سید صاحب جواب دیں کہ رب، رب العالمین ہے یا رب المسلمین ہے۔ مطلب یہ تھا کہ اگر وہ رب العالمین ہے تو بدھ مت کے راہب کو اس کے حال پر چھوڑ دیں آخر وہ بھی تو اسی رب تعالیٰ کی ملکیت اور

ربوبیت کے تحت ہے۔ آپ کو اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

حضرت جیلانی کو جلال آ گیا، انھوں نے فرمایا کہ نواب صاحب سے جا کر کہو کہ آپ کی صاحبزادی جوان بیٹھی ہے، آپ اسے کسی گشائیں ہندو کو دے دیں، جواب مل جائے گا۔ جو لوگ حضرت کے پاس آئے تھے ان میں ایک گشائیں ہندو بھی تھا، وہ لوگ ناراض ہوکر واپس چلے گئے۔ نواب صاحب نے اپنی توہین کا بدلہ لینے کیلئے فقراء سے جنگ کرنے کا عزم کرلیا۔ فقراء نے بھی سر پر کفن باندھ لئے۔ حضرت جیلانی نے تمام جماعتوں کو حکم دے دیا کہ وہ اپنے اپنے ہتھیار اور کفن تیار رکھیں جس کے پاس لاٹھی ہے وہ لاٹھی لے آئے۔ جس کے پاس تلوار ہے وہ تلوار لے آئے۔ فقیروں کی توپ والوں سے جنگ ہے، فقراء کے جوش وخروش اور حضرت جیلانی کے فقیرانہ جاہ وجلال کی تاب نہ لاتے ہوئے بالآخر نواب نے صلح کی پیش کش کی اور پیغام بھیجا کہ پٹن منارہ کا علاقہ ہم آپ کو بطور جاگیر کے دیتے ہیں۔ لیکن حضرت جیلانی نے انکار فرمادیا، حضرت جیلانی کی قیادت میں یہ جہاد ہوا اور اس راہب اور اس کے بت کی گمراہی سے اس علاقہ کو پاک کیا گیا۔ حضرت نے مندر کو مسجد میں تبدیل کیا، بت کو توڑ دیا اور وہاں ایک عظیم الشان مدرسہ اور لنگر کا اہتمام فرمایا

حضرت سید حسن شاہ جیلانی قدس سرہ کی وفات ۱۲۵۴ھ ہجری میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ۔ (بیس مردان حق ج ۱)

سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق صاحب نور اللہ مرقدہٗ

بھرچونڈی شریف:

ایک قریشی خاندان مکران کے راستے سے ہوتا ہوا سندھ میں بھرچونڈی شریف کے شمال میں آباد ہوا۔ قوم سمہ سے شادی بیاہ کے بعد اسی قومیت سے یہ خاندان بھی موسوم ہوگیا۔ اسی خاندان کے ایک بزرگ میاں محمد ملوک کے گھر بارھویں صدی کے

آخر میں ایک فرزند پیدا ہوا۔ یہ آگے چل کر سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق صاحب کے نام سے معروف ہوا۔ والد کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا۔ والدہ محترمہ نے ایک حافظ صاحب کے پاس قرآن پڑھنے کے لئے بھیج دیا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طبیعت کو یہ تعلیم راس نہ آئی ، پھر کسی طرح وہ سوئی شریف حضرت سید حسن شاہ جیلانی کی خدمت میں پہونچ گئے۔ حضرت کی نگاہ بصیرت نے تاڑ لیا کہ یہ بچہ جو یتیمی کی گدڑی میں چھپا ہوا ہے ایک لعل بے بہا ہے، جس سے دنیا روشن ہوگی۔ انھوں نے نہایت شفقت سے انہیں پڑھایا۔ حضرت کی خدمت میں اس یتیم بچے نے قرآن حفظ کیا اور حضرت حسن شاہ کی خدمت میں رہ کر طریقت کی منزلیں طے کرنے لگا۔

حضرت حافظ صاحب نے علوم ظاہری کی تحصیل و تکمیل نہیں کی لیکن اللہ تعالیٰ نے وہبی علوم سے نوازا تھا۔ حضرت حافظ نے اپنے پیرومرشد کے ہاتھ پر جس طرح بیعت طریقت کی تھی۔ اسی طرح بیعت جہاد بھی کی تھی۔ چنانچہ پٹن منارہ والے جہاد میں لشکر کے سپہ سالار حضرت حافظ صاحب ہی تھے۔

جہاد لوڑی کنڈہ:

اس کے بعد بھی حضرت حافظ صاحب نے ایک جہاد کیا۔ وہ جہاد لوڑی کنڈہ کے نام سے مشہور ہے۔ جس میں بغیر کسی خون خرابہ کے فقراء کو فتح و نصرت حاصل ہوئی اور حضرت سید العارفین نے اس علاقے کو شرک و بدعت سے نکال کر توحید و سنت سے آباد فرمایا۔ واقعہ یوں ہے کہ علاقہ جیکب آباد میں لوڑی کنڈہ کے نام سے ایک درخت تھا۔ جہاں جاہل بلوچ عوام منتیں مانتے اور مرادیں مانگتے تھے۔ اور بھی بہت سی بری رسمیں ہوتی تھیں۔ اس کے متعلق بہت سی خرافاتی اور توہماتی روایات مشہور تھیں جن کی وجہ سے وہ علاقے میں بداعتقادی اور شرک کا عظیم مرکز بنا ہوا تھا،

حضرت سید العارفین کو معلوم ہوا تو آپ بداعتقادی کے اس گڑھ کو مٹانے کے

لئے کمر بستہ ہوگئے۔ جماعت فقراء کو لے کر اس علاقے کا سفر اختیار کیا۔ وہاں آپ کا کوئی خاص حلقہ نہ تھا۔ صرف جکھیانی بلوچوں کے چند گھرانے تعلق رکھتے تھے اور وہ بھی بہت غریب اور خستہ حال تھے۔ حضرت نے اس علاقہ میں جا کر بلوچوں کو اپنے عزائم کے متعلق کہلا بھیجا کہ اس درخت کو کاٹنا ضروری ہے۔ اور ضروری تبلیغ کے لئے ان سرداروں سے ملنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔

بلوچوں کو معلوم ہوا تو وہ مرنے مارنے پر تل گئے اور مسلح ہو کر جنگ کی ٹھان لی۔ جنگ سے قبل بلوچوں نے اپنے چند سرداروں کا وفد حضرت کی خدمت میں بھیجا، حضرت نے خیر و عافیت دریافت کی۔ بلوچوں نے اپنے رواج کے مطابق آپ کی آمد کا حال پوچھا، آپ نے حال احوال کے ضمن میں دیر تک ان کے سامنے توحید بیان فرمائی۔ پھر آنے کا مقصد بیان کیا۔ وفد کے سردار آپ کی تقریر سے متاثر ضرور ہوئے لیکن درخت کاٹنے کو وہ بھی اپنے قومی شعار اور آباؤ اجداد کے عقیدے کی توہین خیال کرتے تھے انہوں نے حضرت کو اس عزم سے باز رہنے کے لئے دھمکیاں دیں، اور جنگ کرنے کا اعلان کیا مگر حضرت اپنی بات پر قائم رہے۔

بلوچ سرداروں نے بالآخر تجویز پیش کی کہ جنگ سے پہلے قرعہ اندازی کی جائے ہمارا قرعہ غالب ہوا تو ہم جنگ کریں گے، ورنہ اطاعت قبول کرلیں گے۔ حضرت نے یہ تجویز منظور فرمائی۔ بلوچوں کے مشورے سے تین قرعے بنائے گئے۔ ایک اللہ تعالیٰ کا جو بلوچوں کا حلیف ہوگا، دوسرا بلوچوں کا، تیسرا حضرت کا، تین بار قرعہ اندازی ہوئی اور ہر بار حضرت کا قرعہ غالب رہا۔ تمام بلوچوں میں افواہ پھیل گئی کہ فقیر صاحب (**نعوذ باللہ**) خدا سے بھی جیت گیا ہے۔ اس لئے بلوچوں کی تمام سرکش جمعیت آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور شرک و بدعت سے تائب ہو کر درخت کاٹ ڈالا۔

حضرت سید العارفین اپنے وقت کے بہت برگزیدہ بزرگوں میں سے تھے۔ لاریب کہ وہ اس دور کے جنید و بایزید تھے۔ آپ کے پیر صحبت بھورل سائیں فرمایا

کرتے تھے کہ حضور مرشد نے حافظ کو اس مقام تک پہنچادیا ہے جہاں تک ہمارے ادراک وفکر کی پرواز بھی نہیں پہونچتی۔ (سائیں سندھی زبان میں بزرگ کو کہتے ہیں)

شیخ سے تعلق اور فنائیت:

حضرت سید العارفین اس بزرگی اور علوئے مرتبت کے باوجود حد درجہ منکسر المزاج اور متواضع تھے اور شیخ کی خدمت میں تو ایسی فنائیت تھی کہ اس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ اپنے مرشد کی وفات کے بعد ان کے جانشین حضرت میاں حسین صاحب عرف بھورل سائیں کی خدمت میں آمد ورفت رکھتے اور ان کی صحبت سے مستفید ہوتے۔ حضرت بھورل سائیں کی وفات کے بعد جب سوئی شریف کی مسند ارشاد خالی ہوئی تو تمام جماعت کی نگاہیں حضرت سید العارفین کی طرف تھیں کہ انہیں مسند شیخ پر بٹھایا جائے۔ آپ نے مناسب نہ سمجھا۔ اور حضرت میاں ابوبکر عرف سانول سائیں کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھدیں۔ جس سے جماعت کا رخ ان کی طرف ہوگیا اور وہی سوئی شریف کے تیسرے مسند نشین ہوئے۔

حضرت سید العارفین کا جیلانی سائیں کی حیات طیبہ سے دستور تھا کہ رمضان المبارک میں کلام پاک سوئی شریف میں جا کر سناتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ کا معمول یہ تھا کہ روزہ بھرچونڈی شریف میں افطار کرتے اور پیدل پانچ میل چل کر سوئی شریف میں کلام مجید سناتے اور نماز تراویح کے بعد فوراً گھر واپس ہوجاتے۔ جیلانی سائیں کے بعد بھورل سائیں کے زمانہ تک یہ معمول برابر رہا اور اس میں کبھی ناغہ نہیں ہوا۔

سوئی شریف کی پختہ مسجد سانول سائیں کے زمانہ میں تعمیر ہوئی۔ حضرت سید العارفین ہر شب خفیہ پیدل جا کر چپکے سے گارا تیار کرتے۔ اینٹیں ڈھوکر بنیادوں کے قریب ڈھیر لگاتے پھر فقراء کے لئے وضو کرنے کے کوزے بھر کر واپس بھرچونڈی چلے جاتے۔ سویرے جب فقراء اٹھ کر دیکھتے تو تعمیر کا سارا سامان تیار حالت میں ان

کو ملتا، وہ حیران رہ جاتے۔

ایک دن حضرت جیلانی سائیں کے زمانہ پاک کی ایک پرانی باخدا فقیرنی مائی بوڑی نے حضرت سانول سائیں سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اماں اس چور کو پکڑو دیکھیں تو کون ہے؟ چنانچہ دوسری رات مائی بوڑی جاگتی رہی اور چھپ کر اس مرد خدا کا انتظار کرتی رہی، حسب معمول حضرت سید العارفین چپکے چپکے آئے، پہلے وضو کیا، پھر اپنے کام میں جٹ گئے، تمام کام کر کے فارغ ہوئے تو مائی بوڑی اچانک قریب آ کھڑی ہوئی اور پوچھا بیٹا حافظ ہو؟ آپ خاموش رہے تو مائی بوڑی نے کہا، حافظ سوئی شریف کی تمام آگ انگارے تو پہلے ہی سمیٹ کر لے گیا اب راکھ میں چنگاریاں رہ گئی تھیں وہ بھی لے جارہا ہے۔

شریعت کا اتباع اور بدعت سے نفرت:

ایک دفعہ اسی مائی بوڑی نے حضرت سید العارفین سے کہا کہ حافظ تجھے تو لوگ وہابی کہتے ہیں۔ حضرت نے جواب دیا ہاں مائی تیرے مرشد کو بھی لوگ وہابی کہتے تھے۔

اور یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ حضرت سید العارفین اپنے مرشد سائیں جیلانی اور دادا پیر سید محمد راشد کی طرح شرک وبدعت، رسم ورواج اور خلاف شرع باتوں سے سخت متنفر اور ان کے مخالف تھے۔ جماعت کے متعلقین میں کوئی بات خلاف شرع برداشت نہیں کرتے تھے اس امر میں اس قدر پختہ تھے کہ اپنے مرشد کے مسند نشین حضرت سانول سائیں (جن کی ہمیشہ آپ جوتیاں سیدھی کرتے اور پنکھا جھلتے تھے) کے صاحبزادے میاں عبدالمجید کی شادی سے اس لئے ناراض ہو کر اٹھ کر چلے آئے کہ اندرون حویلی سے آپ کے کانوں تک عورتوں کے سہرے گانے کی آواز آ گئی تھی۔ سانول سائیں اور قدیم فقراء کی منت وسماجت پر راستے سے واپس ہوئے، سہرے گانے بند کروادئے گئے۔

میاں عبدالمجید کا زری سے کڑھا ہوا کرتا پھاڑ کر اپنا درویشانہ جبہ پہنایا۔ شادی کے اونٹ کو گھنگروؤں سے آراستہ کیا گیا تھا اس کے گھنگروا تار کر توڑ ڈالے۔

ایک دفعہ سندھی اور سرائیکی کا مشہور مجذوب شاعر دریا خاں حضرت کی خدمت میں بھرچونڈی شریف پہنچا۔ ہندو چیلوں کی صحبت کی وجہ سے وہ نماز نہیں پڑھتا تھا، لیکن حضرت کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوا تو عرض کی۔ حضرت اجازت ہو تو فقیر گھنگرو باندھ کر اور ناچ کر اپنی کافیاں سنائے۔ حضور نے فرمایا کہ فقیر سائیں آپ کی کافیاں تو خود ناچتی ہیں، ان کو گھنگروؤں اور رقص کی کیا ضرورت ہے؟

توحید کا غلبہ:

حضرت سید العارفین کو اپنے مرشدوں اور مشائخ سلسلہ سے جو جذب وسلوک ورثہ میں ملا تھا، اس میں بھی توحیدی رنگ غالب تھا۔ درگاہ میں ذکر جہر ’’لا الٰــــہ الا اللــہ‘‘ کے مستانہ نعرے ہر وقت گونجتے رہتے، قدم قدم پر ’’الا اللــہ‘‘ اور ’’اللہ‘‘ کی پکار ہوتی، کسی کو بلانے اور ٹھہرانے پر ’’اللہ ھو‘‘ اور ’’ھو‘‘ کی تسبیح کا ورد ہوتا، ہر کام اور ہر کاروبار میں کلمہ توحید زبان پر جاری رہتا، لنگر کا کوئی کام چکی پیسنے اور آٹا گوندھنے تک ایسا نہ تھا جس میں اللہ کے نام کی حلاوت نہ ہو، یا بغیر وضو کے کیا گیا ہو، آپ کے مریدین پر بھی یہی رنگ چڑھا رہتا تھا۔ (بیس مردان حق ج ا)

حضرت حافظ صاحب کے رسوخ فی التوحید کا ایک واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے جسے حضرت اقدس ہالیجوی نور اللہ مرقدہ نے بیان فرمایا ہے:۔

> ’’ایک شخص جو کہ حضرت حافظ محمد صدیق بھرچونڈی شریف کا مرید تھا۔ اس نے سنا کہ میرے مرشد کی طبیعت ناساز ہے وہ حضرت حافظ صاحب کی زیارت اور مزاج پرسی کے لئے بھرچونڈی شریف روانہ ہوا اور راستے میں رات ہوگئی۔ سرحد (ایک بستی اور ریلوے اسٹیشن کا نام ہے) میں مولوی محمد ابراھیم صاحب بھیا (جو کہ مرید تھے میاں جامی اندھڑ کے) کے پاس رات گزاری مولوی صاحب نے پوچھا

> کہ کہاں جا رہے ہو۔ اس شخص نے جواب میں کہا کہ بھرچونڈی شریف اپنے شیخ و مرشد کی خدمت میں جا رہا ہوں۔ سنا ہے کہ ان کا مزاج ناساز ہے۔ مزاج پرسی کروں گا اور زیارت سے مشرف ہوں گا۔ مولوی محمد ابراھیم صاحب نے فرمایا کہ تمہارے پیر صاحب کی خدمت میں ایک پیغام دینا چاہتا ہوں کیا تم وہ پیغام پہنچادو گے۔ شخص مذکور نے کہا کہ ضرور پہنچا دوں گا۔ مولوی ابراھیم صاحب نے کہا کہ اپنے پیر مرشد صاحب سے کہنا کہ وہ اپنے شیخ کی قبر پر تشریف لے جائیں اور وہاں دعا کریں تا کہ ان کو شفا حاصل ہو جائے۔
>
> شخص مذکور جب بھرچونڈی شریف پہونچا اور اپنے شیخ و مرشد کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا عطا فرمادی اور تندرست ہو گئے۔ شخص مذکور نے عرض کیا کہ مولوی محمد ابراھیم ساکن سرحد نے مجھ کو ایک پیغام دیا ہے کہ حضرت کی خدمت میں پہونچاؤں۔ حضرت نے اجازت دی اور فرمایا کہ کہو کیا پیغام ہے؟ فقیر مذکور نے کہا کہ مولوی ابراھیم صاحب نے یہ پیغام دیا ہے کہ آپ اپنے پیر صاحب کی قبر مبارک پر جا کر دعا کریں تا کہ صحت و عافیت نصیب ہو۔
>
> حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ میرے پیر و مرشد نے خود مجھے یہ تعلیم نہیں دی ہے کہ تمہیں کوئی بیماری یا تکلیف پہنچے تو میری قبر پر آکر دعا کرنا، بلکہ میرے پیر نے مجھے یہ تعلیم دی کہ تمہیں دنیا میں کوئی تکلیف پہنچے یا بیماری ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ سے عافیت وشفا طلب کرو۔ اللہ رب العزت ہی مشکل کشا اور شفا دینے والا ہے
>
> جب مولوی ابراھیم صاحب کو حضرت حافظ صاحب کی یہ بات پہنچی تو کہنے لگے کہ تمہارا پیر وہابی ہے۔ (تجلیات شیخ ہالیجوی ص ۲۶)

تصوف کی یہ کتنی غلط نمائندگی ہے کہ قبروں کو، اصحاب قبور کو حاجت روا بنا لیا جائے۔ اور ان کو شفا میں یا حاجات کے پورا ہونے میں دخیل ومتصرف سمجھا جائے لیکن یہ واقعہ ہے کہ تصوف کے غلط نمائندوں نے اس گمراہی کو اس قدر عام کیا ہے کہ اگر کوئی

شیخ ومرشد توحید حقیقی پر قائم ہواوراس کی تعلیم دیتا ہوتو متصوفین کا یہ گروہ اسے نہ صرف تصوف ہی سے خارج سمجھتا ہے بلکہ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ اسے بزرگوں کا منکر، رسول کی توہین کرنے والا اور نہ جانے کیا کیا قرار دے دیتا ہے۔ اوراس کے لئے وہ ’’وہابی ‘‘ کا لفظ تجویز کرتا ہے۔ اورذہنوں میں اس گروہ نے یہ بات بٹھادی ہے کہ وہابی وہ ہے جو پشتینی کافر سے بھی بدتر ہے۔ اب تو یہ طلسم ٹوٹ رہا ہے اورلوگوں میں غلط اور صحیح کی شناخت ہونے لگی ہے ورنہ اب سے کچھ پہلے کسی مسلمان کے لئے وہابی سے بڑی کوئی گالی نہیں ہوسکتی تھی۔ بالخصوص سندھ اور سرحد کے علاقوں میں (ا) اس کی اصلاح ایک مشکل کام تھا۔ لیکن حضرت حافظ صاحب شرعی احکام کی بجا آوری اور بدعات سے اجتناب میں نہایت متورع اور محتاط تھے۔ اپنی ذاتی زندگی میں اس قدر احتیاط کا کام میں لاتے تھے کہ بے نمازی کے ہاتھ کی پکی ہوئی چیز سے مدت العمر محترز رہے۔ مجاہدہ وریاضت کی کثرت کے باعث قوۃ کشفیہ اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ کھانے پینے کی اشیاء میں معمولی ظلمت کا بھی ادراک فر لیتے تھے۔

(ا) (غلط یا صحیح کسی جگہ کا قصہ مشہور ہے کہ گاؤں کا ایک شخص ہندو بنئے کے یہاں سے ادھار غلہ منگوایا کرتا تھا، بنئے نے قیمت کا تقاضا کیا، اس نے ٹال مٹول کیا، بنئے نے ادھار دینے سے انکار کردیا۔ اس نے دھمکایا کہ ادھار دیتے رہو ورنہ تمہاری دوکان بند کرادوں گا، بنئے نے کچھ پرواہ نہیں کی، اس شخص نے یہ کیا کہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں کھڑے ہوکر اعلان کردیا کہ صاحبو! بنیا وہابی ہوگیا ہے، اس کی دوکان سے سامان نہ لیا جائے، لوگوں نے اس کا مقاطعہ کردیا، اب وہ دوکان پر بیٹھا مکھی مارا کرتا تھا، کوئی ادھر کا رخ نہ کرتا، وہ بہت پریشان ہوا، لوگوں سے وجہ دریافت کی تو کوئی بولنے کا روادار نہیں، بڑی مشکل سے معلوم ہوا کہ فلاں صاحب نے بتایا کہ تم وہابی ہوگئے ہو، اس نے غلہ اس شخص کے یہاں بھجوادیا۔ پرانا قرض معاف کردیا، اس کے بعد اس شخص نے دوسرے جمعہ کو اعلان کیا کہ بنئے نے وہابیت سے توبہ کرلی ہے۔ اب پھر اس کی دکان چلنے لگی۔ یہ بظاہر ایک لطیفہ ہے لیکن یہ اس ذہن کا پتہ دیتا ہے جو کسی دور میں لوگوں کا بنا ہوا تھا (مرتب)

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ مفسر قرآن کے ملفوظات میں حضرت حافظ صاحب کا ذکر خیر بار بار آیا ہے۔ حضرت حافظ صاحب علماء کا بہت اکرام کرتے تھے ، ایک مرتبہ کوئی عالم ان کی خانقاہ میں تشریف لائے۔ حضرت نے ازراہ تواضع واکرام انہیں امامت کے لئے بڑھادیا۔ جونہی وہ مصلیٰ کی طرف بڑھے۔ حضرت کا ایک مرید جو اپنے شیخ ومرشد کی محبت وعقیدت میں فنا تھا اس کے دل میں اللہ جانے کیا جذبہ ہوا کہ اس نے دوڑ کر حضرت کا مصلیٰ اٹھالیا شاید اسے غیرت آئی کہ میرے شیخ کے مصلیٰ پر کوئی اور شخص کیوں قدم رکھے۔ مولانا صاحب بھونچکا ہوگئے۔ حضرت حافظ صاحب نے بڑھ کر بے ساختہ فرمایا مولانا! کہ اس نے نادانی کی اور یہ کہہ کر اپنا عمامہ مبارک کھول کر مصلّٰی کی جگہ بچھادیا کہ آپ اس پر نماز پڑھائیں۔ وہ عالم بہت متاثر ہوئے، انہوں نے نہایت ادب سے حضرت کا عمامہ اپنے سر پر رکھ لیا اور نماز پڑھائی۔

مولانا عبیداللہ سندھی حافظ صاحب کی خدمت میں:

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی سے سبھی واقف ہیں۔ علماء دیوبند میں ایک امتیازی شان کے مالک تھے۔ ان کی ذہانت وذکاوت، ان کی انفرادیت اوران کے مجاہدہ اور تحمل شدائد ومصائب کو سب جانتے ہیں۔ یہ نومسلم تھے۔ اصلاً پنجاب کے رہنے والے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد حضرت حافظ صاحب کی صحبت میں اللہ نے پہنچنا آسان فرمایا اس کو وہ اللہ کی خاص رحمتوں میں شمار کیا کرتے تھے۔ اپنی ذاتی ڈائری میں وہ لکھتے ہیں کہ:-

’’اللہ کی خاص رحمت سے جس طرح ابتداء عمر میں اسلام کی سمجھ آسان ہوگئی اسی طرح خاص رحمت کا اثر یہ بھی ہے کہ سندھ میں حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بھر چونڈی والے کی خدمت میں پہنچ گیا۔ جو اپنے وقت کے جنید اور سید العارفین تھے۔ چند ماہ ان کی صحبت میں رہا، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرت میرے لئے طبیعت ثانیہ بن گئی۔ جس طرح ایک پیدائشی مسلمان کی ہوتی ہے۔ حضرت نے ایک روز

میرے سامنے اپنے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا (غالباً مولانا ابوالحسن تاج محمود امروٹی جن کا ذکر آگے آئے گا۔ اس مجمع میں موجود تھے۔) کہ عبیداللہ نے اللہ کے لئے ہم کو اپنا ماں باپ بنالیا ہے اس **کلمہ** مبارکہ کی تاثیر خاص طور پر میرے دل میں محفوظ ہے۔

میں انہیں اپنا دینی باپ سمجھتا ہوں اور محض اسی لئے سندھ کو مستقل وطن بنالیا۔ میں نے قادری راشدی طریقہ میں حضرت سے بیعت کرلی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بڑے سے بڑے انسان سے بہت کم مرعوب ہوتا ہوں۔ تین چار ماہ بعد میں طالب علمی کے لئے رخصت ہوا تو مجھے بتایا گیا کہ حضرت نے میرے لئے خاص طور سے دعا فرمائی کہ خدا کرے عبیداللہ کا کسی راسخ عالم سے پالا پڑے۔ میرے خیال میں خدا نے یہ دعا قبول فرمالی اور اللہ رب العزت نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے حضرت مولانا شیخ الہند علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پہونچادیا۔ (نقش حیات حصہ دوم ص ١٣٨)

حضرت مولانا سندھی زندگی کے آخری ایام میں فرماتے تھے کہ میں نے اپنی پچیس سالہ طویل جلاوطنی میں ایک دنیا کی خاک چھان ڈالی مگر مجھے اپنے مرشد (سید العارفین) سا کوئی مرشد اور اپنے استاد (شیخ الہند) جیسا کوئی استاذ نہ ملا۔ وہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ رب العزت کی خاص مہربانی یہ بھی تھی کہ میرے مرشد کا سیاسی مسلک بھی وہی تھا جو میرے استاذ حضرت مولانا شیخ الہند کا تھا ورنہ میرے لئے سیاسی کام کرنا سخت مشکل ہو جاتا۔

وفات:

حضرت سید العارفین ایک قوی الجثہ، طویل قامت، صحت مند وتندرست جسم کے مالک اور طاقت وشجاعت کے پیکر تھے۔ کبھی امتیازی شان سے نہ رہتے تھے، لنگر کے بہت سے کام فقراء کے ساتھ مل کر کرتے تھے۔ مشقت ومحنت کے بہت عادی تھے۔ تمام عمر صحت قابل رشک رہی، کبھی کبھی درد گردہ کی شکایت ہوتی تھی، خدام آپ کے کمرے میں ٹھنڈی ریت بچھا دیتے تھے جس پر شدت درد کی حالت میں لوٹتے رہتے

اور اکثر زبان فیض ترجمان پر یہ شعر جاری رہتا:-

لطف سجن دم بدم   قہر سجن گاہ گاہ
اوں بھی سجن واہ واہ، ایں بھی سجن واہ واہ

آخر عمر میں کچھ تقاضائے سن کے باعث اور کچھ مسلسل عوارض کے باعث آپ کمزور ہو گئے تھے۔ سلسل البول کی شکایت بھی ہوگئی تھی۔ جس کی وجہ سے کئی کئی بار آپ کو نماز کے لئے نیا وضو بنانا پڑتا تھا۔ اس لئے ان ایام میں اکثر آخر وقت میں نماز ادا کرتے اور مختصر قرات ہوتی۔ لیکن ان تمام بدنی اور جسمانی تکالیف کے باوجود تا وصال برابر باجماعت نماز ادا فرماتے رہے اور نوافل ومعمولات تک قضا نہیں کئے۔

مرض الموت میں آپ نے اپنے جانشین برادر زادے حضرت میاں عبداللہ سے فرمایا کہ میری قبر پر پختہ گنبد یا خس وخاشاک کی جھونپڑی نہ بنانا اور قبر کا تعویذ ایک بالشت سے کم رکھنا اور خود اپنے ہاتھ سے بالشت کا اشارہ فرمایا کہ اتنا ہو، پھر فرمایا کہ اگر تم نے اس کے خلاف کیا اور رحمت ایزدی میں ذرہ برابر بھی رکاوٹ ہوئی تو قیامت کے دن میں تیرا دامن گیر ہوں گا۔

خدا کا یہ برگزیدہ محبوب بندہ، مرد حق آگاہ ایک تھوڑی سی مدت بخار کی تکلیف میں مبتلا رہ کر ٨ جمادی الآخر ١٣٠٨ھ کو اپنے پیدا کرنے والے کے حضور پہنچ گیا ”انااللّٰہ وانا الیہ راجعون .،،

حضرت کے متعدد خلفاء تھے مگر سب سے زیادہ فیض حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری اور حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی سے پہنچا۔

حضرت سید العارفین اپنے مرشد حضرت شاہ حسن جیلانی کی طرح تمام عمر مجرد رہے، کسی خادم نے شادی نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ بھائی میرے پاس تو بس ایک دل تھا جو میں نے اپنے مالک کو دے دیا، اب بیوی بچے کے لئے دوسرا دل کہاں سے لاؤں؟ (بیس مردان حق ج ١)

خلیفہ صاحب مولانا ابوسراج غلام محمد صاحب دین پوریؒ:

حضرت حافظ محمد صدیق صاحب نور اللہ مرقدہ کے دو خلفاء بہت امتیازی شان کے مالک ہوئے، خلیفہ اول حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری تھے۔ دوسرے خلیفہ مولانا تاج محمود امروٹی (رحمہ اللہ تعالیٰ علیہما ورضی عنہما وارضاھما)

دین پور علاقہ خان پور میں ایک موضع ہے جسے خلیفہ صاحب ہی نے آباد کیا تھا۔ آپ اصلاً ضلع جھنگ پنجاب کے رہنے والے تھے۔ ایک اندازہ کے مطابق آپ کا سن ولادت ۱۲۵۱ھ بمطابق ۱۸۳۵ء ہے۔

آپ کے والد محترم سردار حاجی نور محمد خان ایک فقیر منش اور فقیر دوست انسان تھے۔ خلیفہ صاحب کی عمر چھ سات سال کی تھی کہ انہوں نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ حجاز مقدس کے سفر کا رادہ کیا اور گھر سے سب کو لے کر نکل پڑے۔ ریاست بھاول پور کے علاقہ رحیم یار خان پہنچے تھے اور اپنے بعض دوستوں کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے کہ حق کا بلاوا آگیا۔ ان کے انتقال کے بعد آپ کی بیوہ نے یتیم بچوں کے ساتھ وہیں رہائش اختیار کرلی۔ ابتدائی عمر میں دوران طالب علمی میں آپ نے حضرت سید العارفین کے ہاتھ پر بیعت کی، درگاہ عالیہ بھر چونڈی میں رہ کر بڑی ریاضتیں کیں اور تقریباً چالیس سال کی عمر میں خلافت سے سرفراز ہوئے۔ مرشد نے حکم دیا کہ خان پور کے قریب جنگل میں (موجودہ دین پور شریف کے مقام پر) آباد ہوں، دین پور شریف کے قیام اور آپ کی صحرا نشینی کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ آپ کی کشش باطنی اور توجہ روحانی سے لوگ جوق در جوق اللہ اللہ سیکھنے کے لئے جنگل میں آپ کے پاس آنے لگے۔ خلق خدا پروانہ وار شمع ہدایت کے گرد جمع ہونے لگی، اور خدا کے بندوں کا اس صحرا نشین فقیر کے پاس تانتا بندھ گیا، اس سرزمین سے رشد وہدایت اور تعلیم ومعرفت کے سوتے پھوٹ نکلے۔

دین پور شریف حضرت کے زمانہ میں باطنی وظاہری علوم کا بڑا مرکز ہوگیا تھا، جہاں شرعی تعلیم کے اہتمام کے ساتھ روحانی تعلیم وتربیت، تزکیہ نفس کی عظیم الشان خانقاہ حضرت خلیفہ صاحب کی سربراہی میں قائم تھی۔ (بیس مردان حق)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا منصوبہ تیار کیا تھا جسے ''ریشمی رومال تحریک'' کے عنوان سے شہرت حاصل ہوئی اللہ کو منظور نہ تھا ورنہ یہ تحریک حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمہ کی تحریک جہاد کا نقش ثانی تھی۔ خلیفہ صاحب اس کے خاص رکن تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

''دین پور شریف بھی اس تحریک آزادی کا مرکز ثانوی تھا۔ جس کے صدر خود مولانا ابوسراج صاحب موصوف تھے۔ .... ریشمی خط آپ کے پاس بھی پہنچا تھا۔ انقلاب کی تیاری کے جملہ سامان یہاں جمع کر لئے گئے تھے اور مزید کوشش جاری تھی کہ فوج کی بڑی مقدار خان پور اسٹیشن شام کو پہنچی۔ وہاں کے مخلصین نے فوراً یہاں مرکز میں خبر کردی، راتوں رات تمام سامان رائفلیں، کارتوس وغیرہ منتشر کردیا گیا۔ صبح کو جب افسر انگریز مع فوج دین پور پہنچا اور تفتیش کی تو کوئی چیز موجود نہ تھی ریشمی خط کو بھی تلاش کیا وہ ایک ڈبہ میں بچوں کے کھلونوں کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ انگریز افسر نے اس ڈبہ کو اٹھایا مگر کھلونوں کو دیکھ کر رکھ دیا۔ غرض کہ کوئی چیز جس کی مخبروں نے خبر دی تھی اور کوئی مشتبہ چیز پائی نہیں گئی دوڑ آنے کی خبر اطراف وجوانب میں پھیل گئی تو ہزاروں آدمی جمع ہوگئے۔ اس لئے دین پور میں گرفتار نہ کرسکے۔ افسر نے استدعا کی کہ چونکہ ہمارا افسر خان پور رہ گیا ہے اس لئے آپ خان پور چلئے اور اس سے گفتگو کرلیجئے وہاں جانے پر کہا کہ یہاں معلوم ہوا کہ وہ بھاول پور چلا گیا ہے اس لئے بھاول پور تشریف لے چلئے پھر وہاں سے پنجاب لے گئے اور غالباً جالندھر میں نظر بند کردیا۔ کچھ عرصہ بعد ثبوت نہ ہونے اور عوام کے اشتعال کی بنا پر چھوڑ دیئے گئے

(نقش حیات ص ۱۹۵ ج ۲)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی ان کی خدمت میں ۱۹۳۱ء یا ۱۹۳۲ء

میں حاضر ہوئے تھے۔ اس وقت مولانا موصوف حضرت مولانا احمد علی لاہوری مفسر قرآن کی خدمت میں درس حاصل کرر ہے تھےاوران سے بیعت بھی ہو گئے تھے۔ اور مولانالاہوری مرحوم خلیفہ صاحب کے مجاز بیعت تھے۔ مولانا علی میاں لکھتے ہیں کہ:۔

’’ایسا منور چہرہ غالباًاس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آیا تھانہایت کم گواور کم سخن بزرگ تھے، گفتگو بھی فرماتے تو ٹھیٹھ ریاستی زبان میں جوملتانی اورسندھی کا مجموعہ ہے دین پور کی دنیاہی نرالی تھی وہ صحیح معنی میں دین پورتھا۔ قادری طریقہ’’ذکر جہر‘‘ سے مسجد ، خانقاہ اوربستی ہر وقت گونجتی رہتی اگرکوئی کسی کوآواز بھی دیتا توپکارنے والابھی الا اللہ کہتااور جواب دینے والابھی الا اللہ ہی سےاس کا جواب دیتااس طرح اذان، ذکر جہر ، اور صدائے الا اللہ کے سوا کوئی بلند آواز سننے میں نہیں آتی، یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا صرف حضرت اور حضرت کے متعلقین آباد تھے۔ نیم خام، نیم پختہ چند مکانات ، جن کی تعداد شاید پانچ ، سات سے زیادہ نہ ہوایک سادہ سی مسجد چند خام حجرے ذاکرین کے کے لئے کچھ کھجوروں کے درخت جن کو دیکھ کرعرب کے بادیہ کی بستیاں یادآتی ہیں آب و ہوا بھی بادیہ عرب سے ملتی جلتی تھی مقیمین خانقاہ کے لئے ایک لنگر خانہ تھاجس میں خالصاً سندھی اور بھاولپوری مذاق کا ایسا کھانا تیار ہوتا تھا جو قوت لایموت کا صحیح مصداق تھااور ہم اودھ کے نازک مزاج مہمانوں کے لئے اس کا کھانا بڑامجاہدہ اورامتحان تھا گرمی کی شدت تھی، دن بھرلوچلتی اوررات کسی قدر ٹھنڈی ہوتی یہ تھادین پور کا نقشہ۔ حضرت خلیفہ صاحب کی عمراس وقت نوے سال سے متجاوز تھی حضرت نے مجھے سلسلے میں داخل فرمایااور ذکر قلبی کی تلقین کی۔

جس وقت وہاں سے رخصت ہونے لگا تو فرمایا کہ ان کوسلام کہدینا میں نہیں سمجھا کہ اشارہ کس کی طرف ہے؟ صاحبزادہ میاں عبدالہادی صاحب پاس سے گزر رہے تھے انھوں نے تشریح فرمائی کی مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کو! مولانا کانام سنتے ہی خلیفہ صاحب پررقت طاری ہوگئی اس سے اس تعلق کا اندازہ ہوتا ہے جو ان دونوں بزرگوں کے درمیان تھا مجھے معلوم ہوا مولانا تھانویؒ ایک مرتبہ کراچی سے

آتے ہوئے خلیفہ صاحب کی زیارت اور ملاقات کو آئے اور دین پور ٹھہرے تھے۔ (پرانے چراغ ص ۱۴۹ ج ۱)

حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی نے مزید لکھا ہے کہ حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب پر جمال کا غلبہ تھا بڑے صاحب سکینت اور تمکین تھے، چہرہ مبارک گلاب کی طرح سرخ اورآفتاب کی طرح پرانوار معلوم ہوتا تھا۔ نہایت صاحب وجاہت اور صاحب جمال تھے۔ پنجاب وسندھ کے تمام مشائخ انکے علو مرتبہ، قوت نسبت اوران کی بزرگی کے قائل تھے۔ (پرانے چراغ ص ۱۴۸ ج ۱)

اپنی عمر طبعی کے آخری دو برسوں میں حضرت خلیفہ صاحب پر استغراقی کیفیت طاری رہنے لگی تھی بہت کم گفتگو فرماتے تھے اور ہر وقت خاموش بیٹھے یاد الٰہی میں محو وبےخود رہتے تھے، نشست وبرخاست خدام کراتے تھے، غذا بھی تقریباً برائے نام رہ گئی تھی۔

حضرت اس استغراقی حالت میں بھی اتباع شریعت وسنت خیر الانام ﷺ کی بے حد پابندی اوراہتمام فرماتے تھے ہر نماز مسجد میں باجماعت ادا فرماتے تھے ، آخری رمضان المبارک میں نماز تراویح بھی مسجد میں باجماعت پڑھی اور باقاعدہ قرآن مجید کی منزل سماعت فرماتے رہے۔ جب کمزوری اور نقاہت حد سے بڑھ گئی تو بھی دوآدمیوں کے سہارے لڑکھڑاتے قدموں سے مسجد میں تشریف لے جاتے، وفات کے روز آپ پر شدت تکلیف کے باعث غشی کے دورے پڑتے تھے مگر ہوش میں آتے ہی اپنے خادم میاں رحیم بخش مرحوم کی اقتداء میں نماز ادا فرماتے۔ غرض ہر نماز باجماعت ادا فرمائی۔ آخر ظاہری اور باطنی خوبیوں اور کمالات کا پیکر، بہترین صفات وحسنات کا مجموعہ، شریعت وطریقت کا شہ سوار، رشد وہدایت کا یہ آفتاب عالم تاب تقریباً ایک سوسال سے اوپر کی عمر میں پہنچ کر ۳۰/ ذوالحجہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۴/ مارچ ۱۹۳۶ء ساڑھے بارہ بجے منگل کی شب میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون (بیس مردان حق ج ۱)

باب نمبر۳

حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی قدس سرہٗ

سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق صاحب نوراللہ مرقدہ کے اکابر خلفاء میں، حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی قدس سرہ تھے۔ آپ گوٹھ دیوانی ضلع خیر پور میرس سندھ کے ایک مشہور سید گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد محترم سید عبدالقادر شاہ اپنے وقت کے نامور عالم و فاضل تھے۔ سن ولادت صحیح طور پر معلوم نہیں ایک اندازے کے مطابق آپ کی ولادت غالباً ۱۲۷۵ھ میں ہوئی ہوگی۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی اور پھر مولانا عبدالقادر کے پاس پھنواری تعلقہ پنو عاقل ضلع سکھر چلے گئے، وہاں ان سے تمام ظاہری علوم کی تکمیل کی۔ ظاہری تعلیم سے فارغ ہوکر باطنی علوم کی طرف متوجہ ہوئے تو خوش قسمتی سے حضرت سید العارفین کی صحبت بابرکت میں پہنچ گئے۔

حضرت سید العارفین کے خلیفہ اول حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری رحمتہ اللہ علیہ بھرچونڈی شریف میں پہلے سے مقیم تھے۔ وہ زمانہ بڑی عسرت اور مسکینی کا تھا۔ حضرت دین پوریؒ گرمی وسردی بس ایک چادر میں گزارتے تھے۔ کپڑے پیوند لگے ہوئے بلکہ پھٹے ہوئے ہوتے۔ ایک ٹوٹی ہوئی کنویں کی ٹنڈ میں لنگر کا بھات یا ابلے ہوئے چنے لیتے اور بقدر قوت لایموت کھا کر عبادات و ریاضات میں مشغول ہو جاتے۔ یہی وہ دن تھے کہ بھرچونڈی شریف میں گوٹھ دیوانی کا سیدزادہ آیا۔ اس کی پیشانی پر انوار ولایت کا جاہ و جلال اور علم و حکمت کے آثار ظاہر تھے مگر وہ بھی خانقاہ میں آ کر ایسا گم ہوا کہ تن من کا ہوش نہ رہا۔

حضرت دین پوری اور حضرت امروٹی کا ربط وضبط بڑھا اور یہ تعلق پرخلوص، بے لوث دوستی سے بڑھ کر عشق و محبت اور بھائی چارگی تک پہونچ گیا۔ یک جان دو

قالب کا محاورہ اگر کہیں صادق آتا تھا تو ان دونوں طالبان راہ حقیقت پر آتا تھا۔ دونوں حضرات ساتھ رہتے تھے۔ اٹھنا بیٹھنا اوراوراد واشغال ایک ساتھ کھانا پینا بلکہ پہننا بھی اکٹھے تھا۔ پہلے جو چادر حضرت دین پوری اکیلے استعمال کرتے تھے اب وہ مشترک تھی۔ جوتیوں کی ایک جوڑی تھی ایک بھائی پہن کر مسجد کے باہر جاتا اور وضو وغیرہ کر کے واپس آتا تو دوسرا بھائی پہن کر جاتا، لنگر کا بھات اور ابلے ہوئے چنے اس ٹوٹی ہوئی ٹنڈ میں اکٹھے بیٹھ کر کھاتے۔ یہ تعلق محبت اس قدر تھا کہ دنیا میں سگے بھائیوں میں نہ ہوگا۔ ایک دوسرے کو اڈا (بھائی) کہہ کر پکارتے تھے۔

حضرت دین پوری فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میرے بھائی امروٹی پر ایک دنیوی مصیبت آئی۔ میں پریشان تھا اور مجھے یقین تھا کہ ضرور مجھ پر بھی کوئی ابتلاء آئے گی، چنانچہ ایک دو دن کے اندر ہی میں بھی مصیبت میں گرفتار ہوا۔

ان دونوں بھائیوں کا یہ تعلق نہ صرف تادم زیست رہا بلکہ دین پوری اور امروٹی جماعت ابتداء سے ایک رہی اور بحمد اللہ ابھی تک ان میں فکر ونظر کی یکجہتی اور پرخلوص یگانگت واخوت باقی ہے اور انشاء اللہ باقی رہے گی۔

حضرت مولانا تاج محمود امروٹی قدس سرہ، حضور مرشد پاک کی نگاہ کیمیا اثر سے تھوڑی ہی مدت میں کندن بن کر نکلے اور رہروان راہ طریقت کے رہبر و رہنما بن گئے۔ خرقۂ خلافت عطا فرما کر حضرت مرشد نے حکم دیا کہ امروٹ میں مستقل قیام کرو، چنانچہ آپ نے اس غیر معروف مقام میں خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور تھوڑے ہی دنوں میں آپ کی شہرت عام ہوگئی۔

آپ سندھ کے بہت بڑے عالم دین اور بزرگ کامل تھے۔ سندھی زبان کے قادر الکلام شاعر بھی تھے "پریت ناموں" اور سورۃ یٰسین کے منظوم سندھی ترجمہ کے علاوہ آپ نے قرآن مجید کا سندھی ترجمہ بھی کیا تھا جو عوام وخواص میں مقبول ہے، اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

پاک وہند کی سیاسی تحریکوں میں آپ کا اپنے وقت کے چوٹی کے رہنماؤں میں

شمار ہوتا تھا اور سیاسیات میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

سندھ میں انگریزوں کے سب سے بڑے دشمن تھے، حضرت مولانا عبید اللہ سندھی سے بھرچونڈی شریف میں تعلق ہوا اور حضور مرشد کے وصال کے بعد آپ ہی نے ان کی سرپرستی فرمائی (بیس مردان حق ج ا) مولانا عبید اللہ سندھی اپنی ذاتی ڈائری میں لکھتے ہیں:-

’’شوال ۱۳۰۸ھ سے سید العارفین کے دوسرے خلیفہ حضرت مولانا ابوالحسن تاج محمود صاحب کے پاس امروٹ ضلع سکھر چلا گیا، انہوں نے اپنے مرشد کا وعدہ پورا کردکھایا، وہ میرے لئے بمنزلہ باپ کے تھے۔، میرا نکاح انہوں نے سکھر کے اسلامیہ اسکول کے ماسٹر مولوی محمد عظیم خان یوسف زئی کی لڑکی سے کرایا۔ میری والدہ کو بلایا، وہ میرے پاس اخیر وقت تک میرے طرز پر رہیں، میرے مطالعہ کے لئے بہت بڑا کتب خانہ جمع کیا میں ان کے ظل عاطفت میں ۱۳۱۵ھ تک اطمینان سے مطالعہ کرتا رہا۔ (نقش حیات ص ۱۴۰، ج ۲ بحوالہ ذاتی ڈائری)

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ

’’موصوف خدارسیدہ، متقی اور پرہیزگار نہایت جوشیلے بزرگ تھے، اطراف و جوانب سکھر میں ان کا بہت بڑا اثر و رسوخ تھا۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمان ان کے متوسل اور مریدان اطراف میں موجود ہیں۔ ان کی کرامت کا بہت چرچا وہاں پایا جاتا ہے۔‘‘

مولانا عبید اللہ صاحب نے ان کا تعارف حضرت شیخ الہند سے کرایا۔ متعدد دفعہ دیوبند بھی آئے، حضرت شیخ الہند ان سے ملنے امروٹ بھی تشریف لے گئے اور مشن آزادی میں شریک کار کیا۔ تحریک خلافت میں نہایت جوش و خروش سے آخر وقت تک شریک رہے۔ ان کا مقام سندھ کے اضلاع میں حضرت شیخ الہند کے مشن کا مرکز رہا (نقش حیات ص ۱۹۶، ج ۲)

حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی علیہ الرحمۃ ایک مرتبہ دیوبند اس وقت

تشریف لے گئے جب وہاں جلسہ دستار بندی منعقد ہوا تھا یہ ۱۳۲۸ھ کا وقت تھا، حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری بھی ہمراہ تھے، حضرت شیخ الہند کے درس حدیث میں شریک ہوئے، تو اس سے متاثر ہو کر دیوبند میں قیام کا ارادہ فرمایا حضرت دین پوری بڑی مشکل سے سمجھا بجھا کر واپس لے آئے۔

دوسری مرتبہ اس وقت دیونبد تشریف لائے، جب حضرت شیخ الہند مالٹا کی اسارت سے رہائی پا کر ہندوستان تشریف لائے تھے۔ شیخ الہند کی تحریک ریشمی رومال میں آپ عملاً شریک تھے۔ آپ نے ۱۹۱۵ء میں مولانا عبید اللہ سندھی کو افغانستان پہونچنے میں بڑی مدد دی تھی۔ سی آئی ڈی کی رپورٹ ہے کہ:-

’’شاید یہی تاج محمد (محمود) ساکن امروٹ سکھر سندھ ہے، سندھ میں دوسرے نمبر پر اسکا زبردست اثر ہے۔ جو صرف مولوی ہمایوں کے اثر سے کم ہے۔ کھڈہ کراچی کے مولوی محمد صادق کا دوست ہے۔ جواب کاردار میں نظر بند ہے خیال ہے کہ اس نے مولوی عبید اللہ کے فرار افغانستان میں اس کی مدد کی تھی۔ اس کے ہزاروں پیرو ہیں۔ جن میں بڑے بڑے زمیندار، لیڈر اور سرکاری ملازمین شامل ہیں جنود ربانیہ کی فہرست میں لفٹنٹ جنرل ہے۔ (تحریک شیخ الہند ص ۴۸۱)

امروٹ شریف اس زمانے میں تحریک ریشمی رومال کا زبردست مرکز تھا، اور جہاد آزادی کے لئے وہاں مکمل تیاری تھی۔ آپ کے پاس بھی ریشمی خط آیا تھا، لیکن اللہ کو منظور نہ تھا، ریشمی رومال تحریک کا راز افشاء ہو گیا اور پورے ملک میں گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ حضرت شیخ الہند اپنے چار پانچ رفقاء کے ساتھ گرفتار کر کے مالٹا بھیج دیئے گئے۔ ہندوستان میں تحریک کے مراکز پر چھاپے مارے گئے۔ حضرت مولانا سید تاج محمود علیہ الرحمۃ بھی گرفتار ہوئے مگر کوئی ثبوت نہ مل سکا۔ اس لئے رہا کر دیئے گئے۔

کہتے ہیں کہ آپ کی رہائی آپ کی کرامت کی وجہ سے ہوئی۔ مشہور ہے کہ آپ کو کمشنر کراچی کی کوٹھی میں نظر بند کیا گیا تھا۔ وہ ایک انگریز تھا۔ اچانک اس کی میم کو

آشوب چشم کی شکایت پیدا ہوئی اس قدر تکلیف بڑھی کہ درد کے مارے چیخیں مارتی اور فرش پر لوٹتی تھی، کراچی کے تمام ماہر ڈاکٹروں نے علاج کیا، مگر کچھ بھی افاقہ نہ ہوا۔ کمشنر کے ایک مسلمان خانساماں نے اس کو حضرت کے پاس جاکر دعا کرانے کا کا مشورہ دیا۔ وہ کب اسے قبول کرتا مگر بیوی کی تکلیف دیکھی نہ جاتی تھی۔ مجبوراً حاضر خدمت ہوا۔ آپنے اپنے استعمال کے سرمہ میں سے ایک سلائی میم صاحب کی آنکھوں میں لگانے کے لئے دی، سلائی پھیرتے ہی درد کافور ہوگیا۔ اور آنکھیں ٹھیک ہوگئیں۔ کمشنر نے اسی وقت حضرت کی رہائی کا حکم دے دیا۔

تحریک ریشمی رومال کے بعد آپ نے آزادی وطن کی ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے دوران سندھ اور بیرون سندھ میں آپ ایک عظیم سیاسی رہنما بن کر ابھرے۔ تحریک ہجرت میں بھی آپ نے زبردست کام کیا تھا۔ اور خود بھی ہجرت کی تھی مگر افغان حکومت کی منافقانہ پالیسی سے بددل ہوکر واپس تشریف لے آئے۔

جمیعت علمائے ہند میں بھی باقاعدہ آپ شریک کار رہے، انگریز دشمنی اور جذبۂ جہاد کے علاوہ تبلیغ دین یعنی غیر مسلموں میں اسلام کی اشاعت آپ کی زندگی کا اہم نصب العین تھا۔ آپ کے دست حق پرست پر سات ہزار غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ مدارس کے قیام سے بھی آپ کو غیر معمولی دلچسپی تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنے علاقہ سندھ میں مدارس کا جال بچھا دیا تھا۔

آپ جلالی شان کے بزرگ تھے۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی فرماتے ہیں کہ:-

’’مولانا سید تاج محمود امروٹی پر جلال اور جذبۂ جہاد غالب تھا کرامات جلیہ کا ان سے ظہور رہا۔ کئی بار انگریزوں کو چیلنج کیا، اور ان کے مقابلے میں آگئے۔ حکومت شورش عام کے خطرے سے طرح دے گئی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا اخلاص و اختصاص تھا۔ ایک مرتبہ ان کی خدمت میں بڑے

اہتمام سے ایک ٹوپی بھیجی اور اس پر لکھا ’’تاج محمودؒ‘‘ (پرانے چراغ ص ۱۴۸ ج ۱)

حضرت امروٹی میں فاروقی جلال تھا۔ اور حضرت دین پوری میں صدیقی جمال تھا۔ (بیس مردان حق ج ۱)

ابھی ۱۸ شعبان ۱۴۱۷ھ کو اپنے شیخ و مرشد مدظلہ کی معیت میں امروٹ شریف حاضری ہوئی۔ اس بارگاہ جلال کی زیارت ہوئی، دل پر عجیب تاثر ہوا، اللہ والوں کا آستانہ دیکھا، ...... تصور نے ماضی کا نقشہ دکھایا۔ وہ شیر حق زیر زمین آسودہ تھا اور نور حق کی شعاعیں پھیلی ہوئی تھیں۔ پرانے دور کی یادگار دیکھی۔ ایک فقیر حضرت کے مکان کے دروازے کے قریب زور سے لا الہ الا اللہ کی صدا لگا رہا تھا۔ تھوڑی دیر مزار پر کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھی اور وہ زمانہ نظروں میں گھوم گیا۔ جب یہاں مخلوق نام حق پر ٹوٹی پڑتی تھی۔ کتنا مشکل راستہ ہے، لیکن اس راہ پر حضرت شیخ الہند بھی چل کر امروٹ شریف پہنچے تھے حضرت امروٹیؒ کے ہزاروں لاکھوں مریدین و متوسلین پہنچتے تھے اور دل میں محبت و معرفت کا نور اور جہاد و تبلیغ کا جذبہ لے کر پلٹتے تھے یہیں فقراء اور درویشوں کے درمیان حضرت کے خلیفہ خاص حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی اور حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری مدتوں قیام فرماتے تھے۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی نے فراغت کے بعد ابتدائی سات آٹھ سال یہیں گزارے تھے۔ یہ شیران حق کی تربیت گاہ تھی۔ یہ اہل اللہ کی درسگاہ تھی۔ یہ صوفیہ و مشائخ کی خانقاہ تھی۔ یہ مجاہدوں کی کمین گاہ تھی۔

امروٹ شریف کے قریب سے ایک نہر گزری ہے جو دریائے سندھ سے نکالی گئی ہے۔ اس کی راہ میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی۔ ۔ انگریزوں نے طے کیا کہ اس کو شہید کرکے نہر وہاں سے گزار دی جائے اور اس کے بجائے دوسری مسجد بنا دی جائے۔ حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی علیہ الرحمۃ کو جلال آگیا اور تسبیح لے کر اس میں جا بیٹھے۔ فقراء کی جماعت بھی ان کے ساتھ ہوگئی۔ انگریز کو چیلنج کر دیا کہ اب گراؤ مسجد۔ انگریز نے مسجد سے تعرض ترک کرکے اس کے نیچے سے زمین کھود کر نہر کو آگے

بڑھایا اور مسجد کے نیچے وسط نہر میں مضبوط پائے بنادیئے اور زمین کو پختہ کردیا۔ وہ مسجد جوں کی توں بالکل بیچ نہر کے قائم ہے۔ ہم لوگوں نے وہاں ظہر کی نماز ادا کی۔ اللہ اللہ کیا شان تھی، یہ مسجد مسجد جہاد کہلاتی ہے۔

وفات:

انگریزوں نے کسی شقی القلب کے ہاتھوں آپ کو زہر دلادیا تھا۔ جس کے اثر سے آپ کے جسم مبارک پر پھوڑے پھنسیاں نکل آئیں اور خارش کی تکلیف رہنے لگی۔ آخر زہر کے اثر سے ملت کا یہ بطل جلیل، اللہ کا برگزیدہ بندہ، شریعت وطریقت کا مجمع البحرین، شیخ الہند کا مخلص ساتھی، حضرت دین پوری کا پیارا بھائی اور سندھ کا مشہور روحانی مقتدٰ، ۲۱ جمادی الآخرۃ ۱۳۴۸ھ مطابق ۵ نومبر ۱۹۲۹ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملا **"انا للہ وانا الیہ راجعون."**

آپ نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہ چھوڑی۔ ایک بچہ حسن شاہ عین عنفوان شباب میں فوت ہوگیا تھا۔ آپ کے بعد آپ کے بھتیجے میاں نظام الدین شاہ سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے بعد ان کے فرزند حضرت سید محمد شاہ صاحبِ سجادہ ہوئے۔

(بیس مردان حق ج۱)

ہماری ملاقات موجودہ سربراہ خانقاہ مولانا سراج احمد صاحب سے ہوئی۔ نوجوان اور خلیق آدمی ہیں۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ العالی سے بیعت ہیں۔

حضرت امروٹی علیہ الرحمۃ کے مشہور خلفاء یہ ہیں:-

(۱) حضرت اقدس مولانا حماد اللہ صاحب علیہ الرحمۃ ہالیجی شریف
(۲) حضرت اقدس مولانا احمد علی لاہوری علیہ الرحمۃ
(۳) حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمۃ تھریچانی شریف
(۴) حضرت مولانا محمد صالح رحمۃ اللہ بائیجی شریف

تصوف واصحاب تصوف کی اہمیت

یہ اصحاب تصوف ہیں جو کبھی رونق سجادہ نظر آتے ہیں اور کبھی میدان جہاد میں سربکف دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی مریدوں اور معتقدوں کے حلقے میں پیرومرشد کی صورت میں دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور کبھی جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے مبتلائے مشقت نظر آتے ہیں۔

ستم ظریفوں کی ایک ٹولی نے تصوف وسلوک پر تعطل وبیکاری کا الزام رکھا ہے۔ کسی نے اس پر چنیا بیگم کی پھبتی کسی ہے۔ زندگی اور جہاد زندگی سے اس کو فرار سے تعبیر کیا ہے کسی نے وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل کے بالمقابل خاک کی آغوش میں تسبیح ومناجات قرار دیا ہے۔ کسی نے انہیں سر بجیب دیکھا تو بدگمانی قائم کرلی کہ یہ کبھی سربکف ہو ہی نہیں سکتے۔ معتقدوں کو کبھی دست بوسی کرتے دیکھا تو چیخ اٹھے کہ یہ کبھی دارورسن کو چوم ہی نہیں سکتے۔

لیکن نہ جانے کیا بات ہے کہ یہ لوگ تاریخ کے آئینے سے نظریں چراتے ہیں۔ جو انہیں نمایاں طور پر دکھاتا ہے کہ اگر دین کے نام پر کسی گروہ نے جان کی بازی لگائی ہے اور جہاد کے میدان میں اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہایا ہے تو زیادہ تر یہی صوفیاء کا مقدس گروہ رہا ہے۔ جو کبھی......خاک کی آغوش میں تسبیح ومناجات میں مشغول رہتے ہیں۔ تو دوسرے وقت وہی وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل کا عمل بھی جاری کرتے ہیں۔ کم از کم ہندوستان میں ہی حضرت مجدد الف ثانی سے لے کر حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب تک دیکھ لیں۔

مجدد صاحب اور ان کے عالی مقام صاحبزادگان اور ان کے اخلاف واحفاد پھر شاہ ولی اللہ الدہلوی اور ان کے نامور فرزندان گرامی اور حفید رشید مولانا محمد اسماعیل شہید اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے خلیفہ حضرت سید احمد شہید پھر انکے متوسلین کا سلسلہ اسکے بعد حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، حضرت حافظ ضامن شہید، حضرت

مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور دوسرے اکابر یہ سب لوگ تصوف وسلوک کے پروردہ اور اسکے لذت آشنا تھے۔ یہ راتیں تسبیح ومناجات میں گزارتے اور دن کو میدان جہاد کے شہ سوار ہوتے۔ آج انہیں کے خون گرم کا فیضان ہے کہ اس ملک میں دین وایمان کی حرارت پھیلی ہوئی ہے۔

ہندوستان کے باہر مہدی سوڈانی کی تحریک، طرابلس میں سنوسیوں کا جہاد، الجزائر میں دینی جدوجہد اور اسکے نتیجے میں طوق وسلاسل اور کشت وخون کی آزمائش کون نہیں جانتا کہ ان سب کی بنیادوں میں اسی تصوف اور صوفیاء کی روح بھری ہوئی ہے۔ جسکو آج گلے کا پورا زور اور قلم کی پوری طاقت لگا کر مطعون کیا جارہا ہے۔

ابھی کتنے دنوں کی بات ہے کہ جب کمیونزم کا طلسم ٹوٹا۔ سوویت یونین اس کے نتیجے میں بکھرا اور اسکے بکھرتے ہی دس گیارہ مسلم ریاستیں صفحۂ ہستی پر ابھر آئیں۔

مشہور تھا کہ کمیونزم نے خدا کو حدود روس سے نکال دیا ہے اور خدا کے ماننے والوں کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ اب وہاں کوئی اسلام کا نام لیوا نہیں رہا۔ ستر سال تک اسلام کی ہر آواز کو دبایا اور مٹایا گیا اور ان زبانوں کو کاٹ ڈالا گیا جن پر اسلام کا نام آیا اور اس گلے کو تراش دیا گیا جس سے ایمان کی آواز نکلی۔ لیکن اچانک یہ کیا ہوا کہ اس طلسم کے ٹوٹتے ہی ایمان واسلام کے متوالوں کی اتنی بڑی تعداد نکل آئی کہ انہیں دس گیارہ ریاستوں کی سربراہی حاصل ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے جناب حبیب الحق صاحب مرحوم پروفیسر ڈربن یونیورسٹی کو، وہ انہیں دنوں اعظم گڑھ دارالمصنفین میں تشریف لائے تھے۔ انہوں نے تعلیم یافتہ طبقہ کے ایک معقول مجمع میں ان ریاستوں کے حالات سنائے اور اخیر میں انہوں نے بتایا کہ اتنی تعداد میں روس کے جور واستبداد کے باوجود اسلام کے ماننے والے باقی کیسے رہ گئے۔ وہ بتارہے تھے کہ کیسے گھروں کی کال کوٹھریوں میں ہلکے چراغ جلا کر بچوں کو قرآن پڑھایا جاتا تھا۔ جنگلوں، پہاڑوں کی وادیوں اور صحرا کے سناٹے میں کس طرح جیالی مائیں اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو کچھ فقیروں اور ملاؤں کے سپرد کر دیتی تھیں کہ وہ انہیں آبادیوں سے دور تمدن اور تمدن کے جلوؤں سے دور قرآن اور دین کی تعلیم دیں۔ یہ بچے گھر سے نکل جاتے اور پھر برسوں گھر کی دید سے محروم رہتے۔

یہ کہتے کہتے انہوں نے نہایت موثر انداز اور درد بھرے لہجے میں کہا کہ آج کچھ لوگ انہیں گری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن یہ غلطی ہے۔ روس میں اسلام کو زندہ رکھنے کا صبر آزما عمل صرف اور صرف صوفیاء کرام نے انجام دیا ہے۔ اس جملے پر انہوں نے نہایت شدت سے زور دیا یہ انہیں حضرات کی جاں سپاری اور سرفروشی تھی جس نے اسلام کو باقی رکھا۔ انہوں نے اپنے سینے میں یہ چراغ جلائے رکھا۔ اور اس کی روشنی نئ نسلوں میں جو لوگ مل جاتے انکے سینوں تک منتقل کرتے۔ اور یہ کام وہ اپنی جان پر کھیل کر کرتے، روس میں اس سے بڑا کوئی جرم نہ تھا کہ خدا کا نام خدا کے لئے لیا جائے۔

یہ ہیں حضرات صوفیہ جو کرتے بہت کچھ ہیں اور بولتے کچھ نہیں، پروپیگنڈہ اور نمائش کا فن انہیں نہیں آتا۔ اور ان کو مطعون وہ لوگ کرتے ہیں جن کا جاہ ومنصب اور دولت وزر کے علاوہ کوئی اور مطمح نظر نہیں۔ وہ اللہ کا، دین کا، رسول کا نام لیتے بھی ہیں تو حصول اقتدار اور جلب زر کے لئے۔ یہ لوگ کرتے کچھ نہیں اور پروپیگنڈہ ساری دنیا میں کر ڈالتے ہیں۔

وَيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا ،،

ان کا حال ہے، (یعنی جو کچھ نہیں کیا ہے اس پر اپنی تعریف کے خواہاں ہیں) تو انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ انکے حق میں ''فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ'' وارد ہے یعنی یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

خیر سلسلہ کلام لمبا ہو گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جب ناخلف قسم کے لوگ صوفیائے

کرام کو ایک طرف سے تختۂ مشق بناتے ہیں۔ تو جی کڑھتا ہے اگر ان کے طعن وطنز کے نشانہ وہ جاہل صوفیہ ہوتے جو صوفیوں کے بھیس میں شیطان کی نیابت کرتے ہیں۔ تب تو خیر کوئی بات نہ ہوتی۔ ہم اس میں ان کے ہم قدم ہوتے مگر یہاں تو ایک طرف سے سب پر تیشہ چلنے لگتا ہے۔

کیا محدثین کی جماعت میں واضعین حدیث کے گھس آنے کی وجہ سے تمام محدثین گردن زدنی قرار پا جائیں گے اگر نہیں تو خدارا بتایا جائے کہ صوفیہ کے لئے اس اصول کو کیوں ترک کر دیا جاتا ہے۔

باب نمبر ۴

حضرت امروٹی کی بارگاہ میں

یہی حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی علیہ الرحمۃ ہمارے صاحب تذکرہ حضرت مولانا حماد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے شیخ اور پیر و مرشد تھے۔ حضرت والا امروٹ شریف کیسے پہونچے۔ اس لذیذ داستان کو حضرت ہی کی زبانی سنئے، حضرت والا فرماتے ہیں:-

’’ایک فقیر جس کا نام عبدالغنی تھا۔ حضرت امروٹی کے خاص مریدوں میں سے تھا۔ اور ٹھیڑی کے قرب و جوار میں سکونت پذیر تھا۔۔ جس زمانہ میں، میں وہاں مدرس تھا۔ فقیر مذکور میرے پاس آیا جایا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میرے ساتھ امروٹ شریف چلو۔ حضرت امروٹی کی زیارت کا شرف حاصل کریں، مگر میں اس کو یہ جواب دیا کرتا تھا کہ حضرت امروٹی ایک عالم ہیں نہ کہ پیر، میں ان کے پاس نہیں جاؤں گا۔ لیکن فقیر مذکور مجھے امروٹ شریف چلنے کیلئے کہتا رہتا تھا۔ آخر فقیر موصوف ایک مرتبہ رمضان المبارک کی ۲۶ تاریخ کو میرے پاس آیا اور کہا آؤ آج ہمارے ساتھ امروٹ شریف چلو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی اور ہم لوگ ٹھیڑی سے روانہ ہو گئے اور رک اسٹیشن پر اتر گئے اور امروٹ شریف کے راستے پر چل پڑے۔ رات بہت تاریک تھی، ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے چل رہے تھے، راستے میں ایک جگہ ببول کے بہت سارے درخت تھے۔ جب ان کے پاس ہم پہنچے تو روشنی معلوم ہوئی اور درختوں کو دیکھا کہ زمین پر سجدہ میں گرے ہوئے ہیں۔

میں نے یہ نظارہ دیکھا تو اپنے ساتھی سے پوچھا کہ تم کچھ دیکھ رہے ہو اس نے جواب دیا کہ میں کچھ نہیں دیکھ رہا ہوں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ شب، لیلۃ القدر ہے۔ پس

جس وقت کہ ہم لوگ امروٹ شریف پہنچے تو حضرت امروٹی نماز تراویح سے فارغ ہو کر مسجد کے دروازے سے باہر تشریف لارہے تھے چونکہ موسم سردی کا تھا آپ کے دوش مبارک پر پوستین پڑی ہوئی تھی۔ پس مجھ سے بغل گیر ہوئے مجھ کو اپنے دونوں بازوؤں میں اچھی طرح دبا کر فرمایا کہ مرحبا مولوی صاحب! معانقہ کی حالت میں میری طبیعت میں تغیر پیدا ہوگیا۔ میں نے حضرت امروٹی کو نہیں پہچانا مگر جب میرے رفیق فقیر عبدالغنی نے حضرت صاحب کہہ کر مرحبا کہا تو میں سمجھا کہ یہی حضرت امروٹی ہیں۔

میں وہاں مقیم ہوگیا۔ عید کا چاند ۲۹ کو نظر آ گیا۔ حضرت امروٹی نے مجھے خطاب کر کے فرمایا کہ مولوی صاحب آپ کو گھر کی محبت اس قدر ہے کہ چاند بجائے ۳۰ کے ۲۹ کو نظر آ گیا۔ صبح کو نماز عید ادا کی گئی اور عید ہی کے دن شام کے وقت حضرت امروٹی نے میرے سر پر دستار، جو تار کشی کی تھی باندھی۔“ (تجلیات ہالیجویؒ)

یہ حضرت اقدس کے علوئے استعداد کا ثمرہ تھا کہ پہلی ملاقات میں آپ کو شیخ نے خلافت عطا فرمادی حالانکہ ابھی ظاہری طور پر کچھ تعلیم بھی نہیں فرمائی تھی مگر صفائے قلب اور پاکیزگی باطن کی جو کیفیت تھی، اس نے اسی وقت اہلیت واستحقاق پیدا کر دیا تھا اور حضرت والا کو بھی شیخ سے اول ملاقات میں ہی اسقدر مناسبت اور عقیدت پیدا ہوگئی تھی کہ بعضوں کو وہ بات مدتوں میں حاصل نہیں ہوتی۔

مرید کی طرف سے عقیدت ومحبت اور انقیاد واعتماد ہو اور شیخ کی طرف سے شفقت ومہربانی اور توجہ والتفات ہو تو راہ سلوک طے ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ آدمی یکایک حق تعالیٰ کے دربار میں واصل ہو جاتا ہے اس کے بعد بقدر مجاہدہ وریاضت درجات میں ترقی ہوتی رہی ہے۔

حضرت اقدس کی شیخ کے ساتھ مناسبت ومحبت اور فنائیت کا یہ عالم تھا کہ خود فرماتے ہیں:۔

”دوسری شوال کی رات میں حضرت امروٹی عشاء کی نماز کے بعد ایک پست چارپائی پر (پائے چھوٹے ہونے کی بنا پر پست تھی) آرام فرما ہوئے اور میں حضرت والا کی چارپائی کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا۔ سحر کے وقت جماعت کے لوگ اجازت کے لئے حضرت والا کی خدمت اقدس میں جب حاضر ہوئے تو آپ بیدار ہوئے۔ حضرت والا نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ مولوی صاحب ابھی تک آپ اسی جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔“

پوری رات یوں ایک جگہ تن تنہا بیٹھ کر گزار دینا۔ شیخ سے انتہائی محبت کی دلیل ہے۔ شیخ سوئے ہیں اور یہ ان کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس کی لذت وہی سمجھ سکتا ہے جس کے دل میں عشق ومحبت کی چاشنی موجود ہو۔

حضرت امروٹی کی بشارت:

اس کے بعد جماعت کو رخصت فرمایا۔ میرے ساتھی فقیر عبدالغنی نے بھی اجازت طلب کی۔ حضرت والا نے فقیر موصوف سے فرمایا کہ:۔

مولوی صاحب کو جو کچھ پڑھانا تھا یا دینا تھا میں نے دیدیا۔ حالانکہ حضرت والا نے مجھے ظاہری طور پر کچھ بھی تعلیم نہیں فرمایا تھا۔ مجھے بھی جانے کی اجازت فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ چالیس دن کے بعد پھر آئیے۔

وہی مولوی صاحب جو پہلے کہا کرتے تھے کہ حضرت امروٹی صرف عالم ہیں پیر نہیں ہیں، ان کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا کہ نہ کچھ ظاہری تعلیم فرمائی نہ اوراد ووظائف بتائے۔ حضرت امروٹی سے ملاقات کی نیت سے گئے تو اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں موسلا دھار برسنے لگیں۔ لیلۃ القدر جس کی تلاش میں اہل اللہ سرگردان رہتے ہیں بے وہم وگمان منکشف ہوگئی۔ یہ انہی صاحب کی برکت تھی جن کو پیر ماننے کے لئے حضرت والا تیار نہ تھے۔ پھر اول ملاقات میں جب کہ ابھی شیخ کو پہچانا بھی نہ تھا۔ معانقہ کی حالت میں طبیعت میں تغیر پیدا ہوا پھر چند ہی دنوں میں دستار بندی کر دی اور چلتے چلتے یہ بشارت بھی سنادی کہ جو کچھ دینا تھا دیدیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت اقدس

اجتبائی شان کے حامل تھے۔ ایسے بزرگوں کو دولت پہلے عطا کر دی جاتی ہے اور مجاہدہ بعد میں کرایا جاتا ہے۔ ایسے حضرات کو مزاج نبوت سے قرب و اختصاص ہوتا ہے۔ صوفیہ کی اصطلاح میں اسے قرب نبوت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ مجذوب سالک کہلاتے ہیں۔ دولت و نعمت عطا فرمانے کے بعد ان حضرات کو مجاہدہ کی بھٹی میں ڈال دیا جاتا ہے اس لئے حکم ہوا کہ چالیس روز کے بعد پھر آیئے۔ چنانچہ حضرت اقدس خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو ابتداء آیت الکرسی یعنی ''**اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم**'' اور درود شریف کی تعلیم فرمائی۔

اس حاضری میں کتنے دن خدمت اقدس میں رہے۔ حضرت نے اس کی خبر نہیں دی۔ البتہ یہ فرمایا کہ رخصت ہونے والے دن سحر کے وقت میں رخصت ہوا اور چند حضرات جماعت کے بھی ساتھ میں رخصت ہوئے صبح کی نماز نہر پر جو کہ راستہ پر واقع تھی باجماعت ادا کی گئی۔ بندہ نے امامت کی جب میں آخری سجدہ میں پہنچا تو اللہ رب العزت کو جو مہربانی کرنی تھی وہ مہربانی کی۔ (تجلیات شیخ ہالیجوی ص ۲۳)

سجدہ جو قرب خداوندی کی انتہائی حالت ہے۔ جب بندہ اور خدا کے درمیان تمام ظلماتی حجابات مرتفع ہوجاتے ہیں۔ خود ارشاد خداوندی کی صراحت ہے۔ ''واسجد واقترب'' (سجدہ کرو اور قریب ہو جاؤ) اس حالت قرب میں اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی۔ کیا مہربانی فرمائی؟ مہربانی کی خبر دینے والے نے اسے مبہم کر دیا اور اب وہ شخصیت دنیا سے جا بھی چکی اور اگر ہوتی بھی تو کیا کوئی پوچھ کر جواب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا؟۔ ان حضرات نے تو سر محبوب کو ہمیشہ راز ہی رکھا۔ لیکن کیا راز چھپ سکتا ہے؟ کیا اس کی شرح صرف حروف و الفاظ ہی سے ہوتی ہے؟ کتنی شرحیں ہیں جو شرمندہ تکلم نہیں ہوئیں اور دنیا نے انہیں پڑھ لیا اور دیکھ لیا۔ اس مہربانی کی اگر شرح دیکھنی ہو تو آپ کی پوری زندگی دیکھ ڈالئے۔ اس کا ایک ایک ورق الٹئے۔ ہر جگہ اس مہربانی کی شرح و ترجمانی نظر آئے گی

آپ کی تعلیم و تربیت، آپ کا صدق و خلوص، آپ کی استقامت و پختگی، آپ کا تواضع و اخلاق، آپ کا حلم و ضبط، آپ کی بخشش و عطا، آپ کے علوم عالیہ اور معارف لدنیہ اور آپ کے مخلص و بے نظیر خلفاء اس مہربانی کے پرتو نہیں ہیں تو کیا ہیں؟

زمین میں بیج ڈالا جاتا ہے تو وہ چندے مٹی کی تاریکی میں مدفون رہتا ہے۔ پھر اس کی شرح میں عظیم الشان سایہ دار درخت کھڑا نظر آتا ہے۔ خدا کی وہ مہربانی جو اجمالاً سجدہ کی حالت میں ہوئی تھی جب اس کے برگ و بار اس کی شاخیں اور کلیاں، کلیوں سے پھول اور پھولوں سے پھل ظاہر ہونے لگے تو کھلی آنکھوں اس مہربانی کی مفصل اور مربوط شرح سامنے آ گئی۔

محبتِ شیخ:

تصوف و سلوک کی راہ میں سالک کی ترقی اور درجات کی بلندی کے لئے جو چیز سب سے زیادہ معین و مددگار ہوتی ہے وہ اپنے شیخ سے قلبی تعلق اور اس کی ذات میں فنائیت کا جوہر ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اکرم ﷺ سے جو عقیدت تھی جو تعلق تھا اور اس باب میں فنائیت کا جو مقام ان کو حاصل تھا۔ وہ اس درجہ کا تھا کہ جو کچھ قلب نبوت میں تجلّی الٰہی کی چھوٹ پڑتی تھی۔ آئینہ صدیقیت میں بعینہ اس کا انعکاس ہو جاتا تھا۔ اسی نے انہیں مقام صدیقیت کے بلند مرتبہ پر فائز کر دیا تھا۔ وہی دستور و قانون آج بھی ہے اور ہر زمانے میں رہا ہے کہ جس کو آدمی اپنے دین و شریعت اور ایمان و احسان کی راہ میں ہادی و رہنما بنائے اس سے اتنی مناسبت، اتنی محبت اور اس کے حضور میں اتنی فنائیت پیدا کر لے کہ وہ اس کی ہو بہو تصویر بن کر رہ جائے۔ اس سے مرید جلد سے جلد منزل طے کر لیتا ہے اور اسی میں جس قدر کمی ہوتی ہے اسی قدر راستہ طے ہونے میں دیر لگتی ہے۔

حضرت اقدس کو اپنے شیخ سے جو محبت اور مناسبت حاصل تھی اس کا ایک نمونہ

آپ پچھلے صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ مزید اس کے کچھ اور نمونے دیکھتے چلیئے۔ یہ احوال سالکین راہ طریقت کے لئے بہترین معلم اور دلیل ہیں۔ بہت سے لوگ جو باوجود کثرت اذکار واوراد کے محروم رہتے ہیں اس کا ایک بڑا سبب یہ ہوتا ہے کہ شیخ سے کامل مناسبت اور محبت انہیں حاصل نہیں ہوتی۔

صاحب تجلیات ہالیجوی نے حضرت امروٹی کے ایک مرید صوفی محمد صالح بجارانی کے حوالے سے لکھا ہے۔ ان صوفی صاحب کی حاضری حضرت امروٹی کی خدمت بکثرت رہا کرتی تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ہالیجویؒ اپنے مرشد کا بے حد ادب کرتے تھے۔ جب کبھی خدمت میں حاضر ہوتے تو تمام حاضرین کے پیچھے بیٹھتے اور سر مبارک جھکا کر نظریں نیچی رکھتے اور بالکل خاموش رہتے۔ گھر واپس ہونے کے لئے کبھی خود اجازت طلب نہیں کرتے یہاں تک کہ حضرت امروٹی خود اجازت دیتے اور فرماتے کہ اب آپ کو اجازت ہے گھر جایئے۔

کمال تعلق:

صاحبتجلیات ہالیجوی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ یہ احقر حضرت والا کی خدمت میں حاضر تھا۔ حضرت والا نے فرمایا میاں محمود حسن یا محمود حسین کو (یہ دونوں حضرت کے صاحبزادگان ہیں) جب یہ چھوٹے تھے، پاگل گیدڑ نے کاٹ لیا تھا۔ یاد نہیں کہ ابھی علاج شروع ہوا تھا یا نہیں کہ حضرت امروٹی کا نامہ مبارک آ گیا کہ فوراً یہاں آ جاؤ میں اسی روز حضرت کے حکم کے مطابق روانہ ہو گیا۔ فرزند کے معاملے کو اللہ کے حوالے کیا۔ جب امروٹ شریف پہونچا تو دو تین ماہ وہاں مقیم رہا۔ یہاں تک کہ حضرت امروٹی نے خود اجازت مرحمت فرمائی۔ جب گھر پہنچا تو بچہ کو اللہ تعالیٰ نے عافیت عطا فرمادی تھی۔

یہ تعلق وعقیدت اور خلوص ومحبت کا کمال تھا کہ بچے کی جان اور صحت سخت خطرے میں ہے، لیکن شیخ کا حکم پہنچا تو کوئی عذر معذرت نہیں کی، چاہتے تو اس حادثہ کا حوالہ دیکر کچھ دیر کے بعد پہنچتے۔ لیکن سچی محبت میں ان حیلوں حوالوں کی کہاں گنجائش۔ بچے کی صحت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ بس اٹھ کر چل دیئے اور مزید کمال یہ ہے کہ شیخ سے اس کا ذکر بھی نہیں کیا کہ اجازت کے لئے حسن طلب ہوتا۔ بس خاموشی سے خدمت انجام دیتے رہے اور دو تین ماہ بالکل اطمینان وسکون کے ساتھ گزار دیئے۔ بڑے دل گردے کی بات ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ و مرشد سے نہ کبھی دعا کی درخواست کی اور نہ کبھی تعویذ کے لئے کہا۔ حافظ شیرازی نے اسی حال کے متعلق کہا ہے:-

ارباب حاجتیم زبان سوال نیست
در حضرت کریم تمنا چہ حاجت ست
جام جہاں نماست ضمیر منیر دوست
اظہار احتیاج خود آنجا چہ حاجت ست

ہم بے شک محتاج ہیں لیکن سوال کی زبان ہمارے پاس نہیں ہے۔ کریم کے دربار میں اظہار تمنا کی حاجت ہی کیا ہے ہمارے دوست کا دل جام جہاں نما ہے۔ ایسی جگہ ضرورت کے بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

شیخ کی محبت میں استغراق:

محبت میں یکساں کیفیت نہیں ہوتی۔ کبھی اس کی آنچ مدھم ہوتی ہے۔ اسوقت آدمی اپنے اوپر بھی نظر رکھتا ہے، محبوب کی بھی رعایت کرتا ہے، غیروں کی نگاہوں کو بھی دیکھتا ہے لیکن جب اس میں ترقی ہوتی ہے اور آنچ بڑھتے بڑھتے چنگاری اور پھر شعلہ بن جاتی ہے۔ تو اپنا وجود، اپنی خواہشات، اپنے تقاضے اور دوسروں کی نگاہوں کا لحاظ سب کچھ جل جاتا ہے۔ صرف محبوب کا وجود ہوتا ہے۔ اور اپنی نگاہوں کا جلوہ ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں محبّ وعاشق بالکل یکسو ہو جاتا ہے۔ اس کی نگاہوں کے سامنے ایک جلوہ محبوب کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور اس کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

محبت کی یہ کیفیت طالب صادق کو اپنے شیخ کے ساتھ پیدا ہوتی ہے پھر جوں جوں اس میں لطافت بڑھتی جاتی ہے اس کا بہاؤ رسول اللہ ﷺ اور پھر حق تعالیٰ کی بارگاہ عالی کی طرف ہو جاتا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ و رسول کی محبت اس سے پہلے تھی ہی نہیں بلکہ وارفتگی اور جوشش عشق و محبت کی یہ کیفیت کہ تمام اغیار عاشق کے دل و دماغ اور فکر نظر سے محو ہو جائیں۔ یہ چیز شیخ سے ربط کے بغیر حاصل ہونا دشوار، قریب ناممکن کے ہے

اس کیفیت کے حصول کے بعد یہ حالت ہوتی ہے:-

ہمہ شہر پر ز خوباں، منم و خیال ماہے
چہ کنم کہ چشم بد بیں نکند بکس نگاہے

سارا شہر خوبرویوں سے بھرا پڑا ہے لیکن میں ہوں اور ایک چاند کا تصور ہے میں کیا کروں کہ میری نگاہ کسی پر ٹھہرتی ہی نہیں۔

اور:-

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

میں دنیا میں بہت پھرا ہوں، بتوں کی محبت بہت اختیار کی ہے بہت سے محبوبوں کو میں نے دیکھا ہے لیکن تو کچھ اور ہی شے ہے۔

دنیا کی تمام چیزیں تعلقات، ضرورتیں، خواہشات، دوستیاں یہ سب مختلف بت ہیں جو انسانوں کو اپنے دام میں گرفتار رکھتے ہیں لیکن اللہ کے واسطے جب کوئی محبت غلبہ کرتی ہے تو محبّ کے دل کی آواز یہی ہوتی ہے کہ کثرت کا جلوہ خوب دیکھ چکا ہوں۔ کیسی کیسی محبوب و دلکش چیزوں میں گرفتار رہ چکا ہوں لیکن سب کے بعد تجھے دیکھتا ہوں تو کچھ اور ہی عالم نظر آتا ہے۔

اس کیفیت کا ایک قصہ حاجی گلاب دین سومرو سناتے ہیں کہ:-

”حضرت والا نے خود فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت امروٹی تھریچانی تشریف لائے مجھے خبر ہوئی تو زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ پہلے خلیفہ عبدالعزیز (جو کہ حضرت امروٹی کے خلفاء میں تھے) کی خانقاہ میں حاضر ہوا۔ معلوم ہوا کہ حضرت امروٹی کسی کے یہاں دعوت میں تشریف لے گئے ہیں۔ میں انتظار میں اسی گلی میں جس میں حضرت کو آنا تھا، بیٹھ گیا۔ جب حضرت تشریف لائے تو حضرت امروٹی سے میں نے مصافحہ کیا حضرت کی محبت کا ایسا غلبہ تھا اور میں اس قدر مستغرق تھا کہ مجھے کسی اور کی خبر نہ ہوئی۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ میرے بھائی ہیں۔ (حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری خلیفہ اول حضرت حافظ محمد صدیق صاحب بھرچونڈی) ان سے مصافحہ کرو پھر میں نے حضرت سے مصافحہ کیا۔“

مرشد کا اعتماد:

اس مناسبت اور قلبی تعلق کا اثر یک طرفہ نہ تھا۔ حضرت امروٹی علیہ الرحمۃ اپنے مرید کی اس قلبی کیفیت کو جانتے تھے۔ ان کے دل میں حضرت والا پر ایک خاص اعتماد تھا۔ آپ اپنے بہت خصوصی کاموں کی خدمت حضرت اقدس ہالیجوی کے سپرد کرتے تھے۔ اور جب ضرورت ہوتی بے تکلف انہیں طلب کر لیتے اور یہ بھی بے عذر حاضر ہو جاتے اور تمام ضروریات کو بے تکلف قربان کر دیتے اور پھر واپسی کی اجازت بھی نہ چاہتے حضرت امروٹی خود ہی اجازت دیتے تو جاتے۔

صوفی محمد صالح کا بیان ہے کہ حضرت امروٹی کو انگریزوں نے زہر دلوایا تھا اور اس زہر کا اثر آخری عمر تک تھا۔ اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے آپ دوائیں بنایا کرتے تھے۔ چونکہ حضرت ہالیجوی، حضرت امروٹی کے معتمد تھے اس لئے دوا سازی کی خدمت انہیں کے سپرد تھی۔ دو دو تین تین مہینے تک دواؤں کو جوش دینا پڑتا تھا۔ یہ خدمت حضرت ہالیجوی خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے۔

باب نمبر ۵

محبت رسول ﷺ اور اتباع سنت

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ سالک کے قلب پر اولاً شیخ کی محبت کا غلبہ ہوتا ہے پھر یہی محبت جب زیادہ لطیف اور طاقتور ہوتی ہے تو اس کا تعلق ذات نبوی علیہ الصلوٰۃ و السلام سے ہو جاتا ہے۔ اور شیخ کی محبت بھی کم نہیں ہوتی بلکہ اب اس میں ممنونیت کا عنصر شامل ہو جاتا ہے۔ شیخ کا قلب چونکہ نبی ﷺ کی محبت سے پہلے ہی سے معمور اور لبریز ہے اس لئے جب اس کی نسبت مرید سعید کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو اس کی استعداد اور ظرف کے مطابق شیخ کے تمام باطنی احوال اس کے قلب و باطن میں جذب ہو جاتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ شیخ کا دامن پکڑا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل محبت دل میں جاگزیں ہو جائے۔

پہلے کہیں گزر چکا ہے کہ حضرت اقدس کو نبی کریم ﷺ کی محبت اس قدر تھی کہ حدیث پڑھاتے تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی۔ یہ اثر اسی جذبۂ محبت کا تھا، مشہور شیخ طریقت عارف کامل حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید قدس سرہٗ کا شعر ہے:-

الٰہی درد و غم کی سرزمیں کا حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی

تو یہ محبت ہی کا اثر ہوتا ہے کہ دل اور آنکھیں بادوباراں بن جاتی ہیں۔ اسی محبت کا اثر تھا کہ دیار پاک حرمین شریفین سے حد درجہ عشق تھا اور وہاں کا بے حد احترام فرماتے تھے۔ صاحب تجلیات فرماتے ہیں کہ:-

”احقر جب زیارت حرمین شریفین کے لئے روانہ ہوا تو اجازت کے لئے حضرت والا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا بعد اجازت بتاکید فرمایا کہ دیار حبیب میں کسی چیز کو حقیر مت سمجھنا اور کسی شخص کو اپنے سے کمتر نہ جاننا کیونکہ دیار حبیب کے

رہنے والے ہم سب سے بہتر ہیں۔“ (تجلیات شیخ ہالیجوی ص ۴۶)

کھجوروں کے موسم میں حضرت کے خدام بطور ہدیہ کھجور لا کر پیش کرتے تھے۔ آپ فرماتے کہ کھجوریں کھاؤ اور خود بھی تناول فرماتے اور ارشاد ہوتا۔ یہ میوہ محبوب ترین میوہ ہے۔ اس لئے کہ دیار حبیب میں بھی پیدا ہوتا ہے اور اہل جماعت میں تقسیم فرماتے۔

اتباع سنت:

اسی محبت نبوی کا ثمرہ تھا کہ آپ سنتوں کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے مستحبات تک کا ترک کرنا گوارہ نہ تھا۔ اپنے مریدین و متوسلین کو بھی اس کی تاکید بلیغ فرماتے تمام اعمال میں سنت کا خود اہتمام کرتے اور اپنے متعلقین کو بھی تاکید فرماتے۔ بالخصوص بدعات و خرافات سے بچنے کی بہت تاکید فرماتے۔

مسجد میں پہلے دایاں پاؤں داخل کرنا مسنون ہے اور جوتے سے پہلے بایاں پاؤں نکالنا مستحب ہے۔ اسی طرح مسجد سے نکلتے ہوئے ابتداء بایاں پاؤں نکالنا مسنون ہے لیکن جوتا یا چپل پہلے دائیں پاؤں میں پہننا اولیٰ ہے عموماً ان دونوں سنتوں کو لوگ جمع نہیں کر پاتے۔ کبھی جوتے سے پہلے دایاں پاؤں نکالتے ہیں یا کبھی مسجد میں ابتداً بایاں پاؤں داخل کر دیتے ہیں۔

حضرت نے زندگی بھر اس کا اہتمام کیا کہ، مسجد میں داخل ہوتے تو پہلے بایاں پاؤں جوتے سے نکال کر اس پر رکھ لیتے پھر دایاں پاؤں جوتے سے نکال کر مسجد میں درود اور دعا پڑھتے ہوئے داخل کرتے اور جب نکلنا ہوتا تو پہلے بایاں پاؤں نکال کر جوتے پر رکھ لیتے، پھر دایاں پاؤں نکال کر جوتا پہنتے۔

اخیر عمر میں صرف ایک دانت باقی رہ گیا تھا مگر مسواک کی پابندی فرماتے۔ جب بھی کوئی ملاقات کے لئے حاضر ہوتا تو مصافحہ و معانقہ فرماتے، نام و قوم اور وطن دریافت فرماتے اور خیریت معلوم کرتے کیونکہ یہ مسنون طریقہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ۔

”اذا اٰخی الرجل، الرجل فلیساله عن اسمه واسم ابیه وممن هو فانه اوصل للمودة.“ (ترمذی شریف ابواب الزھد ص ۶۵ ج ۲)

جب آدمی کسی سے تعلق پیدا کرے تو چاہیئے کہ اس کا نام، اس کے والد کا نام پوچھ لے اور یہ کہ وہ کس قبیلے اور وطن کا ہے۔ اس سے محبت کامل ہوتی ہے۔

حضرت اقدس کا اس حدیث پر دائماً عمل تھا۔ اس سے ملاقات کرنے والے کو انس ہوتا ہے۔ اس کو بے اعتنائی اور اعراض کی کوئی شکایت نہیں ہوتی۔ یہ کام بظاہر تو، معمولی سا ہے اور آسان بھی محسوس ہوتا ہے لیکن جن لوگوں کے یہاں ملاقاتیوں کا ہجوم ہو اور آدمی مختلف اغراض لے کر آتے ہوں ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اس عمل کو نباہنا کرامت سے کم نہیں ہے۔ آگے آپ پڑھیں گے کہ ملاقاتیوں اور صاحبان اغراض کے ہجوم میں بھی حضرت اقدس ہر ایک کی بات سنتے تھے، ہر ایک کو اس کے مزاج کے مطابق تشفی بخش جواب دیتے تھے اور ہر ایک کی جانب مکمل التفات فرماتے تھے۔

سندھ میں رواج ہے کہ جب کسی بزرگ یا عالم یا دنیاوی اعتبار سے کسی بڑے آدمی سے ملاقات کرتے ہیں تو سر کو جھکا لیتے ہیں اور اس کے پیر پر ہاتھ رکھتے ہیں، اس کے بعد مصافحہ کرتے ہیں۔ چونکہ یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے اس لئے حضرت والا اس کو سختی سے منع فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ متوسلین میں سے کسی نے عرض کیا کہ فلاں نے بستی میں گانے والی کو بلایا تھا اور سماع وغنا کی مجلس منعقد کی تھی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ لوگ اس قسم کی بدعات اور سماع کی مجلس سے گمراہ ہوتے ہیں۔ قرآن کی تعلیم سے لوگ ہدایت پاتے ہیں اور صراط مستقیم پر فائز ہوتے ہیں اور قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ۔

”اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ“

بے شک یہ قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے۔

محفل سماع کے بارے میں حضرت کا ارشاد:

صاحب تجلیات شیخ ہالیجوی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ یہ احقر اور میرے رفیق حاجی گلاب دین حضرت والا کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے، رات کو جیکب آباد پہونچے، راستہ میں کسی جگہ مجلس سماع منعقد تھی، قوال گا رہا تھا۔ حاجی صاحب، موصوف نے فرمایا کہ قوالی میں مجھے مزہ آتا ہے آخر اس کا سبب کیا ہے؟“ میں نے کہا حضرت والا کی خدمت میں حاضری ہو رہی ہے وہیں یہ مسئلہ پیش کر کے حل کیا جائے گا۔

حضرت والا کی خدمت اقدس میں حاضری ہوئی اور چند دن قیام بھی رہا، مگر وہ مسئلہ پیش نہ ہو سکا اتفاقاً میں موجود نہ تھا۔ حاجی گلاب دین مجلس شریف میں حاضر تھے۔ صندلی (ایک تخت نما جس میں دو درازیں تھیں) پر ایک بیاض رکھی ہوئی تھی حضرت والا نے اس کو اٹھایا اور اس کو دیکھا تو اس میں غزل لکھی ہوئی تھی

حضرت والا نے سوال فرمایا کہ ”یہ بیاض کس کی ہے؟“

ایک شخص نے عرض کیا ”میری ہے“

آپ نے فرمایا ”تم غزل کہتے ہو۔“

اس نے عرض کیا ”جی غزل کہتا ہوں۔“

حضرت والا نے فرمایا کہ ”جب مجلس سماع منعقد ہوتی ہے اور گانا بجانا اور قوالی شروع ہو جاتی ہے تو بعض جاہل صوفی کہتے ہیں کہ مجھے سماع میں بڑا مزہ آتا ہے اور لطائف جاری ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ محفل سماع وسرود مجالس بدعت اور محافل شیطان ہیں۔ شیطان آ کر دونوں کاندھوں پر سوار ہو جاتا ہے اور دائیں پیر کی ایڑی لطیفہ روح پر اور بائیں پیر کی ایڑی لطیفہ قلب پر مارتا ہے۔ جاہل صوفی سمجھتا ہے کہ لطائف جاری ہو گئے۔“

لطائف کی تحقیق:

حضرات اہل سلوک کی تحقیق ومکاشفہ کے مطابق انسان کا جسم مادی جس طرح آگ، پانی، مٹی اور ہوا کی آمیزش سے تیار ہوا ہے اسی طرح اس میں کچھ غیر مادی اور لطیف عناصر بھی ہیں جن کا تعلق انسان کی روحانیت سے ہے۔ آدمی ان کی تربیت اور نگاہداشت سے غافل ہوتا ہے اور ان کی غذا و دوا کا اہتمام نہیں کرتا، بلکہ صرف جسم کو سب کچھ سمجھ کر اسی پر محنت کرتا ہے۔ تو یہ روحانی عناصر فنا ہوکر ہم رنگ مادہ وعناصر ظاہری ہوجاتے ہیں لیکن جب ان کی خاص طریقے پر تربیت کی جاتی ہے تو ان عناصر میں نورانیت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ ذاکر ہوجاتے ہیں۔ ان روحانی عناصر کا تعلق اور ارتباط عالم غیب سے ہوتا ہے۔ ان پر غیبی تجلیاں منعکس ہونے لگتی ہیں انہیں روحانی عناصر کو حضرات مشائخ صوفیہ کی اصطلاح میں ’’لطائف‘‘ کہتے ہیں۔

حضرات مشائخ قادریہ کی تحقیق کے مطابق بدن انسانی میں کل چھ لطائف ہیں۔ پانچ کا تعلق خالص روحانیت سے، اور ایک کا تعلق مادی عناصر کے مجموعہ سے ہے۔ ان لطائف میں سے ہر ایک کا نام اور ان کی مرکزی جگہ متعین ہے۔

خالص روحانی لطائف یہ ہیں:

لطیفہ قلب، لطیفہ روح، لطیفہ سر، لطیفہ خفی اور لطیفہ اخفی اور مادی عناصر سے تعلق رکھنے والا لطیفہ نفس ہے۔

لطیفہ قلب کا محل بائیں پستان سے دوانگشت نیچے ہے اور لطیفہ روح کا محل دائیں پستان سے دوانگشت نیچے ہے۔ لطیفہ سر ان دونوں کے درمیان ہے۔ لطیفہ خفی پیشانی کے وسط میں ہے لطیفہ اخفیٰ سر کے تالو میں ہے۔ اور لطیفہ نفس ناف کے نیچے متصلاً ہے۔ سالک ان چھ لطائف کو ذکر کے نور سے منور کرلیتا ہے تو اس کا پورا وجود ذاکر ہوجاتا ہے اور اگر ان میں ذکر کا نور نہ ہو تو وہ شیطان کا کھلونا بن جاتے ہیں۔

اسی لئے حضرت نے فرمایا کہ محفل سماع میں جب قوالی شروع ہوتی ہے تو وہاں شیطان کا اثر ہوتا ہے اور وہ دونوں مونڈھوں کے اوپر سوار ہوکر دائیں پیر کی ایڑی سے

لطیفہ روح پر اور بائیں پیر کی ایڑی سے لطیفہ قلب پر مارتا ہے اس سے دونوں میں حرکت پیدا ہوجاتی ہے اور جاہل سمجھتا ہے کہ یہ روحانی حلاوت اور لذت ہے۔ حلانکہ یہ محض شیطان کا دھوکہ ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ لوگ داڑھی منڈاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ لوگوں کی نظر میں اچھا لگتا ہوں۔ حالانکہ میرے پاس باریش اور بے ریش دونوں طرح کے لوگ آتے ہیں۔ مجھے باریش حضرات بے ریش لوگوں سے بہت اچھے نظر آتے ہیں۔

صاحب تجلیات فرماتے ہیں یہ احقر پچیس سال تک حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا مگر کبھی نہیں دیکھا کہ سماع کی مجلس منعقد ہوئی ہو۔ اگرچہ بغیر مزامیر کے ہی سہی اور نہ ہالیجی شریف کی بستی میں کبھی مجلس سماع ہوتے دیکھا۔

سندھ میں دستور ہے کہ شادی میں عورتیں گانا بجانا کرتی ہیں اور غمی میں نوحہ و زاری کرتی ہیں۔ لیکن ہالیجی شریف میں یہ کبھی نہیں دیکھا گیا حضرت والا کی برکت سے دوسری رسوم جاہلیت بھی یہاں نہیں ہوتیں۔

بدعت سے حضرت اقدس کو نہایت نفرت تھی۔ آپ فرماتے تھے کہ بدعتی جناب نبی کریم ﷺ کی توہین کرتا ہے۔ اس لئے کہ جب کوئی نیا کام دین میں نکالتا ہے تو زبان حال سے دعویٰ کرتا ہے کہ یہ نیکی جناب نبی کریم ﷺ سے رہ گئی ہے۔ آپ نے امت کو یہ نیکی نہیں سکھائی۔ گویا کہ دین مکمل نہیں ہوا تھا۔ اب یہ مکمل کر رہا ہے اور جس نبی کا دین مکمل نہ ہو تو وہ نبی کامل کیونکر ہوسکتا ہے۔ اس طرح بدعتی جناب نبی کریم ﷺ کی توہین کرتا ہے۔ (تجلیات شیخ ہالیجوی ص ۱۲۵)

حضور اکرم ﷺ کی زیارت:

حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھ کر ذکر میں مشغول تھا کہ سرکار دوعالم ﷺ تشریف لائے اور مجھ کو اپنے دونوں بازوؤں میں لے لیا۔ اس کے بعد مسجد کے باہر تشریف لے چلے، میں بھی ساتھ میں تھا جب دروازہ

کے قریب پہونچے تو میں نے عرض کیا۔

”حضور والا میں کچھ لاتا ہوں۔ آپ نوش فرمائیں۔“

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ ”مولوی صاحب مجھے کھانے کی حاجت نہیں۔“

پھر دروازے سے باہر تشریف لائے اور اس گلی میں جو قدیم مسجد کے مشرق جانب تھی، اس میں داخل ہو کر شمال کی جانب روانہ ہوئے اور چلتے وقت ”السلام علیکم“ فرماتے ہوئے نظروں سے غائب ہو گئے۔ اس طرح کی زیارت کا تعلق عالم مثال سے ہے، جسے عالم برزخ بھی کہتے ہیں، یہ آنکھوں کی دید نہیں، بلکہ کشف ہے، اولیاء امت پر یہ عالم گاہ گاہ منکشف ہوتا ہے اور انبیاء وصالحین کی ارواح طیبہ سے ملاقات ہوتی ہے اس عالم کی تحقیق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی کتاب حجتہ اللہ البالغہ میں مفصل دلائل کے ساتھ مذکور ہے اور اس طرح کے احوال و واقعات اور دید و زیارت کی کیفیات شاہ صاحب نے انفاس العارفین میں بھی تحریر فرمائی ہیں۔

باب نمبر۶

محبت الٰہی اور توحید میں رسوخ

شیخ کے دامن سے وابستگی اور رسول اللہ ﷺ کی محبت، ان کے اتباع اور ان پر ایمان لانے کا حاصل یہ ہے کہ بندے کا تعلق اپنے رب سے درست اور استوار ہو جائے۔ ان کی محبت حاصل ہو جائے۔ خدا کی جناب میں جیسا عقیدہ ہونا چاہیئے وہ پیدا ہو جائے اور ان کی اطاعت وعبادت کا سلیقہ معلوم ہو جائے۔ اگر یہی نہ ہو تو نہ تعلق شیخ لائق اعتبار ہے اور نہ محبت نبوی کا دعوی درخور اعتنا ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

”قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ“

تم کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے اور تمہاری مغفرت فرما دیں گے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔

اس آیت میں یہ بات صراحتاً کہی گئی ہے کہ اتباع نبوت کا مقصد محبت الٰہی کا حصول ہے اگر کسی نے اتباع نہیں کیا تو اسے محبت الٰہی نہیں حاصل ہو سکتی ہے۔ خواہ اس کا دعویٰ کتنا ہی پر شور ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت اور آپ کا اتباع، اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کے لئے لازم ہے، دونوں میں سے کسی کا حصول دوسرے کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی بناء پر گو کہ اتباع نبوت وسیلہ و ذریعہ ہے لیکن چونکہ اس کے بغیر رضاء الٰہی کے حصول کی کوئی صورت نہیں ہے اس لئے وہ بذات خود بھی مطلوب ہے۔ ان دونوں کو ساتھ لے کر چلنا اور ان کو پورے طور سے نباہ دینا۔ انسانیت کی معراج کمال ہے۔

بزرگوں کی ساری زندگی اسی جام وسنداں باختن میں گزرتی ہے محبت و عشق کی شورش و والہیت آدمی کو حدود و قیود کی بندشوں سے باہر نکال دینا چاہتی ہے مگر یہاں اس کی مطلقاً اجازت نہیں ہے دل میں حق تعالیٰ کی محبت خواہ کتنے ہی جوش وخروش سے

ہو مگر دستورِ سنت سے باہر قدم نکالنے کی بالکل اجازت نہیں ہے۔ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھیؒ کا شعر ہے

اگر آزاد ہم ہوتے خدا جانے کہاں ہوتے
مبارک عاشقوں کے واسطے دستور ہو جانا

یہ دستور کیا ہے؟ قرآن و سنت کا اتباع، رسول اللہ ﷺ کے نقشہائے قدم کی پیروی، اگر یہ نہ ہو تو محض عشق کی سرمستی نہ جانے آدمی کو کہاں پہنچا دے۔ حضرت پرتاپگڈھی علیہ الرحمۃ اس کی مزید وضاحت فرماتے ہیں۔

بھٹک کے منزل جاناں سے دور جا پہنچے
جو جوشِ عشق میں جذبات کو دبا نہ سکے

جذبات دبانا یہی ہے کہ آدمی راہ سنت سے انحراف نہ کرے۔ لیکن سنت نبوی کے اتباع میں جو محبت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ وہ دنیا کی لطیف تر شے ہے۔ یہی محبت سرمایہ دل ہے۔ متاع جان ہے، حاصل زندگی ہے، روح کائنات ہے، رونق حیات ہے، یہ نہیں تو کچھ نہیں، پھر وہ دل نہیں پتھر ہے، جان نہیں جماد ہے، زندگی نہیں موت ہے، کائنات نہیں معدوم ہے، حیات نہیں ممات ہے۔ اس کو حدود و قیود کی پابندی کرنی ہوگی، مگر وہ رہے ضرور، اس کا اثر جسم پر، قلب پر، زبان پر، اطوار پر، اوضاع پر اور عادات پر ظاہر ہو۔

خدا کی محبت سے اگر کوئی تہی دامن رہا تو اس نے کیا پایا؟ کاہے کو زندہ رہا، اور کیوں مرا؟ یہ سب سوالات لاینحل ہو کر رہ جائیں گے۔ اس کا جینا، اس کی محنت و کاوش، اس کا بھاگنا دوڑنا اور پھر مرجانا سب بے معنیٰ ٹھہرے گا۔

آدمی نے اپنی عقیدت کا دامن نبی کی ذات سے باندھا اور اس کے لئے شیخ کے تعلق کو واسطہ بنایا۔ کیوں؟ اسی لئے تو کہ جو کائنات کا خالق ہے، سب کا رب ہے، جسکے ہونے نے ہم کو ہست و بود کا لباس پہنایا ہے، جس کے احسان کی گواہی ہمارا رواں رواں دے رہا ہے، جس کے ایک اشارۂ لطف و کرم پر ہماری جان بلکہ ساری

کائنات قائم ہے، اس کا گوشۂ چشم ہم پر ملتفت ہو جائے۔ پھر اگر یہی نہیں پایا تو کیا پایا؟

بزرگوں کے پاس حاضری، ان کی جوتیوں کی خاک بننے سے یہی دولت گرانمایہ اور نعمت لازوال حاصل ہوتی ہے۔ حضرت اقدس امروٹ شریف کی خانقاہ میں یہی دولت حاصل کرنے گئے تھے۔ مجاہدات کرتے رہے، نفس کو کوٹتے رہے، پیستے رہے، بہت سی کتابیں پڑھ چکے تھے، بہت کچھ پڑھا چکے تھے، لیکن کوئی کمی تھی جو انہیں آستانۂ شیخ پر کھینچ کھینچ کر لے جاتی رہی۔

حضرت والا فرماتے ہیں۔

سنئے اور ایک سچے مومن، صادق القول بندے کا اعتراف و اقرار ملاحظہ فرمایئے۔ پھر ان بے خبران راہ کے دعویٰ علم و آگہی سے موازنہ کیجئے جو درد عشق سے خالی ہیں جو دل نہیں اپنے سینے میں سنگ و خشت رکھتے ہیں چند حروف کی سیاہی اپنی آنکھوں میں اتار کر نور قلب کے مدعی ہیں، ہائے کیا وقت آ گیا ہے کون کہے اور کس سے کہے۔

اقبال مرحوم نے درد عشق کو خطاب کر کے کہا ہے:-

یہ دور نکتہ چیں ہے کہیں چھپ کے بیٹھ رہ
جس دل میں تو مکیں ہے وہیں چھپ کے بیٹھ رہ

بیچارے اقبال کے دور میں نکتہ چینی کم تھی اور اس کا لہجہ مدھم تھا۔ اب تو نکتہ چینی نہیں طعنہ زنی ہے۔ دشنام طرازیٔ بدعت ہے اور بابانگ دہل ہے اور واقعی درد عشق چھپ کے بیٹھ گیا ہے اور جب وہ دل رخصت ہو جاتا ہے، جس میں چھپ کے بیٹھا تھا تو اس درد کا قافلہ اور مختصر ہو جاتا ہے۔

بہرکیف بہت کچھ پڑھنے اور پڑھانے کے بعد حضرت اقدس کا ذمہ دارانہ اعتراف ملاحظہ فرمایئے۔

ازسرنو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے:

حاجی گلاب دین سومرو نقل کرتے ہیں کہ حضرت والا ایک مرتبہ خلیفہ عبدالعزیزؒ صاحب (جو حضرت امروٹی کے خلفاء میں سے تھے) کے ساتھ بستی چوک میں مولوی عبدالوہاب صاحب کے یہاں تشریف لائے، بعد نماز ظہر فقیر محمد عمر (جو حضرت امروٹی کے مرید خاص تھے) اور میں حضرت والا کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ہم نے کتابیں، الماریاں پڑھیں اور پڑھائیں اور مطالعہ کیا۔ مگر جب حضرت امروٹی کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو کلمہ ''لا الہ اللہ محمد رسول اللہ'' ازسرنو پڑھ کر مسلمان ہوئے۔ (تجلیات شیخ ہالیجوی ص ۱۲۶)

اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب تک خدانخواستہ کفر پر رہے۔ بلکہ کلمہ پڑھ کر محبت خداوندی اور جذبہ اطاعت وانقیاد کی جو کیفیت ہونی چاہیئے اور وہ حالت جسے حدیث جبریل میں ''احسان'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے محروم اور تہی دست تھے۔ حضرت امروٹی کی خدمت میں آکر وہ کیفیت نصیب ہوئی اس کی لطیف تعبیر اور موئثر ترغیب یہ ہے کہ کلمہ ازسرنو پڑھ کر مسلمان ہوئے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا ارشاد:

اس مضمون کو حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ ایک عام فہم انداز میں بیان فرماتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب ارشاد الطالبین میں تحریر فرماتے ہیں۔ جسے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ نے اس کے ترجمہ ''تحفہ السالکین'' سے نقل کیا ہے۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ:-

''بے شمار لوگوں کی ایک جماعت جن کا جھوٹ پر متفق ہونا عقل محال سمجھتی ہے اور وہ اس قسم کی جماعت ہے کہ اس کا ہر فرد بشر، تقویٰ وعلم کے باعث ایسا درجہ رکھتا ہے کہ اس پر جھوٹ کی تہمت لگانا جائز نہیں ہے۔ زبان قلم سے اور قلم زبان سے خبر دیتی ہے کہ ہم کو مشائخ کی صحبت کی وجہ سے جن کی صحبت کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے عقائد حقہ اور فقہ کے سوا جن سے وہ ان کی صحبت سے پیشتر بھی بہرہ یاب تھے باطن میں ایک نئی حالت پیدا ہوگئی ہے اس حاصل شدہ حالت سے ان کے دل میں خدا اور خدا کے دوستوں سے محبت اور اعمال صالحہ کا شوق اور نیکیوں کی توفیق اور سچے اعتقادات اور زیادہ راسخ ہوگئے ہیں۔ یہی حالت ہے جس کو کمال کہنا چاہیئے اور یہی حالت بہت سے کمال کی موجب ہے''

(مجموعہ تالیفات مصلح الامت ج ۱، ص ۲۱ بحوالہ تحفۃ السالکین ص ۴)

یہ شہادت، یہ اعتراف ایک امر واقعہ ہے۔ جس کو جھٹلانا بدنصیبی ہے اور جس سے اعراض کرنا محرومی ہے۔ گو زمانہ بہت نکتہ چیں ہے لیکن اس کی نکتہ چینی کی وجہ سے حقائق نہیں بدلیں گے۔

کتابی تعلیم کے بعد شیخ کی خدمت میں مجاہدہ وریاضت کرتے رہے۔ بالآخر دولت احسان سے مالا مال ہوئے۔ اتباع شریعت وسنت میں رسوخ کی وجہ سے ہمیشہ قدم پھونک کر رکھا۔ احتیاط کا پہرہ ہمیشہ بٹھا کر رکھا مگر قندیل جب روشن ہوجاتی ہے تو اس کی روشنی در و دیوار تک کو منور کردیتی ہے۔ آدمی نشہ پیتا ہے تو اس کے پورے وجود پر مستی چھا جاتی ہے۔ ایسے ہی دل میں جب محبت الٰہی اترتی ہے تو رنگ ہی کچھ اور ہوجاتا ہے۔

خواجہ نصیرالدین محمود چراغ دہلویؒ کا واقعہ:

خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ مدت جنگل میں کٹیا بنا کر عبادت وریاضت میں گزاری ہے تن تنہا ہو کے عالم میں، اللہ اللہ کے آوازہ سے زمین وآسمان کے درمیاں گونج پیدا کیا کرتے تھے۔ اتفاقاً ادھر ایک سادھو آنکلا اس کا چیلا بھی اس کے ساتھ تھا اور شیخ کی کٹیا سے کچھ فاصلے پر اس نے اپنا منڈپ بنایا۔ وہ بھنگ پینے کا عادی تھا اس کا چیلا اس کے لئے بھانگ کا انتظام کرتا تھا۔ ایک روز رات آدھی

سے زیادہ گزر چکی تھی اس نے اپنے چیلے سے کہا کہ بھانگ لاؤ چیلے نے تھیلا ٹٹولا تو بھانگ نہ تھی اسے خیال نہیں رہا کہ دن ہی میں انتظام کر لیتا۔ بولا گرو جی بھانگ نہیں ہے۔ گرو نے للکارا ابھی جا اور کہیں سے انتظام کر کے لے آ۔

وہ غریب حیران و پریشان بھانگ کی فکر میں اندھیری رات میں آسیب گم گشتہ کی طرح چکرا رہا تھا۔ ناگاہ اس کی نگاہ حضرت چراغ کی کٹیا پر پڑی، وہاں چراغ جل رہا تھا اس کی جان میں جان آئی کہ شاید یہاں بھانگ مل جائے۔ قریب آ کر اس نے پکارا بھانگ ملے گی؟ آواز آئی ملے گی۔ بولا گرو جی کے لئے چاہیئے۔ پھر آواز آئی کہ لے جانے کے لئے نہیں ملے گی۔ یہیں پلائی جائے گی۔ اگر چاہو تو پی لو اس پر بھی نشہ سوار تھا اس نے کہا لاؤ پلاؤ۔ حکم ہوا، تالاب میں نہا دھو کر آؤ۔ وہ نہا کر آیا۔ ایک نگاہ برق انداز اس پر ڈالی۔ وہ مدہوش ہو گیا فرمایا آؤ پلاتے ہیں یہ کہہ کر اسے کلمہ پڑھایا، اللہ کی محبت میں غوطہ دیا، اب اس کا رنگ بدل گیا۔ اس کی دنیا بدل گئی۔ فرمایا اب جاؤ اپنے گرو کے پاس جاؤ۔ وہ وہاں پہنچا گرو نے دیکھا کہ نہ وہ چہرہ ہے، نہ وہ آنکھ ہے اور نہ وہ روح و قلب ہے۔ اس نے دیکھتے ہی للکارا ارے نالائق میں نے تجھے بھانگ لینے کے لئے بھیجا تھا تو تو پی کر آ رہا ہے۔ اس نے کہا گرو جی چلو تمہیں بھی پلا دوں۔ اس نے کہا چل۔ پھر اس نے بھی اپنا سر چراغ دہلی کے قدموں پر رکھ دیا۔

تو محبت ابلتی ہے، زور کرتی ہے، اس کی آگ وجود انسانی کو گرم رکھتی ہے۔ حضرت اقدس کی تمام احتیاطوں اور ضبط کی بندشوں کے باوجود چھلکی پڑتی تھی۔ چونکہ آپ کے قلب مبارک میں دریائے عشق و محبت موجزن تھا۔ اس لئے کبھی کبھی اس کی لہر سینۂ مبارک سے باہر نکلتی اور نہایت دردناک انداز میں خاص لہجہ میں اشعار محبت پڑھتے بالخصوص ابن فارض کا یہ شعر اکثر پڑھتے:-

شر بنا علی ذکر الحبیب مدامة
سکر نا بها من قبل ان یخلق الکرم

یادِ محبوب کی شراب پی کر ہم اسی وقت مست و سرشار ہو چکے تھے۔ جب کہ ابھی

انگور عالم وجود میں آیا بھی نہ تھا۔

حضرت والا سندھ کے رہنے والے تھے۔ سندھی زبان کے اشعار بھی آپ کی زبان پر جاری ہوتے۔ ان سطور کا لکھنے والا سندھی زبان کی ابجد سے بھی ناواقف ہے۔ اس کے الفاظ کا تلفظ بھی نہیں کر سکتا۔ صاحب تجلیات شیخ ہالیجوی نے دو شعر نقل کئے ہیں۔ میں یہاں ان کا صرف مفہوم تحریر کر دیتا ہوں:-

''اشرف تیری عمر بیکار ضائع ہو رہی ہے۔ عشق و محبت کے سوا سب کچھ خاک ہے۔ اشرف صرف ایک محبت کا بوجھ اٹھا باقی سب بوجھ زمین پر اتار پھینک''

کبھی کبھی طالبان حق کی تنبیہ کے لئے حضرت رومیؒ کے یہ اشعار پڑھتے:-

جہد کہن تا تو بہ چشم دل عیاں روئے یار خویش بینی در جہاں
ہر کہ روئے یار در دنیا ندید کے بخواہد دید در عقبیٰ اے مرید

کوشش کرو کہ دل کی آنکھوں سے دوست کے چہرے کو اسی دنیا میں دیکھ لو۔ جس شخص نے محبوب کو اس دنیا میں نہیں دیکھا آخرت میں کیونکر دیکھے گا۔

کبھی مثنوی مولانا روم سے مجنوں کا واقعہ نقل فرماتے:-

دید مجنوں را یکے صحرا نورد
در بیابان غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود و انگشتاں قلم
می نمودے نام لیلی را رقم
گفت اے مجنون شیدا چیست ایں
می نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشق نام لیلیٰ می کنم
خاطر خود را تسلی می دہم

ایک صحرا نورد نے مجنون کو دیکھا کہ وہ اپنے بیابان غم میں سر جھکائے تن تنہا بیٹھا ہے اور ریت کو کاغذ اور انگلیوں کو قلم قرار دے کر لیلیٰ کا نام لکھ رہا ہے۔ اس نے پوچھا

کہ اے عاشق مجنوں یہ کیا ہے؟ کس کے لئے یہ خط لکھا ہے۔ بولا میں لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں اور اس طرح اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں۔

پھر فرماتے ہیں۔

عشق مولی کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بہر اوولیٰ بود

مولیٰ کا عشق لیلیٰ کی محبت سے کمتر کیوں ہو۔ محبوب حقیقی کے لئے گیند بن جانا بہتر ہے کہ جدھر چاہیں لے جائیں۔

عبادت وریاضت:

محبت الٰہی کی آگ جب دہکتی ہے اور اس کی گرمی باطن کو جلاتی پھونکتی ہے تو اپنے نکلنے کے لئے وہ راستہ تلاش کرتی ہے۔ اس کے نکلنے کا سب سے بہتر راستہ وہی ہے جو رسول کریم ﷺ نے امت کو بتایا اور خود برتا ہے۔ حدیث میں یہ تذکرہ ملتا ہے کہ آپ راتوں کو محبت الٰہی میں بیقرار ہو کر اٹھتے اور فرماتے عائشہ مجھے چھوڑو، میں اپنے رب کی عبادت میں لگوں۔ پھر حق تعالیٰ کے حضور میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ان کے کلام کی تلاوت کرتے، آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھ جاتا، ہچکی سے بیتاب ہو جاتے، سینے سے ایسی آواز آتی جیسے ہانڈی جوش کھا کر ابلتی ہو، لمبا قیام کرتے، طویل رکوع و سجود کرتے۔ اللہ کی یاد جس سے قلب اطہر معمور تھا اس سے زبان کو تر رکھتے اس طرح محبت الٰہی کی شدت وحدت کو اس سے تسکین ملتی ہے۔

ابتدائی احوال میں جب محبت کا ورود تازہ ہوتا ہے اور اس کے برداشت کی تاب سالک نہیں پاتا تو تنہائی تلاش کرتا ہے۔ سنسان جگہوں پر بھاگتا ہے، جنگلوں اور بیابانوں کی راہ لیتا ہے تاکہ ساری دنیا سے الگ ہو کر تمام مشاغل و مصروفیات سے یکسو ہو کر یاد حق کے علاوہ سب کچھ فراموش کر دے۔

حضرت اقدس کا ابتدائی حال آپ کے برادر نسبتی میاں حبیب اللہ صاحب بیان کرتے ہیں، کہ میری بیعت حضرت والا سے کافی عرصہ پہلے ہوئی تھی۔ ابتدائی دور میں حضرت والا نے کچھ عرصہ جنگل میں گزارا ہے۔ معمول یہ تھا کہ ہالیجی شریف سے مغرب کی جانب جنگل کی طرف نکل جاتے اور عبادت میں مشغول رہتے۔ میں وہاں روٹی پہنچاتا تھا۔ صرف تھوڑی سی روٹی اور سرسوں یا چنے یا اور کسی چیز کا ساگ ہوتا جو پانی کی طرح پتلا پکایا جاتا۔ صرف میں حضرت والا کی خدمت میں آتا جاتا تھا کسی اور کو اس کی اطلاع نہ تھی اور اطلاع کرنے پر پابندی تھی۔ کبھی کبھی میں رات کو بھی حضرت والا کے ساتھ جنگل میں رہ جاتا تھا۔ نیز حضرت والا نے متعدد چلے ایسے گزارے ہیں جن میں صرف ایک کھجور افطار میں اور ایک کھجور سحر میں استعمال فرماتے تھے۔

بعد میں جب یہی محبت دل کا حال بن کر پرسکون ہوگئی تو اب تنہائیوں کی تلاش جاتی رہی۔ اب مجمع بھی ہے تو غلبہ محبت نے اسے بحکم خلوت بنا دیا ہے۔ یہ نہیں کہ محبت ختم ہوگئی یا اس میں کمی آگئی بلکہ اب طبیعت قرار و سکون حاصل کر چکی ہے۔ ندی جب پہاڑ سے اترتی ہے تو اس میں کتنا جوش و خروش ہوتا ہے۔ بڑی بڑی چٹانوں کو سنگریزوں میں تبدیل کر دیتی ہے۔ حالانکہ پانی اتھلا ہوتا ہے پھر جب میدان میں پہونچتی ہے تو پانی میں وسعت اور گہرائی دونوں بڑھ جاتی ہے اور اس کی مقدار بھی بہت زائد ہو جاتی ہے مگر اس کا جوش و خروش باقی نہیں رہتا۔ یہی حال محبت کی ابتدائی اور انتہائی کیفیات کا ہوتا ہے۔ جوں جوں عمر گزرتی جاتی ہے محبت کا دریا پھیلتا اور گہرا ہوتا جاتا ہے۔ اس کی مقدار بھی بڑھ جاتی ہے مگر ایک ٹھہراؤ اور سکون ہوتا ہے۔ اب حضرت اقدس مخلوق کے درمیان میں تھے۔ امراض و عوارض کے ہجوم و یلغار میں تھے۔ مصروفیات و مشاغل کے انبار میں تھے۔ مگر عبادت و ریاضت کا سلسلہ جاری تھا۔ بالکل حیرت انگیز اور خارق عادت۔

حضرت والا بہت عبادت گزار تھے۔ پانچوں نماز جماعت کے ساتھ ادا فرماتے، امامت خود کرتے۔ عمر کے ڈھلنے کے ساتھ بیماریاں چڑھتی رہیں۔ جسم مبارک میں شدید درد ہوتا، جوڑ جوڑ دکھتا، جگر کی خرابی مستقل تھی، جس کی وجہ سے پائے

مبارک میں بالخصوص ورم زیادہ رہتا۔ اٹھنے بیٹھنے میں شدید کلفت ہوتی مگر اس کے باوجود نماز باجماعت کا اہتمام ہمیشہ رہتا اور امامت خود ہی فرماتے۔

یہ حال تو تھا ہی لیکن خارق عادت بات یہ تھی کہ اس ضعف اور انہیں تکالیف میں عبادت الٰہی کے ساتھ مخلوق خدا کی فیض رسانی کا سلسلہ جو چلتا وہ بہت حیرت انگیز تھا۔

تجلیات شیخ ہالیجوی میں بھی تفصیل سے مذکور ہے اور بندہ نے براہ راست اپنے شیخ اور حضرت اقدس کے خلیفہ حضرت مولانا عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم سے سنا ہے کہ:-

حضرت کا معمول:

حضرت والا کا معمول تھا کہ فجر کی نماز سے پہلے مسجد میں تشریف لاتے، فجر کی نماز کے بعد مصلے پر بیٹھے رہتے اس وقت بیعت کے خواہش مند بیعت ہوتے پھر دوسرے اصحاب ضرورت خدمت میں حاضر ہوتے، کوئی تعویذ اور دعا کا طالب آتا، کوئی علاج کی غرض سے آتا۔ آپ تعویذ دیتے، دعائیں ہاتھ اٹھا کر پورے آداب کے ساتھ کرتے، بیماروں کے لئے نسخہ لکھتے، کسی کسی کو اپنے پاس سے دوائیں بھی دیتے، نو دس بجے تک جب حاضرین کی تعداد زیادہ ہو جاتی تو کسی موضوع پر وعظ فرماتے، اس وقت کا وعظ نہایت موثر اور اصلاحی ہوتا۔ عجیب وغریب نکات ولطائف بیان کرتے۔

آپ کے بیان میں اکثر استدلال قرآن کریم وحدیث نبی کریم ﷺ واقوال مشائخ بالخصوص سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی اور کبھی حضرت سید محمد راشد صاحب سے ہوتا۔ لوگوں کے سوالات کا جواب دیتے، بالخصوص علماء اور صوفیہ کے سوالات کو ایسا حل فرماتے کہ لوگ حیران رہ جاتے، یہ سلسلہ تقریباً بارہ بجے تک رہتا۔ اس پورے وقت میں باوضو رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ روحانی قوت عطا فرمائی تھی کہ تازہ وضو کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ وہی فجر سے پہلے کا وضو قائم رہتا۔ اس دوران نہ لیٹنے کی نوبت آتی، نہ کھانے کی کوئی چیز منہ میں جاتی، نہ پانی پیتے۔

میرے شیخ فرماتے ہیں کہ:-

شدید گرمی ہوتی، سندھ کی گرمی عرب کی گرمی کے مشابہ ہے۔ لوگ پیاس سے بیتاب ہو ہو کر پانی پیتے مگر حضرت کو کبھی نہیں دیکھا گیا کہ پانی پیتے ہوں۔ وعظ وبیان بھی ہو رہا ہے، گفتگو بھی جاری ہے، لوگ آ رہے ہیں، جا رہے ہیں، ہر ایک سے تخاطب ہے، ہر ایک کی حاجت بر آ رہی ہے، مگر نہ کھانے کی خواہش زور کرتی، نہ پیاس لگتی، نہ پیٹ میں ریاح ستاتی، نہ پیشاب پاخانے کی حاجت ہوتی۔ حد تو یہ ہے کہ تھوکنے کی بھی ضرورت نہیں پیش آتی۔

بارہ بجے گھر تشریف لے جاتے، ظہر کی نماز کے لئے پھر تشریف لاتے۔ نماز ظہر کے بعد تلاوت قرآن مجید کرتے، تلاوت سے فارغ ہو کر وہیں مصلے پر بیٹھے ہوئے لوگوں کی حاجت وضروریات کو سنتے اور انہیں اپنے امکان بھر پورا کرتے۔ عصر تک یہی مشغولیت رہتی، عصر کی نماز کے بعد پھر آپ مصلے پر تشریف فرما ہوتے لیکن اس وقت بات چیت کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ کوئی بہت ضروری بات ہوئی تو خیر ورنہ ہاتھ میں تسبیح لئے ذکر میں مشغول ہوتے۔ غور سے سننے والوں نے بتایا کہ آپ کلمۂ تمجید کا ورد فرماتے تھے۔ بعد نماز مغرب مشائخ قادریہ کے طریقہ کے مطابق مجمع کے ساتھ ذکر جہر فرماتے مریدین وحاضرین بھی حلقہ بنا کر بیٹھتے اور ذکر کرتے، ذکر کے بعد مصلے پر ہی تھوڑی دیر کے لئے لیٹ جاتے، اس وقت کوئی خادم بدن دباتا۔ عشاء کی اذان کے وقت اٹھ جاتے اور نماز پڑھاتے، یہ چاروں نمازیں ایک ہی وضو سے ادا ہوتیں۔

یہ معمولات آخر حیات کے ہیں جب کہ متعدد قسم کے سخت امراض اور موذی تکالیف میں آپ گھرے رہتے۔ شدید بخار کی حالت میں بھی ان معمولات میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ کوئی آدمی دیکھ کر محسوس نہیں کر سکتا تھا کہ کس حال میں ہیں۔ میرے

شیخ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے بدن پر ہاتھ رکھا تو شدید بخار تھا، میں حیران رہ گیا کہ اس قدر شدت کا بخار اور اس پر یہ استقامت!

دور آخر کے جب یہ معمولات تھے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ضعف واضمحلال اور بڑھاپے کے غلبہ سے پہلے کیا کچھ کیفیت رہی ہوگی۔ حضرت کی زندگی میں بعض اور حیرت انگیز اور فوق العادت احوال ہیں، جن کا ذکر آگے آئے گا۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ایک سال سیلاب آگیا۔ لوگ اپنے مال مویشی لے کر دوسرے مقامات پر منتقل ہوگئے۔ ایک فقیر میرے ساتھ رہ گیا۔ چند دنوں کے بعد اس فقیر نے بھی دوسری جگہ منتقل ہونے کا ارادہ کرلیا۔ میں نے اس سے کہا تم یہاں سے نہ جاؤ تاکہ ہم نماز باجماعت ادا کرتے رہیں میرے کہنے سے وہ فقیر رک گیا اور نماز باجماعت ہوتی رہی۔

نیز ایک مرتبہ فرمایا کہ پرانی مسجد کے شمال میں جو کمرہ تھا، میں اس میں ذکر اذکار کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ ذکر میں مشغول تھا، رات بالکل تاریک تھی۔ میری پشت کی جانب زمین سے پیر مارنے کی آواز معلوم ہوئی پیچھے مڑ کر دیکھا تو کوئی سیاہ چیز تھی، مگر میں ذکر میں مشغول رہا، اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ دو تین دن تک یہی معاملہ رہا مگر میں اپنے ذکر میں مشغول رہا پھر یہ جاتا رہا۔

نماز تہجد پابندی سے ادا فرماتے۔ تہجد کے سلسلے میں فرماتے تھے کہ جب میں نے تہجد پڑھنے کا رادہ کیا تو ابتداءً چند سال تک غلبہ نوم کی وجہ سے آنکھیں بند ہو ہو جاتی تھیں لیکن پختہ ارادہ کی وجہ روزانہ اٹھتا اور نیم خواب، نیم بیداری کی حالت میں نماز تہجد ادا کرتا۔ کبھی رکوع وسجود کی بھی خبر نہ ہوتی مگر الحمد للہ اٹھنا پابندی سے ہوتا۔ کچھ عرصہ کے بعد نیند کا غلبہ جاتا رہا لیکن جب سے نماز تہجد شروع کی اب تک قضاء نہیں ہوئی اور حدیث مبارک ’’احب الا عمال الی اللہ ادو مها وان قل‘‘ (سب سے محبوب عمل اللہ کے نزدیک دائمی عمل ہے، اگرچہ کم ہو) کی تلاوت فرمائی۔

پہلے آپ تلاوت قرآن مجید بعد نماز اشراق علی الدوام کیا کرتے تھے، آخر عمر

میں بعد نماز ظہر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ (غالبًا ایک پارہ روزانہ کا معمول تھا) جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد ملنے کا ہجوم ہوتا تھا۔ تلاوت کا موقع نہ ملتا تھا اس لئے اس کی تلافی، جمعرات کو دو سپارے تلاوت فرما کر کر لیتے۔ بعد نماز مغرب ذکر جہری کیا کرتے۔ جیسا کہ مشائخ قادریہ کا معمول ہے، ذکر کے بعد مراقبہ بھی کیا کرتے۔

باب نمبر ۷

کمالاتِ علمیہ

حضرت اقدس نے جو کچھ تعلیم حاصل کی وہ سندھ ہی کے مدارس میں حاصل کی۔ سندھ سے نکل کر ملک کے نامور مدارس اور جامعات میں پڑھنے اور اس وقت کے شہرہ آفاق علماء کی صحبت میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اس لئے ظاہر بیں نگاہیں شاید بدگمان ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کی بخشش ونوازش نہ کسی خاص خطے پر منحصر ہے اور نہ کسی خاص شخص پر۔

حضرت والا کو اللہ رب العزت نے علوم متعارفہ بالخصوص قرآن وحدیث میں وہ کمال عطا فرمایا تھا کہ بڑے بڑے علماء نے آپ کے علم وفضل کا اعتراف کیا۔

حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ اور مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ کی شہادت اور اعتراف کا ذکر گزر چکا ہے۔ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا آپ کو بہت زیادہ اشتغال نہیں رہا۔ آپ تو ایک جگہ بیٹھ کر معرفت ومحبت کی سوغات لٹاتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود جو تصانیف آپکے قلم سے نکلیں وہ آپ کے تبحر علمی کی شاہد عدل ہیں۔

کلمات قرآن کی توضیح وتشریح پر آپ کی کتاب ''الیاقوت والمرجان'' بلند پایہ عالمانہ تصنیف ہے۔ اس کے بارے میں محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری علیہ الرحمۃ کی تحریر کا اقتباس گزر چکا ہے۔ اسی طرح آپ نے ''قصیدہ بردہ'' اور ''قصیدہ بانت سعادُ'' کی بھی شرح لکھی ہے اور جب مجلسی گفتگو اور وعظ میں مسائل تصوف یا قرآن کریم کی کسی آیت یا سورت پر گفتگو فرماتے تو اچھے اچھے اصحاب علم ودرس حیران ہو جاتے کہ یہ علوم ومعارف کا فیضان کہاں سے آ رہا ہے۔ لوگوں کا دل گواہی دیتا کہ یہ الہامی علوم ہیں۔ جو قرآن وسنت کی بہترین ترجمانی کرتے ہیں۔

حضرت والا کے ایک خاص مرید حافظ عبدالخالق صاحب کندکوٹی فرماتے ہیں

کہ ایک مرتبہ میں ہالیجی شریف حضرت کی خدمت میں حاضر تھا اور جناب مولانا عبد الرزاق صاحب مرحوم سابق صدر مدرس مدرسہ قاسم العلوم گھوٹکی بھی خدمت اقدس میں موجود تھے۔ حضرت والا نے کسی آیت کی تفسیر بیان فرمائی، مولانا موصوف فرمانے لگے کہ میں حضرت والا کے اس بیان پر حیران تھا کہ یہ علوم کہاں سے بیان فرما رہے ہیں۔ حالانکہ میں نے تفسیر کی کتابوں کا اچھی طرح مطالعہ کیا ہے کہ مگر یہ تفسیر اور یہ توجیہات مجھے معلوم نہ تھیں۔ (تجلیات ص ۴۸)

اس جگہ بے ساختہ وہ بات یاد آتی ہے کہ کسی نے حضرت امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کیا تھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ کو کچھ خاص چیزیں اور مخصوص علوم عطا فرمائے تھے جن کا دوسروں کو پتہ نہ تھا۔ آپ نے فرمایا نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ البتہ حق تعالیٰ کی طرف سے آدمی کو خصوصی قرآن فہمی کی دولت بخشی جاتی ہے۔ یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ حق تعالیٰ اپنی کتاب کی فہم کے لئے انسان کے ضمیر کو کھول دیں۔ صاف محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس کو قرآن کے سمجھنے کا خصوصی سلیقہ عنایت فرمایا تھا۔

صاحب تجلیات شیخ ہالیجوی لکھتے ہیں کہ میرے ایک رفیق مولوی عبدالرشید صاحب نے بیان کیا کہ میں دورۂ حدیث کے لئے مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی گیا ہوا تھا۔ وہاں مولانا لطف اللہ صاحب مدرس مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن فرمانے لگے کہ مجھے کسی شیخ کامل کی تلاش تھی، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ نے مشورہ دیا کہ مولانا سندھی کی خدمت میں ہالیجی شریف جاؤں۔ میرے دل میں خیال آیا کہ کوئی سندھی ملا ہوگا۔ چونکہ مولانا بنوریؒ نے فرمایا تھا کہ کامل شیخ ہیں۔ اس لئے ارادہ کیا کہ ایک مرتبہ تو دیکھ آنا چاہئے۔

چنانچہ آخر عمر میں حاضر خدمت ہوا۔ مجھے ایک آیت کی تفسیر میں کچھ اشکال تھا اور علماء میں سے کوئی اسے حل نہیں کر سکا تھا لیکن حضرت مولانا سندھی نے اسے پوری طرح حل فرما دیا۔ میں سمجھ گیا کہ حضرت عارف کامل ہیں۔ تھوڑی مدت کے بعد

حضرت کا وصال ہوگیا۔ مولوی عبدالرشید صاحب نے کہا کہ مولانا لطف اللہ صاحب نہایت افسوس اور حسرت کے ساتھ رو رہے تھے کہ اگر اس سے پہلے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا ہوتا تو آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتا۔

(بحوالہ سابق ص ۴۸)

مرشدنا حضرت مولانا عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ خود حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری علیہ الرحمۃ بھی حضرت اقدس کی خدمت میں تشریف لے جاتے اور فرماتے تھے کہ جب بھی سفر میں ادھر میرا گزر ہوتا ہے تو میں حضرت والا کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا ہوں۔

ایک مرتبہ احقر حضرت والا کی خدمت میں حاضر تھا۔ حضرت مولانا بنوری تشریف لائے۔ زیارت وملاقات کے بعد آیت ’’وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا۔‘‘ (جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے تو یہی لوگ ان کے زمرے میں ہونگے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور یہ لوگ بہتر رفیق ہیں) پیش کر کے اس کی تفسیر اور آیت کے الفاظ کے مصداق بیان کرنے کی درخواست کی۔

حضرت والا نے ایک گھنٹہ سے زائد نہایت مفصل اور مدلل بیان فرمایا اس تقریر کا صرف خلاصہ جو چند لفظوں میں حضرت والا نے بیان فرمایا وہ ذہن میں محفوظ رہا۔

انبیاء مہبط وحی ہیں، صدیق وعاء وحی ہیں (وحی کے برتن) شہداء جو وحی پر جان قربان کریں، صالحین، جو دل و جان سے وحی پر عمل کریں۔

ممکن ہے الفاظ میں کچھ فرق ہو لیکن مفہوم یہی تھا جو کہ اچھی طرح یاد ہے۔

حضرت مولانا بنوری نے اس تقریر کو بعد میں قلمبند بھی کیا تھا اور اس کو اپنے رسالہ ’’بینات‘‘ میں شائع بھی کروایا تھا۔

جس کے فضل و کمال کی شہادت علماء معاصرین دیں، اس کے بارے میں کیا

شبہہ رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی خانقاہ شریف میں اکثر علماء سندھ و بھاول پور اور کراچی حاضر خدمت ہوتے تھے اور بیشتر عقیدت مند ہیں۔ پنجاب، سرحد اور بلوچستان کے بہت سے علماء کا تعلق بھی حضرت والا سے بہت گہرا ہے۔ ہمیشہ آپ کی خدمت میں علماء کا ایک بڑا مجمع موجود ہوتا اور ظاہری و باطنی علوم میں استفادہ کرتا۔

باب نمبر۸

باطنی احوال

حضرات اہل اللہ کی محنت وریاضت کا میدان قلب وباطن ہے، انسان کا اصل اور بنیادی جوہر یہی ہے۔ اگر قلب صاف ہے تو زندگی چمک اٹھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔

”قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا“

”جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا وہ کامیاب ہوا، اور جس نے اسے مٹی میں ملایا وہ ناکام ہوا۔“

یہی تزکیہ وتصفیہ کی محنت انسان کو نکھارتی ہے اور اس کے نتیجہ میں انسان کامیابی کی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ آدمی کے باہر ایک پوری دنیا آباد ہے۔ آدمی اس کی دلچسپی اور رعنائیوں میں کھو جاتا ہے اور اندر کی دولت سے غافل رہ جاتا ہے۔ ورنہ اگر غور کرے تو جتنی دلچسپ اور خوبصورت دنیا اسے باہر نظر آتی ہے اس سے کہیں زیادہ اس کے اندر کی دنیا وسیع وعریض اور دلچسپ وخوبصورت ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے:۔

ستم ست گر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن درآ
تو زغنچہ کم نہ دمیدۂ درِ دل کشا بچمن درآ

بڑا ظلم ہے اگر تمہارے دامن دل کو ہوس کھینچے کہ سرو سمن کی سیر کرو، تم خود غنچہ سے کم نہیں کھلے ہوئے ہو، دل کا دروازہ کھولو اور چمن میں آجاؤ۔

حضرت اقدس نے ایک مثال ارشاد فرمائی کہ ایک کمرہ ہو جو موتیوں سے بھرا ہوا ہو اور ایک شخص کو کمرہ میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیں۔ وہ شخص کسی طرف توجہ نہ کرے، اسکی نگاہ دروازہ پر لگی ہو۔ پس دروازہ کھول کر کے اس کو باہر نکال دیں اور اس سے پوچھیں کہ کمرہ کے اندر تم نے کچھ دیکھا تو وہ کہے گا کہ میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ اگر کہیں کہ یہ کمرہ موتیوں سے بھرا ہوا تھا تو وہ جواب دے گا کہ میری نظر تو دروازہ پر تھی، میں نے تو کسی طرف توجہ نہیں کی۔

پس اے عزیز اس مثال سے احقر کی فہم ناقص میں یہ آتا ہے کہ مراد خانہ تاریک سے سینہ انسان ہے جو کہ لطائف کے موتیوں سے پر ہے۔ پس جو شخص اپنی نگاہ دروازے کے باہر رکھتا ہے اور اپنے اندر کی جانب اور لطائف کے موتیوں کی طرف نگاہ نہیں کرتا ہے اور توجہ نہیں کرتا ہے، کوئی چیز اس کو نظر نہیں آتی اور کچھ نہیں دیکھتا اور اگر کوئی شخص خود اپنے اندر متوجہ ہو اور لطائف کے اندر ذات حق کا ذکر کرے تو تجلیات کے موتی اور انوار حق اس کی نگاہ میں آئیں گے اور اس کو حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگی۔ (تجلیات شیخ ہالیجوی ص ۹۶)

حضرات مشائخ وصوفیہ اسی اندرونی کی دولت طرف متوجہ کرتے ہیں تاکہ آدمی کا باطن شریعت کے احکام سے مزین اور آباد ہو۔

ہم یہاں چند باطنی کمالات کو ذکر کرتے ہیں گوکہ اس کا کماحقہ پتہ لگانا اور جس قدر معلوم ہو جائے اس کی صحیح تعبیر کرنی نہایت دشوار امر ہے، بالخصوص ایسے شخص کے لئے جو ان باطنی کمالات کا صرف نام سنتا ہو، ان کے وجود کی لذت وحلاوت سے ناآشنا ہو، تاہم بیان کرنے والوں نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کی روشنی میں ایک ہلکا سا مرقع پیش کیا جاتا ہے جو لوگ اس کوچہ سے گزرے ہوں گے انہیں اندازہ ہو جائے گا اور جو نابلد ہوں گے انہیں کچھ تنبّہ ہو جائے گا۔

تقویٰ اور خوف خدا

اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم کا مطالعہ کرے اور اس میں تلاش کرے کہ اوامر ونواہی میں اللہ تعالیٰ نے کس چیز کی تکرار سب سے زیادہ کی ہے اور کس چیز کا سب سے زیادہ تاکیدی حکم دیا ہے اور کس صفت پر بکثرت بشارتیں سنائی ہیں تو وہ پائے گا کہ وہ امر تقویٰ کا ہے۔ جس قدر کثرت اور تکرار کے ساتھ اس ایک

بات کا حکم ہے، شاید اتنی تکرار اور کسی بات میں نہیں ہے اور ایک جگہ تو ایسی جامعیت کی شان اس کی ظاہر کی گئی ہے کہ اسی سے اس کی اہمیت بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ ارشاد ہے:-

”وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوْ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوْا اللّٰهَ.“ (سورۃ النساء)

تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی انہیں بھی اور تمہیں بھی ہم نے تقویٰ کی وصیت کی ہے۔

اسی بناء پر اہل اللہ کی زندگی کا سب سے جلی اور روشن عنوان یہی تقویٰ ہے۔ تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی شریعت کی ناپسندیدہ چیزوں کو ترک کرے اور اس کی پسندیدہ باتوں کا خوگر بننے کی کوشش کرے۔ یہ ترک وسعی اس طرح ہو کہ یہی آدمی کی طبیعت اور مزاج بن جائے۔ زندگی بھر یہی دھن لگی رہے کہ اللہ کی مرضی کو اختیار کر کے اس کی رضا حاصل کی جائے اور اس کی نافرمانی سے بچ کر اس کے غضب سے محفوظ رہا جائے اور اگر غلطی سے کبھی اس کی خلاف ورزی ہو جائے تو تنبہ ہونے کے بعد اول فرصت میں اس سے توبہ کر لی جائے۔ اور اس کی تلافی کی جو صورت شریعت نے بتائی ہوا سے عمل میں لایا جائے اور اس وقت تک دل کو قرار اور چین نہ آئے، جب تک اس سے پاک وصاف نہ ہو لے۔ اللہ تعالیٰ کا رشاد ہے:-

”اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُبْصِرُوْنَ.“

حضرتِ اقدس ہالیجوی قدس سرہٗ کا قلب اطہر تقویٰ کے جذبات سے معمور تھا اور اس کا اثر آپ کے تمام شئون و احوال میں نمایاں تھا۔ احکام شریعت کی تابعداری کا اہتمام تو آپ کو جس قدر تھا سب دیکھتے تھے۔ مشکوک ومشتبہ چیزوں سے حددرجہ محترز اور مجتنب رہا کرتے تھے۔ بازار کی مٹھائی نہ تو استعمال کرتے تھے اور نہ کسی سے قبول فرماتے تھے۔ ایسی مٹھائی پیش کرنے والوں سے صاف فرما دیا کرتے کہ

بازار کی مٹھائی نہ میں خود استعمال کرتا ہوں اور نہ کسی کو دے سکتا ہوں۔

معاشرت میں تقویٰ:

انسان عبادات اور بہت سے معاملات میں تقویٰ برت لیتا ہے لیکن بسا اوقات گھریلو معاشرت میں تقویٰ کے تقاضوں سے یا تو غافل ہو جاتا ہے یا اس میں تساہل برتتا ہے ہم لوگوں کے یہاں عام معاشرت میں اجنبی اور نامحرم جو اپنے دور ونزدیک کے رشتہ میں نہ ہوں ان سے پردہ کا اہتمام تو ہو جاتا ہے لیکن جن عورتوں سے کسی طرح کا رشتہ ہوتا ہے ان کے حق میں پردہ کا خیال نہیں رہتا۔ بھائی کی بیوی، چچا کی لڑکیاں، پھوپھی کی لڑکیاں، ماموں کی بیٹیاں وغیرہ سب نامحرم ہیں۔ لیکن ان کے حق میں پردہ کا اہتمام کیا جائے تو ایک اجنبی بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر حضرت والا کے یہاں اس کا بھی بہت اہتمام تھا۔ حضرت نے اپنے صاحبزادوں کے نکاح کئے تو ان کے لئے شروع ہی سے الگ مکان اور علیحدہ بود وباش کا نظم کیا۔ یہ مکانات پختہ نہ ہوتے بلکہ خام ہوتے۔ جھونپڑے ہوتے۔ مگر ایک گھر میں سب کو جمع کر کے بے پردگی کی معصیت میں مبتلا ہونے کا موقع پیدا نہ ہونے دیتے۔ پردے کا پورا اہتمام کرتے اور کراتے۔ یکجائی خاندانوں میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اس طرح ان کا سد باب بھی ہو جاتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ قرآن وحدیث کے حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے۔ (بروایت مرشدی مدظلہ)

دل کی معصومیت:

ایک بار حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی مجلس میں حضرت اقدس کا ذکر آیا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت ہالیجوی کے قلب مبارک میں گناہ کا تصور بھی نہیں آتا کیونکہ حضرت کا قلب ہمہ وقت اللہ رب العزت کی محبت ویاد میں مشغول و مشغوف ہے۔ گناہ کا تصور کیونکر ہو سکتا ہے۔ (تجلیات شیخ ہالیجوی ص ۴۲)

فکرِ خاتمہ:

حضرت کے دل میں خوف خدا کا کس قدر غلبہ تھا۔ اس کو حضرت ہی کے ایک بیان کردہ واقعہ سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اہل اللہ کا دستور ہے کہ اپنے احوال و مقامات کا ممکن حد تک اخفا فرماتے ہیں لیکن کبھی کبھی دوسروں کے واقعات و احوال کے ضمن میں ان کے بھی سربستہ احوال کا سراغ مل جاتا ہے۔

خوشتر آن باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

حضرت کا ایک عام طریقہ یہ تھا کہ اکثر دین حنیف پر استقامت اور خاتمہ بالخیر کی دعا مانگا کرتے تھے۔ اپنے متعلقین سے بھی بکثرت خاتمہ بالخیر کی دعا کے لئے ارشاد فرماتے اور ان کے لئے بھی اسی کی دعا کیا کرتے۔ ایک مرتبہ اسی ضمن میں فرمایا کہ ایک بزرگ اپنے حجرے کا دروازہ بند کر کے رویا کرتے تھے۔ اگرچہ بہت عابد و زاہد تھے لیکن اکثر اوقات گریہ وزاری کرتے۔ ایک شخص نے نہایت عاجزی اور اصرار کے ساتھ ان بزرگ سے کہا کہ دروازہ کھولئے مجھے آپ سے کچھ ضروری گفتگو کرنی ہے، بہت اصرار بعد انہوں نے دروازہ کھولا وہ شخص اندر داخل ہوا اور اس نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ اکثر دروازہ بند کر کے آپ رویا کرتے ہیں براہ کرم یہ راز مجھے بتائیے۔

ان بزرگ نے کہا کہ میں اور ایک دوسرے بزرگ یہاں سے وضو کر کے روانہ ہوتے اور فجر کی نماز مدینہ منورہ پہنچ کر باجماعت ادا کرتے۔ ہم دونوں کا یہ معمول دائمی تھا لیکن جب میں مدینۃ الرسول ﷺ پہونچتا تو میرے اعضاء وضو خشک ہو چکے ہوتے اور ان بزرگ کے اعضاء وضو ہنوز تر ہوتے لیکن جب ان بزرگ کی موت کا وقت آیا تو ان کا ایمان سلب ہو گیا۔ **العیاذ باللہ**

اس کے بعد سے میں انتہائی غمگین و فکرمند ہوں کہ وہ بزرگ جو کہ مرتبے اور

کرامت میں مجھ سے بڑھے ہوئے تھے۔ موت کے وقت ان کا ایمان سلب کر لیا گیا۔ پس میرا کیا حال ہوگا۔ مرتے وقت میرا ایمان سلامت رہے گا یا نہیں؟ اس خوف سے حجرہ بند کر کے رویا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مرتے وقت ایمان سلامت رکھے اور خاتمہ بالخیر فرمائے۔

اور یہ واقعہ ہے کہ بظاہر آدمی کے حالات اچھے ہوتے ہیں مگر اللہ ہی جانتا ہے کہ باطن میں کیا خرابی اور گستاخی ہوتی ہے کہ آخر تک پہنچتے پہنچتے ایمان کا چراغ گل ہو جاتا ہے۔ اس اندیشہ سے بڑے بڑے اصحاب تقویٰ اور ارباب عزیمت کا زہرہ آب رہتا ہے۔

حدیث شریف میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:-

ثم یبعث اللّٰہ الیہ ملکاً باربع کلمات فیکتب عملہ واجلہ ورزقہ وشقی او سعید ثم ینفخ فیہ الروح فو الذی لا الٰہ غیرہ ان احدکم یعمل بعمل اھل الجنۃ حتی مایکون بینہ وبینھالا ذراع فیسبق علیہ الکتاب فیعمل بعمل اھل النار فید خلھا اوان احدکم لیعمل بعمل اھل النار حتیٰ مایکون بینہ وبینھا الا ذراع فیسبق علیہ الکتاب فیعمل بعمل اھل الجنۃ فید خلھا." (مشکوٰۃ شریف بحوالہ صحیحین)

(بچہ کے اعضاء کی خلقت جب ماں کے شکم میں تام ہو جاتی ہے) تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو چار باتیں دے کر بھیجتے ہیں۔ وہ اس کا عمل، اس کی عمر، اس کی روزی اور اس کا شقی یا سعید ہونا لکھ دیتا ہے۔ پھر اس میں روح ڈال دی جاتی ہے۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ ایک آدمی اہل جنت کے کاموں میں لگا رہتا ہے اور اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اچانک اس کا نوشتہ غالب آ جاتا ہے اور وہ پلٹ کر اہل جہنم کا عمل کرنے لگ جاتا ہے اور جہنم میں چلا جاتا ہے۔ اس طرح ایک آدمی اہل جہنم کے اعمال کرتا رہتا ہے اور اس کے اور جہنم کے درمیان صرف ایک ہاتھ فاصلہ رہ جاتا ہے کہ ناگاہ اس کی تقدیر نمودار ہوتی ہے اور وہ

اپنی حرکتوں سے باز آ کر جنت والے کام کرنے میں لگ جاتا ہے اور پھر وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

یہ بالکل واقعہ ہے، کتنے کفار و مشرکین جو ہمیشہ کفر و شرک کی گندگی میں نجس اور آلودہ رہے، سانس اکھڑنے کے وقت اسلام کی آغوش میں آ کر جنت میں پہنچ گئے، کتنے ایسے بھی ہوئے جو زندگی بھر اسلام و ایمان ظاہر کرتے رہتے، لیکن انجام بخیر نہیں ہوا، یہاں تک کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز جنازہ بھی پڑھی مگر وہ مغفرت کا پروانہ نہ پا سکے۔ یہی اندیشہ ایسا ہے کہ مومن کبھی بے خوف نہیں ہو سکتا، ہمیشہ لرزاں اور ترساں رہتا ہے۔

زہد فی الدنیا (دنیا سے بے رغبتی):

حدیث شریف میں ہے۔ ''حب الدنیا راس کل خطیئة.'' (مشکوٰۃ شریف بحوالہ بیہقی عن الحسن مرسلاً)

دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔ حق تعالیٰ اپنے جن بندوں کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں، ان کے قلوب کو دنیا کی محبت اور دلچسپی سے خالی کر دیتے ہیں۔ اور وہ دنیا کو برتتے ضرور ہیں مگر ضرورت کی بنیاد پر، زینت اور نمائش کے لئے نہیں، انہیں اس سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا، جیسے آدمی جائے ضرور کو محض ضرورت کی بناء پر استعمال کرتا ہے، اس سے اس کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

جن کا مزاج یہ بن جاتا ہے وہ ''زاہد فی الدنیا'' ہوتے ہیں تارک الدنیا ہوتے ہیں اور ایک شخص وہ ہوتا ہے جو دلی رغبت، دنیوی ساز و سامان اور زینت کی رکھتا ہے مگر اپنی تنگ دستی کی وجہ سے وہ محروم ہے۔ وہ اگر ترک دنیا کا دعویٰ کرے تو فی الحقیقت وہ تارک الدنیا نہیں، متروک الدنیا ہے۔

حضرت والا تارک الدنیا تھے۔ متاع دنیا کی طرف قطعاً التفات نہ فرماتے تھے، گھر میں زراعت ہوتی تھی جو کچھ اس سے آمدنی ہوتی سب لنگر پر خرچ ہوتی، کبھی

کبھی حضرت اقدس یہ اشعار پڑھا کرتے تھے:۔

حال دنیا را پرسیدم من از فرزانۂ
گفت یا خوابے ست یا بادے ست یا افسانۂ
باز گفتم حال آنکس گو کہ دل دروے بہ بست
گفت یا دیوے ست یا غولے ست یا دیوانۂ

میں نے ایک عقل مند سے دنیا کا حال پوچھا۔ اس نے کہا یا تو خواب ہے، یا ہوا ہے یا افسانہ ہے، میں نے پھر پوچھا کہ اس شخص کا حال بتاؤ جس نے اس میں اپنا دل لگایا اس نے جواب دیا کہ یا تو دیو ہے یا بھوت ہے یا دیوانہ ہے۔

ترک دنیا کا حال اس قدر راسخ تھا کہ اس کا اثر پورا پورا آپ کے اکثر مریدوں میں بھی نظر آتا ہے۔ ایک دفعہ آپ کے صاحبزادہ حافظ محمد اسعد صاحب جب کہ بچے تھے اور غالباً کریما پڑھ رہے تھے، جب یہ شعر آیا

سخیاں زاموال بری خورند
بخیلاں غم سیم وزری خورند

سخی اپنے مال سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور بخیل چاندی سونے کا غم کھاتے ہیں

حضرت والا نے صاحبزادے سے دریافت فرمایا کہ زر کبھی دیکھا ہے۔ اس کا رنگ پہچانتے ہو، صاحبزادے نے عرض کیا جی نہیں۔ آپ نے سامنے جو صندلی رکھی تھی اور اس پر پیتل کے ٹکڑے لگے ہوئے تھے اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ تقریباً اسی رنگ کا زرد ہوتا ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے گھر میں سونے کا گزر نہ تھا ورنہ صاحبزادے نفی میں جواب نہ دیتے۔

غذا:

اسی کا اثر تھا کہ حضرت نے کھانے پینے کا کبھی اہتمام نہیں کیا۔ ہمیشہ سادہ اور

بے لذت غذا استعمال کرتے۔ آج انواع واقسام کی لذیذ اور مرغن غذائیں کھا کھا کر غربت وفقیری کی دہائی والے دینے والے اصحاب علم وارباب تصوف تو اس کے تصور سے بھی گھبرا جائیں گے۔ لیکن دیکھئے کہ ایک اللہ والا کتنی معمولی اور سادہ غذا کھا کر دین پر مر مٹنے کا سبق دے گیا۔

آپ کی غذا میں عموماً جوار کی روٹی اور لسی (چھاچھ) ہوتی۔ کبھی سبزی کبھی چنے کے پتوں کا ساگ کبھی شلغم کے پتوں کا ساگ، کبھی سرسوں کے پتوں کا ساگ استعمال فرماتے کبھی کبھی گیہوں کا بھی استعمال ہوتا گوشت بہت کم کھاتے تھے۔ ہاں چنے یا مٹر کی دال البتہ تناول فرماتے۔

حاجی گلاب دین سومرو بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رات کے وقت حافظ عبد الحمید مرحوم مہاجر مکی ہجرت سے پہلے ہالیجی شریف میں عشاء کی نماز کے بعد آئے۔

حافظ صاحب کے لئے کھانے کی اطلاع کی گئی۔ حضرت والا کی خادمہ مائی بیبل حافظ صاحب کے لئے جوار کی روٹی اور چنے کے پتوں کا ساگ لائی اور اس نے کہا کہ حضرت یہ روٹی خود کھا رہے تھے، لیکن جب حافظ صاحب کی آمد کی اطلاع دی گئی تو یہ کھانا حافظ صاحب کے لئے بھجوا دیا۔ حافظ صاحب موصوف بہت خوش ہوئے کہ حضرت والا کا پس خوردہ (جو کہ برکت والا اور شفا والا ہے) ملا۔

لنگر میں بھی اکثر دن کو جوار کی یا گیہوں کی روٹی لسی کے ساتھ اور رات کو ساگ یا دال کے ساتھ دی جاتی۔ (تجلیات شیخ ہالیجی ص ٦٧)

یہ حضرت کی روحانی قوت کا اثر تھا کہ لنگر کی روکھی پھیکی غذا کھا کر ذاکرین و شاغلین، خوش وخرم رہا کرتے تھے۔ اور اس میں ایسا روحانی کیف وسرور محسوس کرتے تھے کہ وہ بات بعد کی بڑی سے بڑی نعمتوں میں بھی نہیں پاتے۔ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوتا ہے ان لوگوں پر جو کسی صاحب دل بزرگ کی صحبت میں رہتے ہیں اور وہاں کی مشقتیں ان کے لئے آسان بلکہ لذیذ ہو جاتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو ان کی خدمت میں رہنا مشکل ہو جائے۔

حضرت کی خانقاہ کے لنگر کا حال آپ نے پڑھا۔ دوسری اس سے عجیب بات یہ تھی کہ رات میں وہاں چراغ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ صرف ایک لالٹین تھی جو قرآن پڑھنے والے بچوں کے استعمال میں ہوتی۔ مسجد میں اندھیرا ہوتا اور اسی میں ذاکرین وشاغلین کی بستی آباد ہوتی۔ لوگ ٹٹول کر چلتے، لوگوں کا ہجوم ہوتا تو قدم اٹھا کر رکھنا ممکن نہ ہوتا۔ آہستہ آہستہ قدم کو کھسکانا پڑتا۔ باہر روشنی نہ تھی مگر دل اللہ کے ذکر کے نور سے منور تھے۔ اس لئے نہ کوئی الجھن تھی نہ گھبراہٹ، بس اطمینان وسکینت کی چادر تنی ہوتی اور لوگ شاداں وفرحاں ہوتے۔

لباس:

لباس بہت ہی سادہ استعمال فرماتے تھے۔ اکثر کھدر آپ کے استعمال میں ہوتا تھا۔ ایک عمامہ اور نیم آستین (یہ ایک بڑی بنیان ہوتی جس کی آستین کہنیوں سے نیچے تک ہوتی تھی اور سامنے بٹن لگائے جاتے تھے) اور تہبند نصف ساق تک یہ آپ کا عام لباس تھا، سردی کے زمانے میں لمبا کرتا اور اس کے اوپر سے نیم آستین اور معمولی چادر استعمال فرماتے۔

حضرت کے صاحبزادے مولانا محمد اسعد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضرت والا کا یہ حکم تھا کہ میرے جسم پر ضرورت سے زائد کپڑا نہ لگایا جائے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حافظ حبیب اللہ صاحب نابینا طبیب سکھر جو کہ حضرت والا کے معتقدین میں تھے، حرمین شریفین کے سفر سے واپس آ کر ہالیجی شریف حضرت والا کی خدمت میں زیارت کے لئے حاضر ہوئے درمیان گفتگو میں کہنے لگے کہ میں ہر قسم کا لباس استعمال کرتا ہوں کبھی عربی لباس پہنتا ہوں، کبھی پنجابی لباس، کبھی ہندوستانی لباس، کبھی انگریزی لباس بھی پہنتا ہوں، جب انہوں نے ہر قسم کے لباس کا نام لیا تو حضرت والا نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کرتے کا کپڑا ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ حافظ صاحب کبھی ایسا لباس بھی پہنا ہے۔ حافظ صاحب موصوف نے

برجستہ عرض کیا حضرت ہم کو بھی اپنے جیسا کر لیجئے پھر یہ لباس پہنوں گا۔ اگر اس حال میں آپ جیسا پہن لوں گا تو لوگ دور سے دیکھ کر یہ سمجھ کر کہ اندھا ہے، بھیک مانگنے کے لئے آرہا ہے، دور بھاگ جائیں گے۔ (تجلیات ص ۶۷)

رہائش

حضرت والا کا مکان بھی محض ایک جھونپڑا تھا۔ تین طرف کچی دیواریں اور سامنے کی طرف کھلا ہوا۔ جھونپڑے کے اوپر جھاڑ کی لکڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ دھوپ چھن کر اوپر سے آتی تھی۔ پانی سے بچنے کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا۔

حضرت والا نے خود فرمایا کہ جب بارش ہوتی اور اوپر چھت سے پانی ٹپکنے لگتا تو گھر والے میرے اوپر چٹائی ڈال دیتے تا کہ پانی سے حفاظت ہو جائے پھر بھی کپڑے اور بستر تر ہو جاتے۔

آخری ایام میں حضرت والا کے فرزند حاجی محمد احسن صاحب نے چند حجرے نیم خام نیم پختہ بنائے تھے۔ ایک حجرہ حضرت والا کے استعمال میں تھا۔ کمرے کے سامنے برآمدہ جھونپڑے ہی کا تھا اور مرض الموت میں حضرت والا آخر تک اسی جھونپڑے میں قیام فرماتے۔

مولوی عبدالرشید صاحب نے نقل کیا ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ نے حضرت والا کی رہائش گاہ کو دیکھ کر فرمایا کہ حضرت والا کی سادگی سلف صالحین کے طریقہ پر ہے۔ جس زمانہ میں قدیم مسجد کو شہید کر کے نئی مسجد تعمیر کرنے کا حضرت والا نے ارادہ فرمایا اس وقت کسی نے سوال کیا کہ حضرت مسجد تعمیر کرنے کے بعد مکان بھی تعمیر کرنے کا ارادہ ہے؟ تو فرمایا کہ میرا مکان قبر میں ہے۔ (تجلیات ص ۸۲)

واقعہ یہ ہے کہ حضرت اقدس ان اسلاف کے نمونہ تھے جن کا شعار زہد رہا ہے۔ دنیا کی چیزیں بقدر کفایت نہیں بلکہ بقدر ضرورت استعمال فرماتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ:-

کان رحمه الله عالما عابدا زاهداً حليماً وقوراا بعدالناس عن الريا وازهد خلق الله فيمن رَأَيْتَهٗ من ا هل الفضل والصلاح واحلم خلق الله فى البيعة والا رشاد.

حضرت رحمۃ اللہ علیہ عالم عابد تھے، صاحب زہد وحلم تھے، باوقار تھے، ریا ونمائش سے بہت دور تھے، جن اہل فضل وصلاح کو میں نے دیکھا ہے ان میں سب سے بڑھ کر زاہد تھے اور مشائخ بیعت وطریقت میں سب سے زیادہ حلیم تھے۔

مزید لکھتے ہیں:-

”وكان صبار اًعلى الشدائد والمكاره وكان عيشه وحياته حياة خشونه بعيداًعن لذائذالماكولات ومشتهيات الاطعمةوالاشربة ۔“ (مقدمہ الیاقوت والمرجان ص ۹)

وہ تکالیف وشدائد پر صابر تھے۔ ان کی زندگی بہت سادہ تھی، کھانے پینے کی لذتوں سے دور رضائے خداوندی کی فکر اور اخروی زندگی کے اہتمام نے دنیاوی تمام لذتوں اور حلاوتوں کو بدمزہ بنا دیا تھا، جو لذت وحلاوت تھی، وہ ذکر اللہ میں تھی، اتباع سنت میں تھی، اشاعت شریعت میں تھی، مخلوق خدا کی ہدایت میں تھی، خود بھی یہی کرتے تھے اور اپنے لوگوں سے بھی یہی چاہتے تھے۔

کرم وسخاوت:

دنیا سے بے رغبتی کا لازمی نتیجہ کرم وسخاوت ہے۔ زاہد کے لئے سونا اور کنکر برابر ہے۔ حضرت اقدس کے زہد کا حال آپ نے پڑھ لیا۔ اسکا ایک مظہر یہ بھی تھا کہ آپ فطرۃً کریم النفس اور سخی تھے۔ ظاہری اور باطنی ہر قسم کی سخاوت فرماتے تھے۔

خانقاہ میں واردین وصادرین اور فقراء وذاکرین کے لئے لنگر کا انتظام تھا، اس لنگر میں روزانہ کم از کم ۵۰۔۶۰ افراد ہوتے تھے اور کبھی کبھی سو دو سو بھی ہو جاتے تھے۔ تمام فقراء وعلماء حضرت والا کے مہمان ہوتے۔ سب کو کھانا اپنے پاس سے کھلاتے

، کچھ فقراء اہل وعیال سمیت حضرت والا کے یہاں مقیم تھے۔ سب کے اخراجات کی کفالت حضرت والا خود فرماتے تھے۔

کسی شخص پر کوئی پابندی نہ تھی، خواہ ایک دن رہے یا ایک سال رہے۔ ہر ایک کو کھانا بلکہ دوسرے اخراجات بھی حضرت والا کی طرف سے دیئے جاتے۔ اہل ذکر کی جماعت جس قدر بھی قیام کرتی، آپ مسرور ہوتے کسی کسی کو اجازت طلب کرنے پر بھی اجازت نہ دیتے۔ فرماتے کہ ابھی اور قیام کرو۔

صاحب تجلیات لکھتے ہیں کہ احقر نفس پرست تھا۔ حضرت والا کے یہاں کا طعام وقیام سادہ تھا۔ اس لئے نفس پر گراں گزرتا تھا۔ جب حضرت والا سے اجازت طلب کرتا تو آپ فرماتے کہ چندروز ابھی اور قیام کرو، اگرچہ حضرت والا کی خدمت میں ٹھہرنا اصلاح نفس کے لئے بے حد مفید تھا لیکن نفس امارہ اپنی نامرادیوں کو کیونکر برداشت کرتا پھر بھی حضرت والا کے حکم پر ہفتہ دو ہفتہ قیام کرنا پڑتا۔

تواضع:

سالک راہ طریقت جس کے سامنے حق تعالیٰ کی عظمت وکبریائی منکشف ہوتی ہے جس کو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت وقوت مستحضر رہتی ہے۔ اس کی نگاہ میں ساری دنیا بے بس اور محتاج نظر آتی ہے اور سب سے بڑھ کر اسے اپنا نفس اور اپنی ذات ذلیل وخوار محسوس ہوتی ہے۔ اللہ کی بڑائی کے سامنے وہ اپنی ذات میں کسی طرح کی کوئی بڑائی اور خوبی نہیں پاتا۔ بلکہ کسی خوبی وکمال کی اس کی جانب نسبت کی جاتی ہے تو وہ شرم سے عرق عرق ہو جاتا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ مولیٰ کے سامنے غلام کی کیا حیثیت ہے۔ لیکن چونکہ غلاموں کو بسا اوقات اپنے مولیٰ کی معرفت نہیں حاصل ہوتی اس لئے وہ غلط بینی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو غلام اپنے آقا کی معرفت رکھتا ہے وہ تمام خیر وکمال کو مولیٰ کا سرمایہ سمجھتا ہے اور خود کو بالکل تہی دامن اور تہی مایہ پاتا ہے۔ حضرت اقدس عارف کامل تھے۔ حق تعالیٰ کی محبت ومعرفت بدرجہ کمال رکھتے تھے۔

اس لئے تواضع وانکساری کا جذبہ ان کے قلب کی گہرائی میں راسخ تھا۔ فرماتے ہیں کہ:-

”انسان کس بات پر تکبر وخود بینی کرے، درانحالیکہ اس کے اندر پاخانہ و پیشاب بھرا ہوا ہے، ناک اور دماغ بلغم سے پر ہے۔

مراورارسد کبریاء ومنی   کہ ملکش قدیم است وذاتش غنی

بڑائی اور خودی کا حق صرف اس ذات کو ہے جس کی حکومت قدیم ہے اور اس کی ذات غنی ہے۔ (تجلیات شیخ ہالیجی ص ۵۷)

اس سلسلے میں ایک واقعہ بیان فرماتے تھے کہ ایک شخص ایک پیر کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے اپنے مریدوں میں داخل کر لیجئے۔ پیر نے کہا پہلے جاؤ اور دنیا میں پھرو اور اپنے سے ذلیل ترین شے میرے پاس لے کر آؤ پھر بیعت کروں گا۔

شخص مذکور اس ارادہ سے نکلا اس کی نظر ایک نہایت کمزور کتے پر پڑی جو نہایت خراب وخستہ حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ اس کتے کو پیر صاحب کے پاس لے چلنا چاہیئے جونہی کتے کو ہاتھ لگایا، کتے سے آواز آئی کہ میں تم سے بہتر ہوں اس لئے کہ میں حیوان ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں مجھ سے کوئی سوال نہیں ہوگا اور تیرے اعمال کی باز پرس قیامت میں ہونے والی ہے پھر میں کس طرح تجھ سے ذلیل ہوں۔ اس شخص نے سمجھ لیا کہ کتا ٹھیک کہتا ہے پھر اس نے دیکھا کہ ایک بھنگی نجاست اٹھا رہا ہے۔ اس نے خیال کیا کہ یہ نجاست مجھ سے ذلیل ہے اس کو پیر صاحب کے پاس لے چلنا چاہیئے۔ نجاست سے آواز آئی کہ میں تم سے کمتر کیونکر ہوں، اس لئے کہ میں غلہ تھا، میوہ تھا، جب تم نے کھایا اور تیرے پیٹ میں پہونچا، تیرے باطن نے مجھے نجس کر دیا۔ پس تیرا پیٹ مجھ سے بدتر ہے کہ مجھ جیسے پاک و صاف میوے کو نجس اور پلید کر دیا۔ اس کے بعد وہ شخص اپنے پیر کے پاس لوٹا۔ پیر نے سوال کیا کہ اپنے سے کمتر کوئی چیز لائے۔ اس نے جواب دیا کہ اپنے سے بدتر اور کمتر میں کسی چیز کو نہیں پایا۔ پیر نے کہا اب تجھے بیعت کرتا ہوں۔

حضرت والا نے فرمایا کہ سالک کو چاہیئے کہ خود کو سب سے کمتر اور حقیر سمجھے

۔ بعض دوستوں نے نقل کیا کہ ایک مرتبہ کوئی عالم پنجاب سے تشریف لائے تھے۔ انھوں نے حضرت والا سے اجازت لے کر تقریر کی اور تقریر میں حضرت والا کی بے حد تعریف وتوصیف فرمائی۔ جب وہ تقریر ختم کر کے بیٹھے تو چونکہ حضرت والا کو روبرو تعریف کرنی بہت ناپسند تھی اس لئے فرمایا کہ مولوی صاحب آپ نے اس قدر تعریف کی مگر میں اس گدھے کا بیوقوف مالک نہیں ہوں کہ آپ کی تعریف سے میرا نفس پھول جائے۔

”من آنم کہ من دانم“

اور آپ نے اس گدھے کے مالک کا قصہ اس طرح بیان فرمایا کہ ایک شخص کے پاس نہایت خراب اور بے کار گدھا تھا کہ اگر اس کے اوپر سواری کریں تو سوار کو زمین پر گرادیتا۔ اگر سامان لادیں تو اس کو بھی زمین پر پھینک دیتا۔ وہ شخص اس گدھے سے تنگ آچکا تھا۔ اس نے سوچا کہ شہر میں لے جا کر اس کو فروخت کردے۔

راست میں جانوروں کی خرید وفروخت کرانے والا ایک دلال ملا۔ اس نے پوچھا کہ اس گدھے کو کہاں لے جارہے ہو۔ اس نے کہا کہ فروخت کرنے کے لئے ۔ دلال نے کہا مجھے دلالی میں دو میں فروخت کرادیتا ہوں ۔ اس شخص نے منظور کرلیا ۔ دلال گدھے کو بازار میں لے گیا اور اس گدھے کی بہت تعریف کرنے لگا کہ سواری میں نہایت تیز رفتار اور نہایت عمدہ بار بردار ہے اور ایسا اچھا ہے اور ایسا اچھا ہے۔ اس گدھے کا مالک دلال کی تعریف سن کر ایسا مغرور ہوا کہ دلال سے کہنے لگا کہ ایسا گدھا میں کیوں بیچوں میں اسکو نہیں بیچتا۔ دلال نے کہا میاں تمہارا گدھا تو وہی ہے جو زمین پر گرادیا کرتا تھا۔ میں نے تو بیچنے کے لئے اس طرح تعریف کی اور تم اتنے احمق ہو کہ اس کی تعریف سن کر اترانے لگے اور بیچنے سے انکار کردیا۔

حضرت والا کے ہر ہر عمل سے تواضع وکسر نفسی ٹپکتی تھی۔ ایک مربتہ حضرت مولانا مفتی فیاض نور صاحب (جو کہ حضرت والا کے مریدوں میں تھے اور حضرت کے ہم عصر بھی تھے) نے حضرت والا سے عرض کیا کہ کوئی کرامت دیکھنا چاہتا ہوں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ میں اللہ تعالی کی زمین پر چل رہا ہوں اور اس کی دی ہوئی

روزی کھا رہا ہوں اس سے بہتر کرامت کیا ہوسکتی ہے ورنہ میرے اعمال تو ایسے ہیں کہ زمین پھٹ جاتی اور مجھے دھنسا دیا جاتا۔

مرشدی حضرت مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہ نے بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ حضرت والا کی مجلس میں موجود تھا۔ مسئلہ حیات النبی کے بارے میں ملک کے اندر علماء بحث ومباحثہ کررہے تھے۔ اسی زمانے میں حاضرین مجلس میں سے کسی شخص نے سوال کیا کہ حضرت والا اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت والا نے فرمایا کہ میں کون ہوں اور میری رائے کیا؟ جو علماء حضرات فیصلہ فرمائیں میں ان کا متبع ہوں۔

مولوی محمد زکریا بلوچ نے بیان کیا کہ جس سال حضرت والا نے حج کیا۔ میں بھی حضرت والا کے ساتھ تھا۔ حج سے فراغت کے بعد حضرت والا جب جدہ میں تشریف فرما تھے۔ مولوی محمد اسماعیل صاحب شکارپوری بھی جدہ میں آئے۔ مولوی صاحب نے حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرت آپ نے اس سفر میں اللہ کے کچھ خاص بندوں کو دیکھا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ مولوی صاحب جو لوگ بھی حج میں یہاں آئے تھے سبھی لوگ اللہ کے خاص بندے ہیں۔ صرف ایک میں گنہگار شخص ہوں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ مجھے آپ کی کسر نفسی سے کچھ کام نہیں ہے۔ آپ میرے سوال کا جواب دیجئے۔

حضرت والا نے فرمایا کہ اللہ کے چند ذاکر بندوں کو دیکھا کہ مولوی صاحب نے کہا کہ ذاکر کس کو کہتے ہیں؟ حضرت والا نے فرمایا کہ ان کا تعلق ہر وقت اپنے رب کے ساتھ ہوتا ہے اگرچہ وہ اپنی بیوی سے ہمبستر ہورہے ہوں۔

مولوی زکریا نے کہا کہ حضرت والا میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ مدینہ منورہ میں جو شخص سفید ریش میرے ساتھ بیٹھے تھے۔ حکیم بھی تھے وہ اللہ کے ذاکر بندے تھے۔ (تجلیات ص ۵۷۔۶۰)

تواضع وانکساری کی تعلیم ہر شیخ اپنے مریدوں کو دیتا ہے، مرید اپنی استعداد کی

بقدر اسے حاصل کرتا ہے۔ حضرت اقدس کی پوری زندگی تواضع وفنائیت کا عملی نمونہ تھی۔ حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی علیہ الرحمۃ نے ایک عجیب عنوان سے اس کی تعلیم اپنے صاحب کمال مرید کو مخاطب کر کے دی تھی۔ حضرت اقدس ہی کی زبان سے سنئے، اصلاح وتعلیم کے لئے یہ ارشاد ایک کان بے بہا ہے۔

فرماتے ہیں کہ:-

’’میں اپنے حضرت کے ساتھ تھا۔ سکھر سے آگے منگرانی شہر ہے۔ وہاں حضرت صاحب گئے وہ لوگ حضرت کے خصوصی معتقد تھے۔ وہاں ایک ایسا آدمی تھا جو کیمیا کی تلاش میں دن رات سرگرداں رہتا تھا اس نے بڑے سفر کئے تھے۔ پہاڑ، صحرا، جنگل میں بوٹیاں تلاش کیں اور لوگوں سے ملتا رہا اور پوچھتا رہا کہ کہیں سے کیمیا ہاتھ لگ جائے۔ حضرت صاحب ان سے پوچھتے رہے کہ کہاں کہاں کے سفر کئے ہیں اور وہ بتاتا رہا۔ آخر میں حضرت والا نے میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا حماد اللہ بیٹے! کیمیا گر کافر ہے کیونکہ یہ شخص خدا کی ذات میں شریک بننا چاہتا ہے۔ صمد صرف اس کی ذات ہے، وہی بے نیاز ہستی ہے وہ کسی کا محتاج نہیں ہے، سب مخلوق اس کی محتاج ہے، بندوں کو حکم ہے کہ وہ سب اللہ تعالی کے محتاج رہیں اور اسی سے مانگیں۔ اس کیمیا گر کا خیال ہے کہ مجھے ایسی چیز ہاتھ لگے کہ میں پھر کسی کا محتاج نہ رہوں اور لوگ میرے محتاج ہوجائیں۔ تو گویا وہ اللہ کی صفت صمدیت میں شریک بننا چاہتا ہے، بندے کو حکم ہے کہ وہ نیچا پن اختیار کرے یہ فاسد خیال اس کے دل میں نہ آئے کہ لوگ میرے تابع ہوجائیں۔ اتنی دنیا میرے پاس ہو کہ لوگ میرے محتاج بن جائیں۔ یہ صفت خاص اللہ تعالی کی ہے۔

جو بڑی ہستی ہوتی ہے اس کو سب سے بڑی خوشی اس بات پر ہوتی ہے کہ اس کے آگے آدمی اپنے کو کمتر اور عاجز سمجھیں، جتنا بندہ اپنے آپ کو خداوند قدوس کے سامنے کمتر سمجھتا ہے اور عاجز وحقیر جانتا ہے اسی قدر اس کی طرف خدا کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ مطیع وفرمانبردار ہونا بھی اس ہستی کی قدردانی ہے۔ بندہ کبھی نافرمانی نہ

کرے اور ہر وقت مطیع رہے۔ یہ ہے معرفت الٰہی۔ اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھے جو کچھ ہو رہا ہے سب اس کی طرف سے ہو رہا ہے، انسان میں یہ خصلت پیدا ہوجائے کہ وہ خدا کے آگے محتاج اور متضرع ہو، اسی پر تکیہ کرے سب کام میں اسی پر سہارا کرتا رہے۔ یہ خصلت بندہ کی خدا کو بہت پسند ہے۔ (تجلیات ص ۱۳۷، دوسرا ایڈیشن ص:۹)

صبر وشکر:

حضرت اقدس کو دیکھنے والے جانتے ہیں کہ آپ کی زندگی کا کوئی دور شدائد و مشکلات سے خالی نہیں گزرا ہے اور اخیر عمر میں تو گوناگوں امراض وعوارض میں مبتلا تھے۔ امراض جگر اور وجع مفاصل (جوڑوں کا درد) مستقل تھا۔ اکثر اوقات بخار اور درد بدن رہا کرتا۔ لیکن ان تمام تکالیف پر ہمہ وقت صابر وشاکر رہتے۔ کبھی کوئی شکایت کا کلمہ زبان سے نہ نکلتا بلکہ دل میں بھی شکایت کا تصور نہ ہوتا۔ اکثر اوقات تلخ اور بدمزہ مصلح جگر دوائیں استعمال فرمایا کرتے اور الحمد للہ اور اللہ کا شکر ہے فرمایا کرتے تھے۔

مرض الوفات میں غلط علاج کی وجہ سے حضرت کی تکلیف بہت بڑھ گئی۔ لیکن اس حالت میں ہمہ تن صابر وشاکر رہے اور اپنی کسی ہیئت اور کسی بات سے صبر وشکر میں فرق نہیں آنے دیا۔

مرشدی مولانا حضرت عبدالواحد صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت والا نے مرض الموت میں فرمایا تھا کہ غلط تشخیص اور غلط علاج میری تکلیف کی زیادتی کا سبب ہوا۔ نیز حضرت والا نے فرمایا کہ اندر سے مفردات عرشی اٹھا کر لاؤ اور دھتورہ کی بحث نکالو۔ چنانچہ میں لے آیا۔ دھتورہ کی بحث نکال کر پڑھنی شروع کی، غالبًا لکھا ہوا تھا کہ زیادہ سے زیادہ دو سے تین ماشہ تک مصلح کے ساتھ استعمال کرایا جائے اس سے زیادہ زہر قاتل ہے۔ حضرت والا نے ہنس کر فرمایا کہ مجھے تو ۳۶ ماشہ دھتورہ کھلایا گیا ہے۔ (تجلیات ص ۱۱۹)

اللہ اکبر! کرامت ہی ہے جو اتنی مقدار دھتورہ کی بدن میں پہنچ گئی لیکن صرف تکلیف میں ہی اضافہ ہوا اور حضرت کی زبان مبارک پر کوئی حرف شکایت نہیں آیا۔ اللہ والوں کا ظرف ہے۔

باب نمبر۹

شفقت و حلم اور مسلمانوں کے لئے فکرمندی

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:-

ان من احبکم الیَّ احسنکم اخلاقاً. (بخاری)

میرے نزدیک زیادہ محبوب و پسندیدہ وہ شخص ہے جس کے اخلاق عمدہ ہوں۔

تمام اہل اللہ میں یہ خوبی قدر مشترک ہوتی ہے کہ وہ اخلاق و کرم کے بلند مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ جب ”خلق عظیم“ کے حامل تھے تو ضرور ہے کہ ان کے نائبین بھی اس صفت کے ساتھ حسب استعداد متصف ہوں۔ ہاں طبیعتوں کے اعتبار سے اس کا رنگ الگ الگ ہوتا ہے۔

بعض بزرگوں کی طبیعت میں جلال کا اثر ہوتا ہے تو ان کے اخلاق میں بھی یہ رنگ نمایاں ہوتا ہے۔ اور بعض بزرگوں کی طبیعت میں جمال ہوتا ہے تو وہاں یہی رنگ چھایا ہوا ہوتا ہے۔ ہمارے حضرت اقدس قدس سرہٗ سراپا جمال تھے، گو کہ آپ کا ظاہری قد و قامت نہایت بارعب اور پروقار تھا، لوگ دیکھتے ہی ہیبت زدہ اور مرعوب ہوجاتے مگر جو آپ سے قریب ہوجاتا وہ گویا چمٹ جاتا۔ اور جدا ہوجانے کا نام نہ لیتا۔

احادیث میں رسول اللہ ﷺ کی شان بتائی گئی ہے کہ **”کان اذا راٰہ بدیھة ھابہ و اذا خالطہ احبہ.“** آپ کو اچانک کوئی دیکھتا تو مرعوب ہوجاتا اور جب آپ سے مل لیتا تو دل و جان سے آپ پر شیدا ہوجاتا۔ بعینہٖ اس شان کا عکس حضرت اقدس نوراللہ مرقدہ کی ذات میں نظر آتا ہے۔

لوگوں سے ملنے کا انداز یہ تھا کہ آپ ہر ایک سے انتہائی بشاشت اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے، ہر آنے والے سے سلام و مصافحہ کے ساتھ ساتھ معانقہ بھی کرتے، خواہ وہ کوئی ہو اور خواہ کتنی ہی تعداد میں ملنے والے ہوں اور سنت کے مطابق

ہرایک کا نام، اس کا وطن اوراس کی قوم کودریافت فرماتے۔

کبھی کسی کے ساتھ سختی کے ساتھ معاملہ نہ فرماتے اور نہ چیں بجبیں ہوتے۔ لوگ مختلف ضرورتوں سے آتے اگر کوئی شخص اللہ کا نام سیکھنے آتا تو اس سے بہت خوش ہوتے اوراس کی نہایت قدرفرماتے کیونکہ یہی کام آپ کی زندگی کا اصل موضوع ومحور تھا۔ لیکن اس کے علاوہ لوگ دوسری حاجات دنیوی کے لئے بھی آتے تو آپ خندہ پیشانی کے ساتھ ان کی حاجت روائی کی کوشش کرتے۔ کسی کو خالی ونامراد واپس نہ فرماتے۔ اگرکوئی روپے کا سوال کرتا تو اسے روپے دیتے، کوئی کپڑا مانگتا تو اسے کپڑا عطا فرماتے۔ مریض ہوتا تو دوا دیتے، غرض یہ کہ ہر جائز سوال کے پورا کرنے کی سعی بلیغ فرماتے۔

آنے والوں میں ہرطرح کے لوگ ہوتے ایک بڑی تعداد دیہات کے جاہل گنواروں کی بھی ہوتی۔ جو بزرگوں کے مرتبے سے واقف نہ ہوتے، نہ انہیں آداب برتنے کا ڈھنگ ہوتا، وہ اپنے بے ڈھنگے پن کی وجہ سے بے ادبی بھی کرگزرتے مگر حضرت کی پیشانی پرشکن نہ آتی وہ اپنے اغراض کے حصول کے لئے بہت تنگ کرتے، مگر حضرت ذرا بھی دل تنگ نہ ہوتے۔ ایسے لوگوں کے سلسلے میں حضرت کا حال کیا تھا؟ اوران کی نظر کہاں تک تھی؟ اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگایئے۔

خدا کا بھیجا ہوا:

میرے شیخ ومرشد حضرت مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی ننگے پاؤں آیا۔ اس کے پاؤں میں کیچڑ لگی ہوئی تھی۔ اس نے مسجد میں داخل ہونے کے لئے جلدی جلدی پاؤں دھویا۔ کچھ مٹی صاف ہوئی اور کچھ پاؤں میں لگی رہ گئی۔ اسی حالت میں وہ حضرت صاحب کے پاس آیا۔ حضرت صاحب مصلے پر تشریف فرماتھے، وہ دوسری طرف سے آیا اور حضرت صاحب کے قریب ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس کا وہ پاؤں جس پر مٹی لگی ہوئی تھی۔ ٹھیک اس جگہ پڑا جہاں سجدے

میں حضرت صاحب کی پیشانی پڑتی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت الجھن ہوئی۔ حضرت صاحب کے سامنے اسے ٹوکنا بے ادبی تھی۔ میں منتظر رہا کہ حضرت صاحب دوسری طرف متوجہ ہوں تو اسے تنبیہ کروں۔ حضرت صاحب نے دوسری طرف توجہ کی اور میں نے انگلی سے اس کو ایک ٹھوکا دیا۔ زبان سے کچھ نہ کہا، حضرت صاحب نے فوراً فرمایا۔ نہیں بیٹا کچھ نہ کہو، اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہے۔

اندازہ کیجئے کہ آنے والے پرنگاہ نہ ہوتی، نگاہ اس پر ہوتی تھی کہ اللہ کی مشیت سے یہ شخص آیا ہے۔ اور جب اس ذات عالی تک نگاہ پہنچ گئی تو ظاہر ہے کہ اس کا ادب غالب آکررہا۔ اب نگاہ میں نہ آنے والا یہ شخص ہے اور نہ اس کی بے ادبی ہے، بس نظر میں ایک اللہ کی ذاتِ عظیم ہے۔ اللہ اکبر! استحضار کی یہ شان تھی۔

حضرت اقدس کا تحمل:

تجلیات شیخ ہالیجویؒ کے مصنف مولانا دھنی بخش فرماتے ہیں کہ:-

’’چونکہ حضرت والا پر وصف جمال غالب تھا اسلئے طبع مبارک پر کبھی تکدر محسوس نہیں ہوتا تھا۔ احقر ایک مرتبہ خانقاہ کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ مولوی عبداللطیف صاحب کسی شخص پر ناراض ہورہے ہیں میرے دریافت کرنے پر کہنے لگے کہ حضرت والا دن بھر لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہتے ہیں، ہرایک کی حاجت سرانجام دینے کی پوری کوشش فرماتے ہیں، پھر بھی لوگ خوامخواہ تنگ کرتے ہیں۔ یہ شخص حضرت والا سے دعا کرا کے رخصت ہوکر چلا گیا پھر لوٹ آیا اور دوبارہ دعا کرائی۔ پھر واپس ہوا اور اب تیسری مرتبہ آکر پھر دعا کرارہا ہے۔

مولوی عبدالرشید صاحب جو کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کے شاگرد ہیں، نقل فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا بنوری نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حضرت والا کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک شخص سندھی آیا۔ اور حضرت سے عرض کیا کہ میرے لئے دعا فرمائیں۔ حضرت والا نے دیر تک دعا فرمائی۔

پھر اس نے کہا کہ میرے لئے تعویذ لکھ دیجئے۔ تعویذ لکھ کر دیا پھر اس نے کہا کہ میرے لئے نسخہ لکھ دیجئے۔ حضرت ولا نے نسخہ لکھا اور دوا بنانے کی ترکیب اور استعمال کی ترکیب بھی سمجھائی۔

اس کے بعد اس نے پھر کہا کہ میرے پاس پیسے دوا کے لئے نہیں ہیں۔ آپ مجھے پیسے بھی عنایت فرما دیجئے۔ ان سب باتوں کے باوجود حضرت والا کے طبع مبارک پر ذرا بھی گرانی نہیں ہوئی۔ آپ اس کے ہر سوال کو سنتے رہے اور پورا فرماتے رہے۔

حضرت مولانا نے فرمایا کہ اس شخص کے اس قدر تنگ کرنے سے مجھے غصہ آ گیا، اگر وہ میرے ساتھ یہ معاملہ کرتا تو میں اس کے منہ پر طمانچہ مار دیتا۔ مگر میں حضرت والا کے تحمل وحسن اخلاق کو دیکھ کر متحیر رہ گیا۔ (تجلیات ص ۵۱)

مرض الوفات کا ایک واقعہ:

صاحب تجلیات مزید لکھتے ہیں کہ جن ایام میں حضرت والا مرض الموت میں بستر علالت پر تھے، بندہ حقیر بھی زیارت وملاقات کے لئے حاضر ہوا تھا۔ دن میں کسی کسی وقت حاضرین خانقاہ کو زیارت وملاقات کی اجازت ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ اندرون خانہ زیارت کے لئے بلایا گیا۔ سب لوگ اندر پہنچ گئے۔

حضرت والا نے قرآن کریم کی کوئی آیت تلاوت فرمائی اور نہایت مؤثر وعظ فرمایا۔ جب جماعت کے لوگ رخصت ہونے لگے تو ایک شخص نے کہا کہ میں یا میرا کوئی عزیز بیمار ہے، حضرت والا دعا فرمادیں، حضرت والا نے دعا فرمادی، کہنے لگا حضرت نسخہ بھی لکھ دیں، حاضرین مجلس میں سے بعض نے کہا کہ حضرت والا کی طبیعت اس قدر ناساز ہے، تم دیکھ رہے ہو، پھر بھی یہ سوال کرتے ہو۔ دوا علاج کے لئے اور بھی بہت سے حکیم ڈاکٹر ہیں، کہیں اور جا کر نسخہ لکھواؤ۔ کہنے لگے ایسا طبیب کہاں ملے گا۔ آخر کار حضرت والا نے حافظ محمد اسعد صاحب کو بلا کر کہا کہ فلاں نسخہ فلاں بیاض سے نقل کر کے اس فقیر کو دے دو۔ چنانچہ صاحبزادے نے وہ نسخہ نقل کر دیا۔

اس قسم کے واقعات تقریباً روزانہ پیش آیا کرتے تھے۔ مگر حضرت والا لوگوں سے کمال تحمل وشفقت سے پیش آیا کرتے تھے اور کبھی ملال کا اظہار نہ فرماتے تھے۔

دریائے فراواں نشود تیرہ بسنگ
عارف کہ برنجد تنک آبست ہنوز

بڑا دریا پتھر مارنے سے گدلا نہیں ہوتا، جو عارف رنجیدہ ہو جائے سمجھو کہ ابھی اس کا پانی تھوڑا ہے۔

اسلام اور اہل اسلام کے لئے فکرمندی:

حضرت والا کو جن لوگوں نے دیکھا ہے اور ان کے روز وشب کا مشاہدہ کیا ہے، انہیں اندازہ ہوگا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے قلب میں تمام مسلمانوں کی کیسی ہمدردی اور ان کے حق میں کس قدر جذبہ شفقت بھر دیا تھا۔ آپ کی دل وجان سے یہ خواہش اور کوشش ہوتی تھی کہ مسلمان راہ راست پر رہیں۔ اختلاف وتفریق سے بچیں، دینی تعلیم سے بہرہ ور ہوں، ان میں دیانت اور تقویٰ وطہارت کی صفات عالیہ ہوں

اخیر عمر میں جب کہ آپ نے سفر ترک فرما دیا تھا۔ اور ایک جگہ جم کر بیٹھ گئے تھے تو ہر طرح کے لوگ دور اور نزدیک سے آتے تھے، آپ سب کو نصیحت فرماتے تھے۔ دین اسلام پر مضبوطی سے قائم رہنے کا حکم دیتے۔ آپ کی ہر مجلس، دین متین کی تبلیغ کی مجلس ہوتی۔

آپ کی ساری گفتگو **قال اللہ وقال الرسول** پر مشتمل ہوتی۔ کوئی مجلس ذکر اللہ سے خالی نہ ہوتی۔ مردہ دل لوگ آتے اور آپ کی مجلس میں بیٹھ کر دلوں کی زندگی حاصل کرتے، ایمان کی حلاوت، طاعت کی لذت، عبادت کا سرور اور اللہ کی محبت سے تازہ دم ہو کر واپس آتے۔

آپ مسلمانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے سفر بھی کرتے تھے اور یہ سلسلہ پیر ومرشد حضرت مولانا تاج محمود امروٹی علیہ الرحمہ کے دور سے شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ

فقیر محمد صالح بجارانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت امروٹی نے تبلیغ و ارشاد کے لئے اطراف و اکناف میں وفد روانہ کئے اور حضرت والا کو ان کا قائد اور امیر مقرر کیا۔ حضرت والا اپنے رفقاء کے ساتھ زادراہ اور دیگر ضروریات اپنے پاس لے کر روانہ ہوئے اور کافی دنوں تک گاؤں گاؤں پھر کر تبلیغ فرماتے رہے۔ اس کے علاوہ بھی تبلیغ کے لئے دوسری بستیوں میں جایا کرتے تھے۔ نیز مدارس کے جلسوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے اور نماز کے بعد درس قرآن بھی دیتے۔

مدرسہ دارالہدیٰ ٹھیڑی ضلع خیرپور میرس کے جلسوں میں اکثر تشریف لے جایا کرتے اور تقریر بھی فرماتے۔ ایک جلسہ میں حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی تشریف لائے تھے، حضرت والا بھی تشریف فرما تھے، صبح کی نماز کے بعد حضرت والا نے قرآن کا درس دیا اور نہایت مؤثر تقریر فرمائی۔ حاضرین مجلس کے دل نہایت متاثر ہوئے۔

حضرت والا اگر چند کلمات بھی بطور وعظ و نصیحت اور اصلاح کے فرماتے تو اس کا اثر لوگوں کے دلوں میں بہت کافی ہوتا۔ حقیقت میں محض واعظوں اور عارفوں کے بیان میں یہی فرق ہے کہ عارف کا بیان قلوب کو متاثر کرتا ہے اور واعظوں کی تقریر صرف کانوں تک پہونچتی ہے۔ (تجلیات ص۶۱)

مسلمانوں کو انتشار سے بچانے کا اہتمام:

حضرت والا تمام مسلمانوں کو اللہ و رسول کی اطاعت پر لانا چاہتے تھے اور فرماتے تھے کہ دنیا و آخرت ہر جگہ نجات اسی میں ہے۔ بعض لوگ فروعی اور مختلف فیہ مسائل میں الجھ کر مسلمانوں میں انتشار پیدا کرتے تھے، تو حضرت کو اس سے سخت تکلیف ہوتی تھی، اس سلسلے میں آپ سے سوال کیا جاتا تو آپ نہایت شدومد سے ان جھگڑوں پر نکیر فرماتے۔

نبی اکرم ﷺ اپنے قبر مبارک میں حیات ہیں، لیکن یہ کس نوعیت کی زندگی ہے

؟ دنیوی یا برزخی؟ یہ ایک علمی اور اجتہادی مسئلہ ہے۔ اس کا تعلق عقائد سے نہیں ہے لیکن بعض لوگوں نے اسی کو بنیاد بنا کر اتنا شوروغوغا مچایا ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اس کے علاوہ اور کوئی اہم مسئلہ اسلام میں ہے ہی نہیں۔ مسئلہ حیات النبی میں جن لوگوں نے انکار کی راہ اختیار کی ہے وہ بہت آگے نکل گئے ہیں۔ عوام حیران ہیں کہ اس کا تصفیہ کیسے ہو؟ حضرت اقدس کی مجلس مبارک میں بھی یہ سوال اٹھایا جاتا تھا۔ آپ نے اسی طرح ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:-

”حیات النبی ﷺ اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ انبیاء کرام علیہ السلام قبروں میں زندہ ہیں، ان کے جسم مبارک محفوظ ہیں یہ بات حدیث شریف سے ثابت ہے، ہمیں اس بات کا مکلّف بنایا گیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو خدا کا عبد اور نبی تسلیم کریں۔ ہم ہر نماز میں بھی یہی اقرار کرتے ہیں کہ **ان محمداً عبدہ ورسولہ** اس سے زیادہ کا ہمیں مکلّف نہیں بنایا گیا ہے۔

ہم یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ساری مخلوق سے افضل اور خیر الخلق آپ ہی کی ذات مقدس ہے۔ جو سب سے اچھا معاملہ ہوگا۔ وہی حضور ﷺ کے ساتھ ہوگا۔ باقی اس بات میں پڑنا کہ یہ زندگی کیسی ہے؟ دنیوی ہے کہ برزخی؟ بے سود ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ امت میں افتراق کا سبب ہے اس میں کوئی نفع نہیں ہے، ہمیں اس کا مکلّف نہیں بنایا گیا ہے۔

آج کل شرک و بدعت کا زور ہے، لوگ جہالت کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ علماء کو چاہیئے کہ اس سے نمٹیں۔ لوگوں میں خدا اور رسول پر ایمان کو مضبوط بنائیں۔ ان کو جہنم سے نجات دلوانے کی جدوجہد کریں۔ اصل کام یہی ہے آج جو لوگ کچھ کام کر رہے ہیں اور دین کا کام کر سکتے ہیں، ان میں شیطان افتراق پیدا کرتا ہے، ان کو آپس میں فروعی مسائل میں الجھا دیتا ہے، تا کہ آپس میں لڑ کر ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں اور دین کا کام رک جائے۔

امت میں اختلافات پیدا کرنے کی سزا علماء کے گلے میں پڑے گی، روز محشر

خدا کے سامنے اہل علم ہی مسئول ہوں گے، کیونکہ ان کے جھگڑنے سے امت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ بلکہ بہت سخت اور شدید ہے، قرآن مجید میں واضح طور پر بتایا گیا ہے ”**ولا تکونوا کا لذین تفرقوا واختلفوا ،الایۃ**“ ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے تفرقہ ڈالا جان بوجھ کر جب کہ واضح آیات اور دلائل بھی سامنے آئے۔

تفرقہ ڈالنے سے دین کا نقصان ہوتا ہے، ان کی عزت بھی ختم ہوجاتی ہے اور لوگ بھی تباہ ہوجاتے ہیں، اس کا جرم ان پر ہے، جنہوں نے تفرقہ ڈالنے کی ابتداء کی۔ ایسے مسائل عوام میں پھیلانا، جن کی عوام کو نہ سمجھ ہو اور نہ ہی ضرورت ہو اور ان مسائل کی وجہ سے صرف تفرقہ پڑے اور لوگ گروہ درگروہ ہوتے چلے جائیں۔ ایک امت کئی گروہوں میں تقسیم ہوتی چلی جائے یہ کام یہود ونصاریٰ کا ہوتا تھا کہ ان کے علماء واحبار حُبّ مال اور حُبّ جاہ کی وجہ سے تفرقے ڈالتے تھے۔ آج مسلمانوں میں بھی یہی کام ہورہا ہے، ایسے ایسے مسائل پیدا ہورہے ہیں جن کا اسلام کی بنیادی باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ مسائل نہ صحابہ کے دور میں پیدا ہوئے نہ سلف صالحین کے دور میں۔

ہم تو یہ حقیقت جانتے ہیں کہ جب ایک مسلمان اس دنیا سے رخصت ہو تو اس کی زبان پر ہو ”**لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ**“ رسول اللہ ﷺ نے جو راستہ دکھایا ہے بس اس پر چلتے جاؤ یہی راہ نجات ہے، اس کو چھوڑ دوگے تو بس وہی راستہ خدا کے غضب کا ہے اور وہی راستہ جہنم کی طرف جاتا ہے۔ یہ ایک بنیادی بات ہے۔

اسلام نے تعصب کی بات نہیں بتائی حتیٰ کہ اسلام میں جماعت کی عصبیت بھی نہیں ہے، اگر ایک مسلمان بھی ظلم کرتا ہے تو آپ اس کے خلاف ہوجائیں اور حق کا ساتھ دیں اگرچہ وہ حق غیر مسلم کے ساتھ ہو، اسلام عدل وانصاف کا پیغام دیتا ہے اور مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ وہ ہر حال میں عدل کا ساتھ دیں۔ (تحفۃ السالکین ج ۲، ص ۲۰۶)

حضرت کا یہ ارشاد بار بار پڑھنے اور دل پر نقش کر لینے کے لائق ہے، اس کا لفظ لفظ سوز میں ڈوبا ہوا ہے۔ مسلمانوں کو تفرقہ سے بچانے اور راہ ہدایت پر چلانے کی کیسی تڑپ تھی؟

یہ تڑپ آپ کے اندر اجتماعاً بھی تھی اور انفراداً بھی۔ جو لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، فرداً فرداً ان کی اصلاح وہدایت کا آپ اہتمام کرتے تھے، اور باطنی فیض رسانی میں سعی بلیغ فرماتے۔ تمام مریدوں پر کامل توجہ فرماتے، اور ہر ایک کو اس کی استعداد کے مطابق ذکر جہری وذکر خفی یعنی ذکر لطائف وقلب کی تعلیم دیتے تھے۔ اور آپ کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ ہر آنے والے کا تعلق اللہ کے ساتھ درست ہو جائے۔ اس لئے ہر شخص کی طرف توجہ تام فرماتے تا کہ وہ مستفیض ہو سکے۔ (تجلیات ص ۵۴)

اخیر میں حضرت اقدس نے سفر بند کر دیے تھے اور اس کی دو وجہ ارشاد فرماتے تھے، اول تو ناسازی طبع کہ حضرت والا جگر کے دائمی مریض تھے، جوڑوں میں بھی مستقل درد رہا کرتا تھا، پھر مزید یہ کہ سارا بدن درد میں مبتلا رہتا تھا، سفر کی صعوبت ناقابل برداشت ہوگئی تھی۔

دوسری وجہ یہ بیان فرماتے تھے کہ لوگ دور دور سے مثلاً پنجاب، حیدرآباد، کراچی، بلوچستان سے ملاقات کے لئے آتے ہیں اگر میں اپنے مستقر پر یہاں نہیں ہوتا ہوں تو ان لوگوں کو بڑی مایوسی ہوتی ہے۔ (تجلیات)

حضرت کی مجالس کا انداز اور تاثیر:

حضرت والا اپنی مجالس میں نہایت موثر انداز میں قرآن وحدیث کا بیان کرتے تھے، اس کے علاوہ اور کوئی ذکر نہ ہوتا، ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ قرآن کریم کا ایک رکوع پڑھ کر بیان فرماتے۔ سامعین بے حد متاثر ہوتے، آپ اپنے مواعظ کو قرآن وحدیث سے مدلل فرماتے۔ مسائل تصوف بھی قرآن وحدیث نیز صحابہ کے اقوال سے بیان فرماتے اپنے مشائخ کے واقعات وملفوظات کم بیان فرماتے، کبھی سیدنا

حضرت عبدالقادر جیلانی کے اور کبھی حضرت پیر محمد راشد صاحب کے واقعات یا ملفوظات بیان فرماتے۔

حضرت والا کی صحبت میں بیٹھ کر ہر شخص دنیا سے نفرت و بیزاری اور آخرت سے تعلق محسوس کرتا، اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا ہوتی اور بڑھتی، طاعات سے رغبت اور گناہوں سے وحشت ہوتی۔ مردہ دلوں کو حیات تازہ ملتی۔

حضرت والا کی توجہ کامل تمام مریدوں کی طرف ہوا کرتی تھی۔ مخلصین و معتقدین پورا پورا استفادہ کرتے تھے۔ حضرت والا کے اکثر مرید ذاکر و شاغل تھے اور ذکر اللہ سے ان کے قلوب مطمئن ہوتے تھے۔ حضرت کی صحبت میں دنیا وما فیہا سے بے خبر ذکر میں مشغول ہوتے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کسی کو بجز ذکر حق کے کوئی دوسرا مشغلہ نہیں، نہ تو کسی سے تعلق ہے نہ دنیا میں اللہ رب العزت کے سوا کوئی دوسرا موجود ہے۔ بلکہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی اور جہاں میں پہنچ گئے ہیں اور وہاں کا اصل مشغلہ محض ذکر اللہ ہے (تجلیات)

مدارس دینیہ کا اہتمام:

ہندوستان میں انگریزوں نے مسلمانوں سے حکومت چھینی، اور اپنا تخت سلطنت بچھایا، تو مسلمانوں کا وجود انہیں ہمیشہ کھٹکتا رہا ہے، انگریزی حکومت نے اس ملک میں ایک ایسا تعلیمی نظام رائج کیا، جسے پڑھ کر اور جس میں لگ کر مسلمانوں کا نام تو باقی رہ سکتا تھا لیکن اندر سے اسلامی روح نکل جاتی تھی۔ یہ وقت مسلمانوں کے لئے بڑا خطرناک اور نازک تھا۔ اگر حق تعالیٰ کا خاص فضل وکرم نہ ہوتا تو اس سفید قوم نے مسلمانوں پر سیاہی پھیر دینے کا قطعی فیصلہ کر رکھا تھا، مگر حق تعالیٰ نے مدد فرمائی اور علماء و مشائخ نے حکومت کی مخالفت اور حالات کی ناموافقت کے باوجود ہندوستان کے طول وعرض میں مدارس و مکاتب اسلامیہ کا وسیع سلسلہ قائم کر دیا۔ حکومت تو گئی لیکن دین نہ رخصت ہو۔ اس کے لئے علوم دینیہ کے مراکز کی بنیاد ڈالی، عوامی طرز کے ان مدارس نے اپنی اپنی وسعت کے مطابق دین وعلم دین کے چراغ روشن کر دیئے۔ مخالفت کی آندھیاں چلتی رہیں مگر یہ چراغ بھی اپنی روشنی سنبھالے رہے، اسی کا فیض ہے کہ آج ہندوستان و پاکستان ہر جگہ اسلام زندہ و تابندہ ہے۔

پاکستان کے وجود میں آجانے کے بعد بھی ان مدارس کی اہمیت کم نہیں ہوئی، کیونکہ انگریزوں نے مسلمانوں کی جس نسل کو اپنے تعلیمی نظام میں داخل کر کے بگاڑ دیا تھا، اس کے بس کی بات نہیں ہے کہ دین کی حفاظت کر سکے اور اتفاق ایسا کہ نظام حکومت جن ہاتھوں میں آیا، وہ اسی انگریزی نظام تعلیم کے ساختہ اور پروردہ تھے، اس لئے علماء کی ذمہ داری اب بھی باقی رہی، حضرت والا کو اس کی اہمیت کا احساس تھا، اسلئے حضرت اقدس جہاں ذاکرین وسالکین کی آمد سے مسرور ہوتے تھے وہیں ان حضرات سے بھی بہت خوش ہوتے تھے جو کسی جگہ دینی مدرسہ یا مکتب قائم کرنے کا ارادہ کرتے، خود بھی پنوعاقل میں ایک مدرسہ قائم کیا۔

حضرت کے سامنے اگر کوئی مدرسہ قائم کرنے کی بات کرتا تو اسے بہت دعائیں دیتے، خود اپنے پاس سے چندہ عطا فرماتے اور یہ بھی ارشاد فرماتے کہ:-

"بیٹا، کسی سے کچھ مت مانگنا، اللہ کے بھروسہ پر کام کرنا۔"

(بروایت مرشدی مدظلہ)

باب نمبر۱۰

سیاسیات میں حضرت کا طرزِ عمل

حضرت اقدس نے تمام دنیا سے علیحدگی اختیار کر کے سالکین وذاکرین کی خصوصاً اور تمام مسلمانوں کی عموماً ہدایت وارشاد کے لئے خود کو یکسو کر لیا تھا اور دم اخیر تک یہی کام کرتے رہے، لیکن ایسا نہ تھا کہ سیاسی حالات اور اس کے انقلابات سے بے خبر ہوں۔ حضرت نے جب آنکھ کھولی تھی تو ہندوستان میں انگریزوں کی عملداری تھی۔ انگریزوں نے یہاں دین وایمان کے حق میں جو تباہی مچائی تھی، وہ آپ کے سامنے تھی پھر جس خانقاہ میں آپ پہنچے وہ صرف ذکر وشغل کی خانقاہ نہ تھی بلکہ انگریزی حکومت کے خلاف ایک فوجی چھاؤنی بھی تھی

حضرت والا کے شیخ ومرشد حضرت مولانا تاج محمود امروٹی علیہ الرحمہ کے متعلق گزر چکا ہے کہ وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کے مشن ''تحریک ریشمی رومال'' کی مرکزی شخصیت تھے، حضرت مدنی علیہ الرحمۃ نے نقش حیات میں لکھا ہے کہ:۔

مولانا عبید اللہ صاحبؒ (سندھی) نے ان کا تعارف حضرت شیخ الہندؒ سے کرایا، متعدد دفعہ دیوبند بھی آئے اور شیخ الہند ان سے ملنے امروٹ بھی تشریف لے گئے اور مشن آزادی میں شریک کار کیا، تحریک خلافت میں نہایت جوش وخروش سے آخر وقت تک شریک رہے ان کا مقام سندھ کے ان اضلاع میں حضرت شیخ الہند کے مشن کا مرکز رہا، گورنمنٹ نے اشتباہات کی بناء پر ان کو گرفتار کیا، پھر چند دنوں کے بعد رہا کر دیا۔ (نقش حیات ص ۱۹۶ ج ۲)

اور حضرت مولانا ابو الحسن علی میاں ندوی ''پرانے چراغ'' میں لکھتے ہیں کہ:۔

''مولانا سید تاج محمود امروٹی پر جلال اور جذبہ جہاد غالب تھا، کرامات جلیہ کا ان سے ظہور ہوا، کئی بار انگریزوں کو چیلنج کیا اور ان کے مقابلے میں آ گئے۔ حکومت نے شورش عام کے خطرے سے طرح دے دی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بڑا اخلاص واختصاص تھا، ایک مرتبہ ان کی خدمت میں بڑے اہتمام سے ایک ٹوپی بھیجی اور اس پر لکھا ''تاج محمود۔'' (ص ۱۴۸ ج ۱)

حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی قدس سرہ کو انگریزوں نے زہر دلوا دیا تھا۔ جس خانقاہ اور شیخ خانقاہ کا یہ رنگ ہو، ظاہر ہے کہ اس کے مرید وخلیفہ میں بھی یہی رنگ آنا تھا۔ چنانچہ حضرت اقدس باوجود اپنی گوشہ نشینی کے انگریزوں کے خلاف تحریکات میں شیخ الہند قدس سرہ اور پھر ان کے جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے قدم بقدم رہے۔

صاحب ''تجلیات شیخ ہالیجوی'' لکھتے ہیں کہ:۔

''چونکہ حضرت والا کو انگریزوں سے بے حد دشمنی تھی، اس لئے انگریزوں کے زمانے میں آزادی چاہنے والی جماعت جمعیۃ علماء ہند میں شامل ہو گئے تھے اور جمعیۃ علماء کے ساتھ پورا پورا تعاون فرماتے تھے۔ جمعیۃ کے جلسوں میں شرکت بھی فرماتے تھے۔

چنانچہ ۱۹۴۴ء میں قصبہ پنوں عاقل کے اندر حضرت والا کے تعاون سے جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس منعقد ہوا اور اس جلسے میں سرتاج مجاہدین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صدر المدرسین دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند بھی تشریف لائے تھے۔ امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی بھی تشریف فرما تھے۔ ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نیز دیگر علماء حق بھی تشریف لائے تھے۔

حضرت والا خود بنفس نفیس جلسہ میں شرک ہوئے، جلسہ بہت کامیاب ہوا بالخصوص حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی تقریر بے نظیر تھی۔ یہاں تک حضرت مولانا سندھی نے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی تقریر تو بے نظیر ہے، مگر افسوس کہ سندھی حضرات اردو نہ جاننے کی وجہ سے سمجھ نہ سکے اگر کوئی مولانا

کی تقریر کا ترجمہ کر سکتا ہو تو کر دے، کسی نے مختصر ترجمہ کیا، لیکن ترجمہ کا حق ادا نہ ہو سکا،

اس کے بعد ۱۹۴۴ء میں جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس حیدر آباد (سندھ) میں منعقد ہوا، جس میں بڑے بڑے علماء خصوصاً حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب، شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند اور دیگر علماء تشریف لائے تھے، حضرت والا بھی اس اجلاس میں شریک ہوئے تھے اس جلسے کی صدارت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمائی۔

مولانا عبدالجبار صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند نے تعارفی تقریر میں کہا کہ یہ حسن اتفاق ہے کہ فاتح سندھ محمد بن قاسم تھے اور آج جلسۂ سندھ کی صدارت طیب بن قاسم کر رہے ہیں۔ (قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمۃ مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمۃ کے پوتے تھے۔)

انگریزوں کے دور میں پوری زندگی حضرت والا جمعیۃ علماء ہند میں شریک رہے اور تقسیم ملک کے بعد مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے اندر علماء پاکستان کا اجتماع حضرت مولانا احمد علی لاہوری کی صدارت میں ہوا اور نئی تنظیم ''جمعیۃ علماء اسلام'' کے نام سے قائم کی گئی۔ حضرت والا خود مع اپنی جماعت کے جمعیۃ علماء اسلام میں شریک ہوئے اور اس کے ساتھ تعاون فرماتے رہے اور اپنے مریدوں کو بھی حصہ لینے کی تاکید فرماتے رہے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی سابق ناظم جمعیۃ علماء اسلام نے بیان کیا کہ حضرت والا جس وقت مرض الموت میں صاحب فراش تھے۔ میں زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ حضرت والا اندر تشریف فرما تھے، بیماری کے سبب باہر تشریف نہیں لا سکتے تھے، مجھے اندر بلوالیا اور مختصر گفتگو فرمائی۔ مجھ سے پوچھا کہ کیسے تشریف آوری ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ جمعیۃ علماء اسلام کے سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے آدمی بھیج کر خلیفہ اعظم حضرت مولانا احمد دین صاحب نیز دیگر اہل جماعت کو اندر بلوایا۔ اور جمعیۃ علماء

اسلام کی تنظیم وتعاون کے لئے تاکید فرمائی (ص ۶۴)

انگریز اور انگریزیت کے سلسلے میں حضرت اقدس اس قدر حساس تھے کہ انہوں نے اس کی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کبھی گوارا نہیں کی۔ وہ اس قافلہ غیرت وحریت میں شامل تھے۔ جس نے انگریزوں سے کبھی صلح نہیں کی۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء میں جہاد کیا۔ انہوں نے اپنے کرتے میں کبھی انگریزی بٹن نہیں لگائے۔ ان کے استاذ حضرت مولانا مملوک العلی صاحب نانوتوی علیہ الرحمۃ کو کسی مجبوری سے ایک انگریز افسر سے مصافحہ کرنا پڑا تو اسے الگ کئے رہے تا آنکہ اس کو صابن سے خوب خوب صاف کیا۔ حضرت نانوتوی کے شاگرد حضرت شیخ الہند کو انگریزوں سے جتنا تنفر تھا، دنیا جانتی ہے۔ ان سے کسی نے کہا کہ حضرت انگریزوں میں کوئی خوبی بھی ہے، تو ہنس کر فرمایا کہ ہاں ان کے کباب بہت اچھے ہوں گے۔ خوبی بھی بتائی تو ایسی جس میں ان کی ہلاکت ہو۔ خود حضرت انگریزوں کے خلاف جہاد میں ہمیشہ سر گرم رہے۔ اور انگریزوں نے انہیں زہر بھی دلوایا تھا جس کی تکلیف انہیں اخیر عمر تک رہی۔

حضرت اقدس علیہ الرحمۃ اس سلسلے میں اتنے حساس تھے کہ خود فرمایا کہ:-

''گھڑی میں جو ہندسے انگریزی میں لکھے ہوئے ہیں، میں نے اب تک ان کو پہچاننے کی کوشش نہیں کی بلکہ ایک سے شمار کرنا شروع کرتا ہوں، اور پھر وقت معلوم کرتا ہوں۔ (تجلیات ص ۶۴)

انگریزی جو آدمی کو دین سے باغی اور انگریز بناتی ہے، حضرت اس کے سخت مخالف تھے اور واقعہ یہی ہے کہ اس تعلیم سے انگریزی زبان تو بعد میں آتی ہے، پہلے آدمی انگریز بن جاتا ہے اس تعلیم کا فیشن یہی ہے کہ پڑھنے والا سب سے پہلے اپنے دین سے بیزاری کا اعلان کرتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ جن کے دلوں میں دین کی قدر و قیمت ہے وہ اس صورت حال کو کبھی گوارہ نہیں کر سکتے۔ حضرت اقدس عربی مدارس میں انگریزی زبان کی تعلیم کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ صاحب تجلیات نے لکھا ہے کہ۔

”مدرسہ دار الفیوض کندکوٹ جس وقت شروع کیا گیا تو شوریٰ کے بعض ممبران نے یہ تجویز پیش کی کہ انگریزی تعلیم کا شعبہ بھی اس میں قائم ہونا چاہیئے۔ اکثر ممبران شوریٰ نے اس کی مخالفت کی، آخر یہ طے پایا کہ اس سلسلے میں حضرت والا سے مشورہ کیا جائے اور حضرت والا جو فیصلہ فرمادیں اس پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ میر صبح صادق مہتمم مدرسہ مذکورہ چند رفقاء کے ساتھ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس معاملہ کو پیش کیا۔

حضرت والا نے انگریزی کی سخت مخالفت کی اور فرمانے لگے کہ اگر نجاست بد بودار کو عطر خوشبودار کے ساتھ رکھ دیا جائے تو نجاست کی بد بو عطر کی خوشبو پر غالب آجائے گی اسی طرح انگریزی کو مدرسوں میں رکھا جائے تو انگریزی علوم دینیہ پر غالب آجائے گی۔ اور طلبہ کی توجہ انگریزی کی طرف ہوجائے گی۔ آہستہ آہستہ مدارس عربیہ انگریزی اسکول میں تبدیل ہوجائیں گے اگر واقعی آپ لوگوں کو انگریزی تعلیم دلوانی ہے تو انگریزی اسکول کو مدرسے سے میل دو میل دور رکھیں۔“ (ص ٦۴)

حضرت والا اپنی بصیرت سے یہ فرمارہے ہیں اور ہم نے اپنی آنکھوں سے عربی مدرسوں کو انگریزی اسکولوں میں تبدیل ہوتے دیکھا ہے۔ اور انگریزیت کے غالب آنے کا مشاہدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ (آمین)

باب نمبر۱۱

علماء و مشائخ کی نظر میں

حضرت والا سندھ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ سندھ ہی کے ان مدارس میں تعلیم حاصل کی جو باکمال لیکن گمنام مدرسین اور تھوڑے سے طالب علموں پر مشتمل ہوتے تھے، پھر سندھ کے انہیں مدرسوں میں تدریس کی خدمت انجام دی۔ سندھ ہی کے ایک باکمال شیخ سے ارادت کا تعلق قائم کیا اور پھر سندھ ہی کے اپنے آبائی گاؤں میں بیٹھ کر مدتوں شمع ہدایت روشن رکھی اور وہیں انتقال فرمایا۔

آپ پوری زندگی سندھ میں مقیم رہے۔ اس کے باہر آپ نے کہیں اور اقامت اختیار نہیں کی، نہ کسی مرکزی مقام کو اپنا مستقر بنایا نہ کسی مشہور مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔ نہ کسی شہرہ آفاق استاذ کے حلقہ میں آپ داخل ہوئے، گویا گمنامی اور خمول کے تمام اسباب مہیا تھے اور فی الحقیقت آپ نے خود کو گمنام رکھا بھی، شہرت و ناموری کا کوئی ذریعہ آپ کے پاس نہیں پھٹکا۔

اسی لئے قریبی حلقوں کو چھوڑ کر دور دراز علاقوں تک آپ کی شہرت نہیں پہنچی۔ البتہ جن علماء کرام کو آپکی خدمت میں پہنچنے اور آپ سے استفادہ کرنے کا موقع مل گیا وہ دل و جان سے آپ کی علمی قابلیت آپ کے روحانی کمالات اور آپ کی عبقریت کے معترف و مداح ہوگئے۔

یہاں چند مشہور اور بلند پایہ مشائخ اور علماء کے اقوال ذکر کئے جاتے ہیں:

۱۔ حضرت مولانا سید تاج محمود امروٹی علیہ الرحمۃ

سب سے پہلے خود حضرت کے شیخ و مرشد کا ارشاد نقل کردینا مناسب معلوم ہوتا

ہے، کیونکہ ایک شیخ اپنے مرید اور ایک استاذ اپنے شاگرد کی صلاحیت ولیاقت کا جیسا معتبر علم رکھتا ہے، دوسرا اسکو نہیں جان سکتا۔ حضرت اقدس ہالیجوی علیہ الرحمۃ نے اپنے شیخ کی خدمت میں ایک طویل عرصہ گزارا ہے اور مدتوں سفر وحضر میں انکی خدمت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:-

''دودھ تو سب نے متھا، مگر مکھن حماد اللہ نے نکالا۔''

مطلب یہ ہے کہ راہ سلوک میں محنت تو بہتوں نے کی مگر محنت کا حاصل جیسا حضرت اقدس کو ملا اور جو بیش قیمت چیز آپ کے دامن مراد میں آئی وہ اور کوئی نہ پاسکا کسی اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ:-

''ہم نے دہی کو بلویا، اس میں سے جتنا گھی نکلا، وہ سب مولانا حماد اللہ لے گئے اب ہم چھاچھ تقسیم کررہے ہیں۔'' (تحفۃ السالکین ص ۱۸)

یہ شیخ ومرشد کی بہت بڑی شہادت ہے، اس سے حضرت والا کے کمالات باطنی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کی پہلی ہی ملاقات میں حضرت امروٹی نے فرمادیا تھا کہ:-

''مولوی صاحب کو جو کچھ پڑھانا تھا، یا دینا تھا، میں نے دے دیا'' ۔(تجلیات ص ۲۲)

حالانکہ اس وقت تک ظاہری طور پر کچھ تعلیم نہیں فرمائی تھی، یہ اللہ کا خاص فضل تھا۔ ''یوتیه من یشآء .''

۲۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ

گزر چکا ہے کہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ ۱۹۴۲ء میں قصبہ پنو عاقل میں جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں تشریف لائے تھے، اس موقع پر حضرت والا سے فرمایا کہ:-

''اگر آپ دیوبند تشریف لے چلتے تو اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہوتا، ہم لوگ آپ

سے معرفت الٰہی اور تعلق مع اللہ کا سبق سیکھتے۔'' (تحفہ السالکین ص ۱۸، ج ۱)

۳۔ حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی علیہ الرحمۃ

حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی علماء دیوبند میں ایک ممتاز شان کے مالک ہیں۔ محدث العصر حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ کے خاص تلامذہ میں سے ہیں۔ مدتوں ان کے ساتھ رہ کر علوم کا استفادہ کیا ہے۔ شاہ صاحب کی بخاری شریف کی درسی تقریریں عربی زبان میں مرتب کرکے فیض الباری کے نام سے چار جلدوں میں تحریر فرمائی۔ یہ کتاب حدیث کے معانی ومعارف کا ایک سمندر ہے جو چاروں جلدوں کے کوزہ میں بند ہے، اس کے علاوہ ترجمان السنہ ان کی بہت مشہور و مقبول اور بہت قابل قدر تصنیف ہے۔ آخر عمر میں مدینہ طیبہ زادھا اللہ شرفاً میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ وہیں انتقال ہوا، طریقت میں حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب کٹھوری علیہ الرحمۃ کے مجاز تھے اور وہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے۔ ان سے ملاقات اور گفتگو کا مفصل واقعہ مرشدی حضرت مولانا عبد الواحد صاحب مدظلہ نے نقل فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:-

''۱۹۶۴ء میں فقیر کو حرمین کی حاضری کا شرف نصیب ہوا۔ مدنیہ منورہ حاضری پر حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی ثم المدنی سے غائبانہ مناسبت کی وجہ سے زیارت کا بہت اشتیاق تھا۔ اتفاقاً مکان بھی وہی ملا جس کے اندر حضرت مولانا کا قیام تھا۔ صبح کا وقت تھا، دولت کدہ پر حاضر ہوا، تو حضرت کے خادم ملے، ملاقات کی اجازت طلب کی تو کچھ توقف کے بعد فرمایا کہ اچھا آجاؤ۔ (بعد میں معلوم ہوا کہ ملاقات کا وقت شام کو ہے) اندر گیا تو حضرت مولانا چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے، سامنے بیٹھ گیا۔ فرمایا کہاں سے آئے ہو؟ عرض کیا پاکستان سے۔ فرمانے لگے کچھ پڑھا لکھا بھی ہے؟ عرض کیا حضرت معمولی عربی و فارسی، فرمایا دیوبند سے فارغ نہیں ہو؟ عرض کیا کہ حضرت دیوبند حاضر ہوچکا ہوں، تو فرمایا کہ پھر یہ کیوں نہیں کہتے کہ فاضل دیونبد ہوں۔ پھر

فرمایا کہ کس سے تعلق ہے، میں نے کہا کہ سندھ میں ایک بزرگ حضرت مولانا حماد اللہ صاحب تھے ان سے تعلق ہے۔ فرمایا تمہارا کیا تعلق ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت میرا کیا تعلق ہوسکتا ہے، میرے لئے یہی سعادت کافی ہے کہ میں حضرت کے غلاموں میں شامل ہوں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ تم کو اجازت نہیں ہے، میں نے عرض کیا حضرت والا نے یہ فرمایا تھا کہ بیٹا تم کو اجازت ہے کام کرو، یہ سن کر فرمایا کہ پھر یہ کیوں نہیں کہا کہ میں ان کے خلفاء یا مجازین میں سے ہوں۔ خلفاء اور مجازین میں اچھی طرح یاد نہیں ہے کہ ان دونوں لفظوں میں سے کون سا لفظ استعمال کیا۔ اغلب گمان لفظ خلفاء کا ہے اس کے بعد فرمایا کہ:-

”حضرت مولانا حماد اللہ صاحب کو عارف باللہ تو سارا عالم تسلیم کرتا ہے مگر ظاہری علوم میں بھی ان کے پائے کا کوئی عالم نہیں۔“ (تجلیات ص ۴۱)

۴۔ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

صاحب ”تجلیات شیخ ہالیجوی“ مولانا ابوالحسن دھنی بخش مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ مولوی نورالدین جو کہ میرے رفقاء میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ میں چند ساتھیوں کے ہمراہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی عیادت کے لئے ملتان حاضر ہوا، حضرت شاہ صاحب بستر علالت پر تھے، بوقت گفتگو کسی سلسلے میں حضرت والا کا نام نامی آیا۔

فرمانے لگے کہ:-

”حضرت ہالیجوی کے قلب مبارک میں گناہ کا تصور بھی نہیں آتا، کیونکہ حضرت کا قلب ہمہ وقت اللہ رب العزت کی محبت و یاد میں مشغول و مشغوف ہے، اس لئے گناہ کا تصور کیونکر آسکتا ہے۔ (ص ۴۲)

۵۔ شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب پاکستان کے چوٹی کے علماء میں سے تھے

۔ قرآن کے درس و اشاعت سے انہیں خصوصی شغف تھا، ”تجلیات شیخ ہالیجوی“ میں ہے کہ:-

”حاجی گلاب دین سومرو نے نقل کیا ہے کہ مولانا غلام اللہ خان صاحب راولپنڈی والے سکھر تشریف لائے تھے۔ رات کو تقریر فرمائی۔ درمیان تقریر میں فرمایا کہ تم لوگوں کی بدبختی ہے کہ تمہارے دیار میں حضرت ہالیجوی جیسا عارف کامل موجود ہے اور تم لوگ ان سے فیض اٹھانے سے محروم ہو۔ میں جب بھی سکھر آتا ہوں سب سے پہلے پنوعاقل آتا ہوں وہاں حضرت ہالیجوی کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوں۔“

مولانا غلام اللہ صاحب نے فرمایا کہ:-

”میں نے دو شخصوں کو دیکھا ہے کہ علم ظاہری کے ساتھ عارف کامل بھی ہیں، ایک پنجاب میں، دوسرے سندھ میں، مگر حضرت ہالیجوی معرفت میں پنجاب والے بزرگ سے بہت بلند و بالا ہیں۔“ (ص ۴۳)

نیز انہوں نے فرمایا کہ:-

”اور بزرگوں کی کرامتیں تو کبھی کبھی ظاہر ہوئی ہیں لیکن حضرت ہالیجوی سے روزانہ کرامت ظاہر ہوتی ہے، اسّی (۸۰) سال کا بوڑھا انسان روزانہ فجر کی نماز سے ۱۲؍ بجے دن تک اور ظہر کی نماز سے عشاء کی نماز تک قرآن وسنت کا بیان کرتا رہتا ہے اور خلق خدا کی اصلاح و ہدایت میں مصروف رہتا ہے، اس سے بڑی کرامت کیا ہوسکتی ہے۔“ (تحفۃ السالکین ص ۱۹، ج ۱)

۶۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالغنی صاحب جاجرویؒ

تحفۃ السالکین میں شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالغنی صاحب جاجرویؒ کا قول نقل کیا ہے کہ:-

حضرت شیخ (ہالیجوی) کو خدا کی اس درجہ معرفت حاصل ہے کہ عقل حیران ہے خود پیر طریقت ہیں لیکن عام پیروں کے برخلاف رات دن علم دین اور علماء کی تعریف

وتوصیف فرماتے ہیں کسی انسان کی حکایت وشکایت کا زبان مبارک پر گزر نہیں ہے، حضرت شیخ سے ملنے کے بعد حضرت امروٹی قدس سرہٗ کی زیارت سے محرومی کا احساس جاتا رہتا ہے۔‘‘ (ص۱۹، ج۱)

۷۔ محدث کبیر علامۃ العصر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نور اللہ مرقدہ

آخر میں ہم محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری علیہ الرحمہ کے ارشادات نقل کرتے ہیں۔ حضرت بنوری کو حضرت والا سے خصوصی تعلق تھا۔ ہالیجی شریف برابر حاضر ہوا کرتے تھے، وہ حضرت والا کے نہایت درجہ معتقد اور مداح تھے، ان کے کچھ ارشادات پہلے بھی گزر چکے ہیں وہ فرماتے ہیں:-

’’حضرت ہالیجوی متقدمین صوفیاء کرام کی صف کے ایک فرد ہیں، تصوف میں ان کا مقام بڑا بلند ہے۔‘‘ (تحفۃ السالکین ص۱۹، ج۱)

حضرت اقدس کے تبحر علمی اور حسن اخلاق اور شفقت وکرم کے سلسلے میں حضرت مولانا بنوری کے حوالے گزر چکے ہیں۔ حضرت کی شان معرفت اور زہد وعبادت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:-

’’حضرت شیخ حماد اللہ ہالیجوی رحمہ اللہ عالم، عارف، زاہد وعابد تھے، اپنے علوم ومعارف میں نہایت صاحب تحقیق تھے، ذکر کے اسرار وخواص سے خوب واقف تھے۔ علماء واولیاء میں بہت کم لوگ آپ کے برابر ہوئے ہیں۔ وہ طبیب حاذق بھی تھے، مرشد وہادی بھی تھے، سنت نبوی کے متبع تھے، اتباع شریعت سے بڑا شغف رکھتے تھے۔ تجلی صفات سے بلند ہوکر تجلی ذات تک پہونچ چکے تھے، وہ اس سے بے نیاز تھے کہ کوئی انہیں پہچانے یا ان سے فیض حاصل کرے، میں نے ان کی خصوصیات میں کسی کو ان کے مثل نہیں دیکھا۔ ہاں دار العلوم دیوبند کے مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی قدس سرہٗ بھی ایسے ہی تھے۔

حضرت مفتی صاحب کی شان یہ تھی کہ جب ۱۳۴۷ھ ہجری میں ان کا وصال ہوا تو ہمارے شیخ امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری نے فرمایا کہ ہماری جماعت میں جو سب سے افضل عند اللہ تھے، چل بسے۔

حضرت عارف سندھی کو ان کے معاصرین نے کم پہچانا، اور ان کے باطنی کمالات سے جیسا استفادہ کرنا چاہیئے تھا، لوگوں نے نہیں کیا۔‘‘ (سلک العقیان ص۱۶)

حضرت اقدس کے عام شمائل وخصائص کے سلسلے میں حضرت بنوری نے تحریر فرمایا کہ:-

’’شیخ ہالیجوی علیہ الرحمۃ عالم وعابد، زاہد وحلیم اور باوقار تھے، میں نے جن اصحاب فضل وصلاح کو دیکھا ان میں ریاء ونمود سے بعید تر اور خلق خدا میں زاہد تر ان کو پایا۔ مشائخ بیعت وارشاد میں نہایت حلیم وبردبار تھے۔ بڑے صاحب کشف تھے، ان کا کشف بہت واضح اور صحیح ہوتا تھا۔ مخلوق خدا کی نفع رسانی میں بہت حریص تھے، علماء اور درویشوں سے بہت محبت رکھتے تھے اور ارباب دولت وثروت اور حکومت کے بڑے عہدیداروں کی وقعت محض ان کی دنیا کی وجہ سے آپ کے قلب میں قطعاً نہ تھی۔

شدائد وتکالیف پر بڑے صابر تھے، ان کی زندگی نہایت سادہ تھی، کھانے پینے کی لذتوں سے بہت دور، فجر کی نماز پڑھ کر بیٹھ جاتے، لوگوں کو نصیحتیں کرتے، بیعت کرتے، اذکار مسنونہ اور ادعیہ ماثورہ کی تلقین کرتے، لوگوں کی حاجت روائی کے لئے دعائیں بھی بتاتے اور تدبیریں بھی بتاتے۔ وہ ایک طبیب حاذق بھی تھے، ان کے پاس مختلف مجرب دوائیں رہا کرتی تھیں۔‘‘ (سلک العقیان ص۹)

یہ شہادتیں جو یہاں نقل کی گئیں، بڑی وقیع اور اہم شہادتیں ہیں۔ بڑے خوش قسمت تھے وہ لوگ جنہوں نے اس برگزیدہ شخصیت کو پایا اور اس سے استفادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی برکات کو عام وتام فرمائے۔

باب نمبر۱۲

ماہنامہ ’’ضیاء الاسلام‘‘ وقت کی ایک اہم ضرورت

مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور کا دینی وعلمی واصلاحی ترجمان

ماہنامہ **ضیاء الاسلام** شیخوپور

سرپرست: حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی مدظلہ

مدیر: ضیاء الحق خیرآبادی (فاضل دیوبند)

مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور سے شوال ۱۴۲۰ھ سے ایک عام فہم دینی رسالہ ’’ضیاء الاسلام‘‘ کے نام سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ جس میں مختلف دینی و تاریخی موضوعات پر اہم مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے حسن قبول عطا فرمایا، اور اصلاح وہدایت کا ذریعہ بنایا۔

قارئین سے گذارش ہے کہ اس کی اشاعت کیلئے سعی وکوشش کریں، خود بھی اس کے خریدار بنیں اور اپنے دوست واحباب اور متعلقین کو بھی اس کار خیر کی ترغیب دیں۔ سالانہ زرتعاون ایک سو پچیس روپئے (125/=) قیمت فی شمارہ بارہ روپئے (12)

پتہ:

منیجر ماہنامہ ضیاء الاسلام، مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور
اعظم گڈھ۔ یوپی 276121

تصانیف

پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت والا علوم باطنی کے ساتھ ساتھ علوم ظاہری میں بھی مرتبۂ کمال کو پہنچے تھے۔ ابتدائی عمر میں مختلف مدارس میں درس وتدریس کا سلسلہ رہ چکا تھا۔ جو کچھ پڑھا اور پڑھایا وہ نہایت تحقیق وتدقیق کے ساتھ پڑھا پڑھایا تھا۔ علم میں گہرا رسوخ حاصل ہوگیا تھا، ضرورت کی کتابیں بھی مہیا کرلی تھیں۔ تحریر وتصنیف سے اگرچہ کوئی خاص لگاؤ نہ تھا اور آخر میں تو لکھنے وغیرہ کا کوئی سلسلہ تھا ہی نہیں، بس ایک دھن تھی کہ زندگی اللہ کی یاد اور اس کی رضا میں بسر ہوجائے۔ اور اللہ کے بندوں کا تعلق اللہ سے صحیح ہوجائے۔ تاہم ایسا بھی نہیں ہے کہ حضرت کی زندگی تصنیف وتالیف سے خالی ہو۔ آپ کی متعدد تالیفات مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ہیں

۱۔ الیاقوت والمرجان

حضرت اقدس کو قرآن کریم سے خصوصی شغف تھا۔ قرآن کریم کی تلاوت نہایت غور وتدبر سے کرتے تھے۔ تفسیروں کا مطالعہ بھی آخر عمر تک جاری رہا۔ حضرت اقدس نے لغات القرآن کے موضوع پر ایک نہایت قیمتی تالیف یادگار چھوڑی ہے، جسے حضرت کے شاگرد رشید مولانا محمد امین اللہ صاحب مدظلہ نے حضرت کی وفات کے بارہ سال کے بعد ۱۳۹۳ ہجری میں شائع کرایا اور اس پر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری علیہ الرحمۃ نے ایک بیش قیمت مقدمہ لکھا۔ اس کتاب کا نام ہے۔

’’الیاقوت والمرجان في شرح لغات القرآن.‘‘

اس کتاب میں حضرت نے قرآن کریم کے الفاظ وکلمات کی عربی کتب لغات کے طرز پر سہل تشریح کی ہے۔ یعنی حروف تہجی کی ترتیب پر پہلے اصل مادہ کو ذکر کیا ہے پھر اس سے بن کر جو کلمات قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں۔ ان کی شرح کی ہے

اوران کلمات کے لئے پارہ نمبراور رکوع کا حوالہ بھی دے دیا ہے۔ تا کہ تلاش کرنے میں آسانی ہو۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ نے اپنے مقدمہ سلک العقیان میں اس کتاب کا تعارف نہایت خوبی سے کرایا ہے۔ ہم اس کی تلخیص یہاں پیش کرتے ہیں۔

’’اس دوراخیر میں قرآنی لغات کو جس شخصیت نے حل کرنے کا اہتمام کیا ہے وہ ہیں اس دور کے زاہد، دیار سندھ کے عارف باللہ، فقیہ اور محدث حضرت مولانا الشیخ حماداللہ ہالیجوی علیہ الرحمۃ، انہوں نے عربی معاجم ولغات کے طرز پر اس کتاب کو لکھا ہے اور اس میں صرف انہیں کتابوں سے مدد نہیں لی ہے جو مفردات قرآنی کے موضوع پر لکھی گئی ہیں بلکہ لغت عربی کی متعدد قدیم وجدید تصانیف اور تفسیر کی مشہور و متداول کتابوں سے اہم اور معتبر چیزیں اخذ کی ہیں۔

پھر صرف اتنا ہی نہیں کیا ہے کہ لفظ کا معنیٰ بتا دیا ہو بلکہ اس مادہ سے قرآن میں جو بھی لفظ آیا ہے ماضی ہو یا مضارع، اسم فاعل یا اسم مفعول، مثبت ہو یا منفی ہر ایک کو ذکر کیا ہے اور جہاں یہ الفاظ آئے ہیں پارہ اور رکوع کا حوالہ بھی دیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب صرف لغات القرآن نہیں ہے بلکہ الفاظ قرآنی کی فہرست بھی ہے۔

اس کتاب کا پڑھنے والا بیک وقت الفاظ قرآنی کے محل ومقام، ان کے معانی ومطالب اور اگر متعدد جگہوں پر ایک ہی لفظ کے معنیٰ الگ الگ ہوں تو ان سب سے بھی واقف ہو جائے گا۔

پھر اسکے ساتھ ساتھ شیخ نے عموماً ثلاثی مجرد کے ابواب کو بھی ذکر کر دیا ہے۔ یہ چیز لغت میں بہت اہم ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان میں ابواب ومصادر کے بدلنے سے معانی میں کیا کیا تبدیلی ہوتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مصنف کی نظر عربی زبان وادب میں کتنی گہری اور وسیع ہے۔

اجمالی طور پر اس کتاب کے خصائص وامتیازات درج ذیل ہیں:-

۱۔ یہ کتاب حروف تہجی کی ترتیب پر مادہ لغت کے لحاظ سے کلمات قرآنی کی مکمل فہرست ہے۔
۲۔ قرآن کریم کے کلمات کی مکمل شرح ہے۔
۳۔ الفاظ کی شرح میں کتب لغت اور کتب تفسیر دونوں ماخذوں سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔
۴۔ اس میں نحو اور لغت کے اہم مباحث بھی ہیں۔
۵۔ ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عموماً ثلاثی مجرد کے ابواب کو بھی ذکر کر دیا ہے۔
۶۔ ایک لفظ کے متعدد معانی میں سے، معتبر کتب تفاسیر کے حوالے سے قوی اور قابل اعتماد کو ترجیح دی ہے۔
۷۔ صلات کے بدلنے سے معانی کی تبدیل کو بھی ذکر کر دیا ہے، ملاحظہ ہو لفظ استویٰ کی تشریح۔
۸۔ اعتقادی مسائل میں سلف صالحین کے فکر کا اتباع کیا گیا ہے، متاخرین اہل علم کی تاویلات کو نہیں اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ استواء کی تشریح میں حضرت نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

حضرت اقدس کی حیات میں یہ کتاب شائع نہیں ہوئی تھی اور نہ حضرت نے اس کا کوئی نام رکھا تھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری علیہ الرحمہ نے اس کا مذکورہ بالا نام تجویز کیا ہے۔

یہ کتاب ’’دریا بکوزہ‘‘ کی ہو بہو مصداق ہے، اتنی خصوصیات کی جامع ہونے کے باوجود مختصر اتنی ہے کہ صرف ۳۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۔ الاشارات الحمادیہ لحل المعصلات القرآنیہ

حضرت اقدس نوراللہ مرقدہ قرآن کریم کے جس نسخے میں تلاوت کرتے تھے

اور جمعہ کے دن وعظ وتذکیر کے دوران ہاتھ میں رکھتے تھے، اس کے حاشئے پر دوران مطالعہ کچھ حواشی اور تعلیقات حضرت نے لکھ لئے تھے۔

حضرت کے تلمیذ رشید مولانا محمد امین اللہ صاحب مدظلہ نے اسے بھی سورتوں کی ترتیب پر مرتب کر کے شائع کر دیا ہے۔ ”الیاقوت والمرجان“ کی طرح یہ بھی بہت نافع اور کار آمد معلومات کا خزانہ ہے یہ اشارات حضرت نے عربی زبان میں لکھے ہیں۔

۳۔ لغات القرآن (سندھی)

سندھی زبان میں سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے کلمات قرآنی کی شرح کی ہے، یہ بھی شائع ہو چکی ہے۔

۴۔ شرح منظومہ اسماء حسنی

حق تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ عربی زبان میں بصورت نظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی طرف منسوب ہیں۔ اس کی شرح حضرت نے عربی زبان میں تحریر فرمائی ہے۔ یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے، جو ”الیاقوت والمرجان“ کے ساتھ مطبوع ہے۔

۵۔ الینا بیع الصافیہ فی حکم المسائل الثمانیہ

یہ ایک مختصر رسالہ فارسی زبان میں ہے، اس میں حضرت نے آٹھ سوالات کے جواب قرآن وحدیث اور کتب فقہ کے حوالے سے نہایت مدلل اور جامع اختصار کے ساتھ تحریر فرمائے ہیں۔

سوالات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ اولیاء اللہ کو حاضر وناظر اور مغیبات سے واقف اعتقاد رکھنا کیسا ہے؟

۲۔ انبیاء واولیاء کو مالک نفع وضرر سمجھنے کا کیا حکم ہے؟

۳۔ اولیاء اللہ سے اپنی حاجات کا اس طرح سوال کرنا کہ میری فلاں ضرورت پوری کر دیجئے، کیا حکم رکھتا ہے؟

۴۔ حل مشکلات کے لئے ایسے وظائف پڑھنا جن میں بے معنی کلمات ہوں، پھر ان پر رقص کرنا، نعرہ لگانا، کیسا ہے؟

۵۔ اولیاء اللہ کے نام پر بکری وغیرہ کی نذر ماننے کا کیا حکم ہے؟

۶۔ ما اھل لغیر اللہ بہ کا مفہوم ومصداق کیا ہے؟

۷۔ مختلف رسومات میں نقارہ، دف، طنبور اور دوسرے مزامیر کا بجانا کیسا ہے؟

۸۔ بعض لوگ امور مذکورہ سے منع کرتے ہیں اور بعض انہیں باعث ثواب سمجھتے ہیں، ان میں حق پر کون ہے؟

حضرت اقدس نے ان تمام سوالات کے جواب مذہب اہل حق کے مطابق نہایت محققانہ دیئے ہیں۔ یہ رسالہ بھی ”الیاقوت والمرجان“ کے ساتھ مطبوع ہے۔

تجلیات شیخ ہالیجوی:

یہ حضرت اقدس علیہ الرحمہ کے ملفوظات کا ایمان افروز اور روح پرور مجموعہ ہے، جسے حضرت کے ایک خلیفہ مولانا ابوالحسن دھنی بخش صاحب مدظلہ نے فارسی میں مرتب کیا تھا اور حضرت کے مختصر حالات زندگی بھی تحریر فرمائے تھے۔ سیدی ومرشدی حضرت مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہ نے اس کا اردو ترجمہ کر کے مکتبہ حمادیہ کراچی سے شائع کیا، اس کا دوسرا ایڈیشن مع اضافات کے ابھی حال میں شائع ہوا ہے، زیر نظر سوانح کا اصل ماخذ یہی کتاب ہے۔

۷۔ تحفۃ السالکین (تین حصے)

یہ کتاب بھی حضرت کے مواعظ وملفوظات کا مجموعہ ہے۔ جسے مولانا محمد سلیمان طاہر صاحب نے مرتب کیا ہے۔ حضرت اقدس کی مادری زبان چونکہ سندھی اور

متوسلین بھی زیادہ تر سندھی تھے، اس لئے زیادہ تر مواعظ وملفوظات سندھی زبان میں بیان ہوئے۔ اردوداں حضرات موجود ہوتے تو ان کی رعایت میں اردو زبان میں بھی بیان فرماتے۔ چنانچہ ملفوظات کے اس مجموعہ میں زیادہ تر سندھی زبان اور کہیں کہیں اردو زبان استعمال کی گئی ہے۔ حضرت اقدس کے حفید رشید حضرت مولانا عبدالصمد صاحب ہالیجوی دامت برکاتہم نے نہایت اہتمام کے ساتھ عمدہ کاغذ پر بہترین طباعت کے ساتھ تین حصوں میں شائع کردیا ہے۔

۸۔ خطبات (دو حصے) (سندھی)

جمعہ کے دن حضرت والا مجمع عام میں ایمان کو تقویت دینے والے اور روح کو روشن کرنے والے وعظ فرمایا کرتے تھے۔ یہ ان مواعظ کا مجموعہ ہے، حضرت اقدس مولانا عبدالصمد صاحب ہالیجوی نے انہیں بھی دو حصوں میں آب وتاب کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اور علم ودین کا ایک بڑا خزانہ مہیا کردیا ہے۔

۹۔ خطبات اردو

چند خطبات کا اردو ترجمہ ہے۔

غیر مطبوعہ تصانیف

مندرجہ بالا تالیفات تو زیور طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں، ان کے علاوہ متعدد تحریریں غیر مطبوعہ ہیں۔ حضرت اقدس کے تلمیذ رشید خبر دیتے ہیں کہ:-

’’حضرت اقدس نے قرآنی لغات پر ایک اور لغت کی کتاب تحریر فرمائی ہے، جس میں اکثر الفاظ کے ابواب لکھے ہیں اور ان کے معانی بیان کئے ہیں۔ پھر جو راجح معنی ہے، اس پر خط کھینچ کر علامت بنادی ہے، اس کے علاوہ اس میں دوسرے لغوی مباحث بھی ہیں۔ اس کا ایک حصہ مجھے دستیاب ہوا ہے، خدا کرے اس کی اشاعت

بھی ہوجائے۔‘‘ (الاشارات الحمادیہ ص ۹)

نیز حضرت اقدس نے تفسیر کی مشہور کتاب ’’**کشاف**‘‘ پر بھی حواشی تحریر فرمائے ہیں اور عربی اشعار کے مشہور مجموعہ ’’**السبع المعلقات**‘‘ پر بھی تعلیقات لکھے ہیں، اس کے علاوہ صحابی جلیل حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے شہرہ آفاق قصیدہ ’’**بانت سعاد**‘‘ اور علامہ بوصیری کے قصیدہ بردہ کی شرح لکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان قیمتی معلومات کی اشاعت کو آسان فرمائے۔

باب نمبر۱۳

انعامات الٰہیہ

اللہ تعالیٰ کے جو بندے اعراض دنیا اور خواہش نفس سے بالکل جدا ہوکر حق تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہوجاتے ہیں اور ''قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (سورہ انعام)

''تم کہہ دو کہ میری نماز، میری عبادتیں، میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لئے ہے، جو سارے جہان کا پروردگار ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور میں پہلا فرمانبردار ہوں'' کے مطابق ان کی زندگی ہو جاتی ہے وہ اپنے تمام مقاصد اور ارادوں کو فنا کر کے مرضی الٰہی کو حاصل کر لینے کی دھن میں لگ جاتے ہیں، ان کا مطمح نظر نہ مال ہوتا ہے، نہ عزت وجاہ ان کے نزدیک افلاس وسرمایہ داری اور عزت وذلت دونوں برابر ہوجاتے ہیں، ان کی خوشی وناخوشی کا معیار دنیا والوں سے یکسر الگ ہوجاتا ہے، وہ پروردگار کی مشیت پر راضی اور اسکے احکام کے تابعدار ہوجاتے ہیں۔

یہ نہیں کہ وہ بشریت سے ماورا ہوجاتے ہیں، بشریت کے تمام لوازم وعوارض ان کے ساتھ بھی لگے لپٹے رہتے ہیں۔ لیکن ان کی نیت اور دھیان کے یکسو اور مخلص ہوجانے کی وجہ سے ان کے بشری کمالات ایک دوسرے رنگ میں جھلکنے لگتے ہیں۔ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں کچھ خصوصی انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ ایسے انعامات جن سے دوسرے لوگ بے بہرہ ہوتے ہیں۔

یہ انعامات چھوٹے پیمانے پر نمونہ ہوتے ہیں ان نوازشوں کے جن سے مخلص بندے حق تعالیٰ کی طرف سے جنت میں سرفراز کئے جائیں گے چونکہ عام اہل دنیا ان انعامات سے محروم ہوتے ہیں، اس لئے انہیں ''خرق عادت'' کا عنوان دیا جاتا ہے، یہ مخصوص انعامات کبھی دعاؤں کی قبولیت کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں، کبھی کرامات کہلاتے ہیں، کبھی انہیں کشف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ حضرات ان خصوصی انعامات کے حصول کے لئے عبادت وریاضت کی جدوجہد نہیں کرتے، اگر ایسا کوئی کرے تو مخلصین کی فہرست میں وہ داخل ہی نہیں ہوسکتا، وہ طالب خدا نہ ہوگا، طالب کرامت ہوگا پھر تو وہ حب جاہ کا مریض قرار پائے گا۔

کسی شخص نے ایک حدیث سنی ''**من اخلص للہ اربعین صبا حاً ظھرت ینا بیع الحکمة من قلبه علی لسانه** '' جس نے چالیس دن تک خالص اللہ کے لئے عبادت کی تو اس کے قلب سے حکمت کے سوتے پھوٹیں گے اور اس کی زبان پر جاری ہوں گے، اس نے اسے سن کر چالیس دن عبادت میں جد وجہد کی، مگر حکمت کے سوتے نہیں ابلے، وہ بڑا مایوس ہوا کسی بزرگ سے اس کی بابت دریافت کیا، انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے لئے عبادت کرنی تھی، اور تم نے تو حکمت کے سوتے بہانے کے لئے عبادت کی، پھر اخلاص للہ کہاں رہا۔

غرض عبادت ہو یا مجاہدہ اس کا مقصد محض اللہ کی خوشنودی ہے۔ پھر حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بزرگوں کو کچھ خصوصیات سے نواز دیتے ہیں۔ اس میں نہ ان کے ارادے کا دخل ہوتا ہے اور نہ ان کی طاقت وقوت کا۔ کرامات ومعجزات کو دیکھنے کے لئے درست نگاہ یہی ہے۔ لیکن کچھ لوگ ان کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ گویا بزرگوں کے ارادے وقوت سے کرامات صادر ہوتی ہیں یا وہ اپنے ارادے سے جب چاہتے ہیں کسی چیز کو مکشوف کر لیتے ہیں جو لوگ کشف وکرامت کو اس نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ دو گمراہیوں میں سے ایک میں ضرور مبتلا ہوتے ہیں، جو لوگ بزرگوں کے عقیدت مند ہوتے ہیں وہ بزرگوں کے ان عجیب وغریب اور خارق عادت واقعات واحوال کی وجہ سے انہیں خدائی میں شریک ماننے لگتے ہیں اور شرک میں مبتلا ہوتے ہیں اور جو لوگ ان کے معتقد نہیں ہوتے وہ بزرگوں پر شرک یا کذب کا بہتان باندھنے لگتے ہیں۔

ہمارے زمانے میں ان دونوں گروہوں کی بہتات ہے۔ بعض لوگوں نے تو انبیاء واولیاء کو خدا کے درجے تک پہونچا دیا ہے اور بعض لوگ ان کے کرامات کے منکر ہوکر ان بزرگوں اور ان کے سچے متبعین کو بھی کافر ومشرک یا جھوٹا قرار دے ڈالتے ہیں اور اس طرح خود کو نہ صرف یہ کہ بزرگوں کے فیوض وبرکات سے محروم کر لیتے ہیں بلکہ امت کے ایک بڑے طبقہ پر بغیر دلیل کے مشرک یا کاذب ہونے کا بہتان رکھتے ہیں

اسی افراط وتفریط کے اندیشے سے ہمارے محتاط بزرگوں نے کشف وکرامات کے بیان کو پسند نہیں کیا ہے خود حضرت اقدس ہالیجوی قدس سرہ بھی اس اندیشے کی وجہ سے اس کو پسند نہیں فرماتے تھے، تحفۃ السالکین میں ہے:-

ہفت روزہ اخبار آزاد کراچی میں کسی صاحب نے حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی کے عنوان سے ایک مضمون لکھا اس میں آپ کی مختصر سی سوانح عمری ابتدائی تعلیم کے حالات اور آخر میں چند کرامتوں کا ذکر کیا تھا۔ ان کرامات اور ریاضات ومجاہدات کے ذکر کو حضرت نے سخت ناپسند فرمایا، اور فرمایا کہ:-

”یہ چیزیں ہرگز نہیں بیان کرنی چاہیئے، قوم تو ایسے ہی شرک وبدعت کی طرف مائل ہے۔ اس لئے قطع نظر اس کے کہ یہ ریاضات وکرامات صحیح ہیں یا غلط، ان کی اشاعت قوم کو بالفعل یا بالقوہ گمراہی کی طرف مائل کرنی والی ہے۔“ (تحفۃ السالکین ص ۲۹۶، ج ۱)

یہ وہی حکیمانہ نظر ہے کہ لوگوں کے اذہان وقلوب اعتدال پر نہیں ہیں بلکہ افراط وتفریط کی طرف مائل ہیں اور یہ حضرات ہر اس چیز کا دروازہ بند کر دینا چاہتے ہیں۔ جس سے امت میں کسی طرح کی گمراہی پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

تاہم سوانح نگار صاحب سوانح کی ان تمام خصوصیات کو ذکر کرنا چاہتا ہے جس کا علم اسے معتبر ذرائع سے ہوا۔ البتہ ناظرین سے اتنی گزارش ضرور کرتا ہے کہ انہیں انعامات الٰہیہ سمجھیں جو حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بزرگوں کو عنایت فرماتے ہیں۔ انہیں نہ مافوق البشر سمجھیں کہ وہ جب چاہیں اپنے ارادہ واختیار سے تصرف کر سکتے ہیں اور نہ انہیں ان کرامات کا مدعی سمجھ کر ان کی بزرگی وولایت کا انکار کریں یہ دونوں راہیں خطرناک ہیں۔ بس قدرت وطاقت اور مشیت ومرضی تو اللہ سبحانہ کی ہے اور مصدر ظہور یہ حضرات ہیں۔

اس سلسلے میں حضرت اقدس ہی کا ایک ارشاد ملاحظہ فرمایئے، صاحب تجلیات لکھتے ہیں کہ:-

”ایک مرتبہ حضرت والا کے مریدوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ جب مجھے کوئی مشکل پیش آتی ہے تو دل میں آپ کا تصور کرتا ہوں، آپ کی صورت دیکھتا ہوں اللہ تعالیٰ اس مشکل کو حل فرما دیتا ہے، آپ نے فرمایا کہ مجھے اس بات کی خبر بالکل نہیں ہوتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے جو میری شکل میں آکر تمہاری مشکل کو حل کر دیتی ہے، اگر کسی کو کسی بندہ خدا کے ساتھ تعلق وعقیدت ہو پھر وہ شخص کسی مشکل میں مبتلا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس بندہ خدا یعنی شیخ کی شکل میں آکر اس شخص کی مدد کرتی ہے، جیسا کہ حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ السلام کو جب زلیخا نے سب دروازے بن کر کے برے کام کی دعوت دی تو اللہ تعالیٰ نے بعض مفسرین کے قول کے مطابق حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت سامنے کر دی، یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ یعقوب علیہ السلام انگشت بدنداں ہیں اور فرماتے ہیں کہ:-

”تم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہو (علیہم السلام) اور تمہارے نام انبیاء کی فہرست میں ہے اور یہ کام نامناسب ہے۔“

چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام بھاگ کھڑے ہوئے، درانحالیکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو خبر بھی نہ تھی، بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام تو فرما رہے تھے کہ اے بیٹو جاؤ اور یوسف کو تلاش کرو اور مایوس نہ ہو۔

حضرات مفسرین نے برہان سے یہ مراد لیا ہے، یہی اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی جو یعقوب علیہ السلام کی صورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دستگیری فرما رہی تھی۔ (ص ۲۸)

جن بزرگوں کو اللہ تعالیٰ مخلوق کی ہدایت واصلاح کے لئے منتخب کرتے ہیں اور وہ یہ خدمت انجام دیتے ہیں ان کے اوپر اللہ تعالیٰ اصلاحی امور کے واسطے ایسی بصیرت اور مہارت کا دروازہ کھول دیتے ہیں جس سے وہ دلوں کے چور اور چھپے ہوئے معائب کو دریافت کرلیتے ہیں، اس سلسلے میں بزرگوں کے یہاں ایسی حیرت ناک چیزیں وجود میں آتی ہیں کہ انسانی عقلیں ششدر رہ جاتی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مدد ہوتی ہے۔

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی دین کے لئے فنائیت، اللہ کے لئے اخلاص ومجاہدہ اور مخلوق خدا پر بے کراں شفقت وعنایت اور اصلاح وہدایت کے جذبۂ بے قرار کو آپ نے ملاحظہ فرمالیا، اسی کا نتیجہ تھا کہ مخلوق خدا ہر طرف سے ٹوٹی پڑتی تھی اور آپ صبح سے لے کر رات گئے تک اسی کارمہم میں مشغول رہتے تھے اس کا کھلا تقاضا تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے خصوصی انعامات وکرامات سے نوازتا، تاکہ کام سہل ہو جائے۔

حضرت اقدس کی خدمت میں رہنے والے بکثرت ایسے امور کا مشاہدہ کیا کرتے تھے۔

صاحب تجلیات شیخ ہالیجوی جو حضرت اقدس کی خدمت میں بکثرت حاضر ہونے والوں میں ہیں لکھتے ہیں کہ:-

’’حضرت والا کی کرامات کا اگر تذکرہ کیا جائے تو مستقل ایک کتاب بن جائے، حالانکہ حضرت کی طبیعت میں اخفاء بہت تھا۔ تواضع وانکساری کا اس قدر غلبہ تھا کہ کبھی کوئی بات ظاہر نہیں فرماتے تھے الا یہ کہ خود بخود ظاہر ہوجائے سب سے بڑی کرامت آپ کی استقامت تھی۔ (ص۴۲)

استقامت:

اور استقامت بھی کیسی؟ بڑھاپا ہے، اسّی (۸۰) سال کا سن شریف ہورہا ہے،

گونا گوں امراض شدیدہ میں مبتلا ہیں لیکن آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ صبح کی نماز سے بارہ بجے تک اور پھر ظہر کی نماز سے عشاء تک مسلسل مصلّٰی پر تشریف فرما ہوتے، اس معمول میں کوئی چیز رکاوٹ نہ بنتی۔

یہ معمول سالہا سال تک رہا، یہ ہمت وحوصلہ اور یہ استقامت خود ایک کرامت ہے، پھر اس پر مزید یہ کہ ہر قسم کے لوگوں کے تقاضوں اور فرمائشوں کو پورا کرنا، انکے بے ڈھنگے پن کو نہایت شفقت ومہربانی کے ساتھ جھیلنا، یہ ایک علیحدہ کرامت ہے، یہ کام بغیر خاص قوت قدسیہ کے نہیں ہوسکتا۔

غفلت کا علاج:

مرشدی حضرت مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہ کے حوالے سے تجلیات میں لکھا ہے کہ:-

’’ایک مرتبہ رمضان المبارک میں چند احباب کے ساتھ بالخصوص مولانا حافظ عبدالجلیل صاحب خلیفہ مجاز حضرت والا، حضرت مفتی فیاض نور صاحب مرحوم اور حاجی محمد عثمان صاحب معتکف تھا۔ مغرب کے بعد کا وقت تھا، حضرت والا (رمضان کے معمول کے مطابق) نماز سے فارغ ہوکر گھر تشریف لے جاچکے تھے۔ ہم لوگ کھانا کھاکر غفلت کی حالت میں آپس میں کچھ ہنسی مذاق کی باتیں کررہے تھے، ہم لوگ مسجد کے اندرونی حصہ میں مغربی دیوار سے لگ کر شمالی جانب بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک دیکھا کہ مسجد کے برآمدے سے نکل کر آپ دروازے پر کھڑے ہیں، ہم سب لوگ اچانک کھڑے ہوگئے اور گھبرا گئے کہ حضرت والا تو گھر جاچکے تھے پھر اچانک کیسے تشریف لائے، چند سکنڈ آپ کھڑے رہے، پھر واپس برآمدے میں چلے گئے۔

ہم لوگ مختلف دروازوں سے دوڑ کر حضرت والا کے پیچھے گئے کہ معلوم کریں کہ کیا سبب ہے، اچانک آنے کا! مگر ہر طرف دیکھنے کے بعد آپ کسی کو نظر نہ آئے

، مزید حیرت اس پر ہے کہ دروازے کے سامنے ایک اور جماعت اہل سندھ کی مصروف گفتگو تھی، ان کو بالکل خبر نہیں ہوئی۔ ” (ص۴۲)

قیام تراویح ورکوع وسجود:

حضرت اقدس مرشدی مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت والا کی ایک کھلی کرامت ہر شخص دیکھ سکتا تھا کہ جسم مبارک بہت بھاری تھا، دونوں پائے مبارک کافی متورم تھے، اٹھنے بیٹھنے میں بہت تکلیف وتاخیر ہوتی تھی، مگر رمضان المبارک میں تراویح کھڑے ہوکر پڑھتے تھے۔

تراویح کے امام حضرت والا کے معتمد خادم اور لنگر کے منتظم حافظ تاج محمد صاحب مدظلہ تھے، موصوف اگرچہ قرآن کریم صاف اور اچھا پڑھتے تھے لیکن رکوع وسجود اسقدر عجلت سے کرنے والا اب تک میں نے کوئی امام نہیں دیکھا۔ میری عمر اس وقت کم وبیش پینتیس سال تھی، بدن بھی ہلکا پھلکا، جسم میں چستی تھی۔ مگر حافظ صاحب موصوف کے ساتھ تراویح میں پوری کوشش وسعی کے باوجود کبھی رکوع وسجود کی تسبیحات ایک مرتبہ زبان سے نہ پڑھ سکا۔

ایک مرتبہ مولانا مفتی فیاض نور صاحب مرحوم ومغفور میرے ساتھ خانقاہ میں معتکف تھے، موصوف کی عمر کم وبیش ستر سال ہوگی، ایک دن تراویح میں باوجود انتہائی عجلت کے امام کے ساتھ پہلا سجدہ نہیں کرسکے جب تک پہلے سجدے میں پہنچے امام صاحب سر اٹھا چکے تھے۔ صبح کو حضرت والا کی خدمت میں تجاہل عارفانہ کے طور پر سوال کیا کہ حضرت اگر کسی کو امام کو ساتھ دونوں سجدے نہ ملے تو نماز ہوئی یا نہیں؟ حضرت والا نے فرمایا کہ نہیں ہوئی۔

مفتی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت رات کو میرے ساتھ ایسا ہی ہوا، حضرت والا نے فوراً حافظ تاج محمد صاحب امام تراویح کو طلب کیا اور پوچھا کہ بیٹا تم تسبیحات رکوع وسجود کتنی مرتبہ پڑھتے ہو۔

موصوف نے عرض کیا کہ حضرت تین مرتبہ۔

حضرت والا نے فرمایا کہ نہیں پانچ مرتبہ پڑھا کرو، خود حضرت والا نے اپنے متعلق فرمایا کہ الحمدللہ میں تو تین مرتبہ پڑھ لیتا ہوں۔

سردیوں میں گرم عبا کا پہننا:

سیدی ومرشدی مدظلہ فرماتے ہیں کہ سردیوں کے موسم میں ہالیجی شریف حاضری ہوئی، میرے پاس ایک گرم چادر تھی، حضرت والا علیہ الرحمہ اپنے معمول کے مطابق ایک ہلکی نیم آستین اور لنگی پہنے ہوئے تھے، میں نے دل میں سوچا کہ سردی اس قدر شدید ہے اور حضرت اتنے مختصر لباس میں ہیں، حضرت بیٹھے تو میں نے چادر آپ کے بدن پر ڈالدی۔ آپ نے کچھ نہیں فرمایا، میں نے دل میں نیت کرلی کہ خدمت والا میں ہدیہ ہے۔

جب گھر تشریف لے جانے لگے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ ہدیہ ہے، فرمایا بیٹا ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس گرم عبا ہے، یہ کہہ کر آپ نے واپس کردی۔ میں اپنے دل میں سوچنے لگا کہ اب تو یہ تبرک ہوگئی ہے، اب اسے میں کیا اوڑھوں گا۔ بس برکت کے لئے کبھی کبھی بدن پر ڈال لیا کروں گا میں یہ سوچ رہا تھا کہ حضرت نے پکارا اور فرمایا کہ اس کو ابھی اوڑھ لو، یہ کہہ کر گھر چلے گئے۔

میں منتظر رہا کہ اگر صبح عبا پہن کر آتے ہیں تب تو میں اپنی چادر اوڑھوں گا ورنہ میں بھی انہیں کی طرح سردی کھاؤں گا۔ صبح دیکھا تو عبا پہن کر تشریف لائے اور جب تک میں وہاں رہا برابر وہی عبا پہن کر تشریف لاتے رہے، سب لوگوں کو حیرت تھی کہ خلاف معمول عبا کیوں پہنتے ہیں۔ پھر معلوم ہوا کہ میرے جانے کے بعد آپ نے عبا رکھ دی۔

سرمد کی رباعیاں:

حضرت کے خلفاء میں دہلی کے رہنے والے مولانا حکیم جمیل الدین تھے یہ صاحب علم تھے انہیں کہیں سے سرمد کی رباعیاں مل گئیں۔ سرمد ایک مختلف فیہ شخصیت ہے، ننگے رہا کرتے تھے، قید شریعت سے آزاد تھے، عالمگیر کے زمانے میں قتل کے گئے ان کی رباعیاں مشہور ہیں۔

حکیم صاحب کو وہ رباعیاں مل گئیں انہیں بہت پسند آئیں۔ حضرت اقدس کی خدمت میں جارہے تھے راستے میں اس کا مطالعہ کرتے ہوئے گئے۔ پنو عاقل اترے تو سامان کی گٹھری اور اس میں رباعیات سرمد وہیں ایک صاحب کے یہاں رکھدی۔ اور ہالیجی شریف حاضر ہوئے۔ حضرت ان سے بہت خصوصی برتاؤ کرتے تھے مگر آج جو پہنچے تو سلام کا جواب بھی نہیں دیا نہ ان کی طرف کوئی التفات کیا، نہ کچھ بولے۔ دن بھر اسی حال میں گزر گیا۔ یہ سخت پریشان ہوئے کہ الٰہی ماجرا کیا ہے؟ انتہائی شفقت و محبت سے نوازے جاتے تھے اب جو یہ بے رخی دیکھی تو سارے گناہ یاد آنے لگے، توبہ کرتے رہے، دعا مانگتے رہے، غور کرتے رہے مگر حضرت متوجہ نہیں ہوئے۔

دوسرے دن اچانک یاد آیا کہ سرمد کی رباعیاں میرے پاس ہیں ہو نہ ہو اسی کا اثر ہے کہ ایک خلاف شرع شخص کا کلام میرے پاس ہے، بھاگے ہوئے پنو عاقل پہنچے اور رباعیات سرمد نکال کر اسے پھاڑ کر جلا دیا۔ پھر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اب جو آئے تو وہی کرم، وہی نوازشیں، وہی سلام و کلام اور التفات تام۔ (بروایت مرشدی مدظلہ)

سندھی صاحب کے حوالے کرو:

پاکستان کے مشہور عالم قادیانیوں کے خلاف جہاد کرنے والے حضرت مولانا قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی علیہ الرحمہ کو ایک مرتبہ حکومت پاکستان نے بغاوت کا الزم لگا کر گرفتار کرلیا۔ کسی طرح ضمانت نہیں ہو رہی تھی، بہت کوشش ہوئیں مگر ضمانت نہیں ہوسکی، تمام علماء و رفقاء سخت فکر مند تھے۔ دعائیں ہو رہی تھیں،

تدبیریں کی جارہی تھیں مگر بظاہر کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا تھا۔

قاضی صاحب نے جیل میں خواب دیکھا کہ کئی اکابر جمع ہیں۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا مفتی کفایت اللہؒ صاحب اور دوسرے حضرات، اور آپس میں یہی گفتگو ہو رہی ہے کہ ان کی ضمانت کے سلسلے میں کیا کیا جائے، قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک بہت لمبے تڑنگے اور بہت بھاری جسم و جثہ کے بزرگ آئے، ان کے آتے ہی حضرت مدنیؒ نے فرمایا لیجئے سندھی صاحب آگئے اب معاملہ ان کے حوالے کیا جائے، یہی کچھ کریں گے۔ پھر ان سندھی بزرگ نے مجھے اپنی گود میں پکڑا اور فرمایا چلئے قاضی صاحب یہاں سے چلئے۔ اسی پر آنکھ کھل گئی۔

دوسرے روز ضمانت منظور ہوگئی۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نہایت حیران تھا کہ یہ سندھی صاحب کون ہیں؟ میں نے ان کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ متعدد لوگوں سے پوچھا کہ، حلیہ بتا کر پوچھا مگر ہر ایک نے لاعلمی ظاہر کی۔ بالآخر ایک شخص نے حلیہ سن کر جواب دیا کہ یہ تو میرے پیر و مرشد حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجی شریف والے ہیں۔ میں نے کہا کہ مجھے ان کی خدمت میں لے چلو۔

قاضی صاحب جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ بعینہ خواب والے بزرگ تشریف فرما ہیں اور تفسیر مظہری کا مطالعہ کررہے ہیں۔ مطالعہ سے جب فارغ ہوئے تو بطریق مسنون ہر ایک سے نام وغیرہ دریافت کرتے رہے، قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ مجھ سے پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ احسان احمد، آپ نے بے ساختہ فرمایا کہ قاضی احسان احمد شجاع آبادی۔ عرض کیا جی ہاں۔ آپ کھڑے ہوگئے اور معانقہ فرمایا۔ اس کے بعد تھوڑی دیر تفسیر ملاحظہ کرتے رہے اس کے بعد تقریر شروع کی۔

قاضی صاحب نے تین بار قسم کھائی کہ واللہ، باللہ، تاللہ میرے دل میں چند شکوک و شبہات تھے، حضرت والا نے تقریر میں میرے شکوک و شبہات کا ازالہ فرمادیا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میرے تمام شبہات لکھے ہوئے حضرت والا کے سامنے

ہیں اور آپ ایک ایک کا جواب مرحمت فرما رہے ہیں۔ الحمد للہ میرے تمام شکوک و شبہات حضرت والا کی ایک ہی تقریر سے کافور ہوگئے۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے مسجد سے باہر کمرے کی طرف لے گئے میرے لئے روٹی منگوائی، چاول کی روٹی اور مٹر کی دال تھی۔ آم بھی تھے۔ حضرت والا آم خود اپنے دست مبارک سے کاٹ کر مجھے دے رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ آم بہت میٹھے ہیں، میں روٹی کھا رہا تھا، مجھے اس قدر لذیذ معلوم ہو رہی تھی کہ اس سے پہلے کبھی کسی کھانے میں اتنی لذت نہیں محسوس ہوئی تھی۔ حالانکہ میں نے سینکڑوں لذیذ و مکلّف کھانے کھائے ہوں گے مگر ایسی لذت کبھی کسی کھانے میں نہیں محسوس ہوئی، کھانے سے جب فارغ ہوئے تو صاحبزادۂ محترم حضرت حافظ محمود اسعد صاحب سے فرمایا کہ قاضی صاحب کو کھانے کے بعد میٹھا کھانے کی عادت ہے، میٹھا لے آؤ۔

انہوں نے میٹھا لا کر مجھے دیا مجھے واقعی کھانے کے بعد میٹھا کھانے کی عادت تھی مگر حیرت تھی کہ حضرت کو کیونکر علم ہوا۔ (بروایت مرشدی مدظلہ تجلیات ص ۳۸)

ایک بار یہی قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے، سخت پریشان تھے۔ عرض کرنے لگے کہ مخالفوں نے سخت مخالفت کی ہے اور حکومت میں بھی درخواست دے رکھی ہے اور طرح طرح کی ایذا رسانی کرتے ہیں۔ حضرت والا نے قاضی صاحب سے فرمایا کہ آپ اطمینان خاطر رکھیں مخالفین کچھ نہیں کر سکیں گے، اور آپ ہمیشہ ان سے آگے رہیں گے۔ قاضی صاحب نہایت مسرور ہو کر واپس گئے، الحمد للہ مخالفین کچھ نہیں کر سکے۔ (تجلیات ص ۳۹)

کلمات کی تاثیر:

سیدی و مرشدی دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔ حضرت والا سے تعلق ہونے کے بعد ان کی برکت سے عرصہ تک ذوق و شوق کی عجیب و غریب کیفیت رہی۔ ایسی برکت تھی کہ تعلیم کا کام بھی اور ذکر، اذکار، اوراد بھی نہایت حسن و خوبی سے انجام پا جاتے تھے۔ لیکن پھر جو کیفیت بدلی ہے تو سارا ذوق و شوق کافور، عجیب بے کیفی پیدا ہوگئی نہ کچھ کرنے کا جی چاہتا، نہ کسی کام میں طبیعت لگتی۔ بہت پریشانی ہوئی میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا طبیعت پر عجب طرح کی افسردگی بلکہ بے چینی تھی۔ دل اپنے آپ میں نہ تھا۔

میں نے حاضر ہو کر حضرت والا کے پاؤں پر ہاتھ سے ٹھوکر مار کر کہا کہ آپ سے میرا کوئی تعلق نہیں نہ آپ میرے پیر، نہ میں آپ کا مرید۔ حضرت نے نہایت سکون سے جواب دیا کہ بیٹا حال راز وال، مقام را دوام۔ یعنی یہ تو حال تھا، حال چلا جاتا ہے لیکن حال راسخ ہو کر مقام بن جائے گا تو دائم رہے گا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ حضرت صاحب کے جواب سے مجھے تسلی نہیں ہوئی۔ ویسی ہی بے چینی رہی۔ کچھ دنوں کے بعد میں نے پھر ٹھوکر دے کر کہا کہ میرا آپ سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ آپ میرے پیر نہ میں آپ کا مرید۔

اب حضرت پر ایک کیفیت طاری ہوئی حضرت صاحب مجھ سے ہمیشہ اردو میں گفتگو کرتے تھے مگر آج نہ جانے کیا بات ہوئی کہ سندھی زبان میں فرمایا:-
''پٹہ مخلوق ساں تعلق چھٹ خالق ساں تعلق کر۔'' ''بیٹا مخلوق سے تعلق توڑ خالق سے تعلق جوڑ'' بس اتنا سننا تھا کہ ساری بے چینی کافور ہوگئی اور طبیعت ٹھہر گئی۔

نظر کی تاثیر:

مولوی محمد ابراہیم صاحب ساکن ہالیجی شریف بیان کرتے ہیں کہ حضرت والا کی وفات کے بعد کی بات ہے، اس زمانے میں مولوی مظہر الدین صاحب ہالیجی شریف کے مدرسہ میں مدرس تھے۔ میں بھی یہاں تھا۔

ایک دن مسجد کے جنوب کی طرف بیٹھے ہوئے ہاتھ میں کتاب لئے مطالعہ کر رہا تھا کہ ایک شخص زمیندار بھاولپور کا ہالیجی شریف میں آیا ہوا تھا، میرے نزدیک

آ کر بیٹھ گیا، میں نے اس شخص سے کہا کہ تم یہاں کیسے آئے ہو؟ اس نے کہا کہ میں حضرت والا کے عقیدت مندوں اور مریدوں میں سے ہوں۔ اس شخص نے اپنے مرید ہونے کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ میرے باپ دیندار اور صالح شخص تھے اور میں بھی دینداری کی طرف رغبت رکھتا تھا اگرچہ عربی خواں نہ تھا لیکن مطالعۂ کتب کا شوق بہت تھا۔ اکثر کتب تفسیر وحدیث مترجم اردو میرے زیر مطالعہ رہا کرتی تھیں اور علم دین سے بہت واقفیت رکھتا تھا۔

اتفاقاً میرے دل میں تبدیلی ہوئی کہ دہریت کی طرف میں مائل ہو گیا۔ بہت سے شبہات پیدا ہو گئے تاہم دل میں حق کی طلب تھی۔ خیال کرتا تھا کہ کسی ولی اللہ کی خدمت میں جاؤں تاکہ شکوک وشبہات حل ہو جائیں اور وہ راہ راست کی طرف میری رہبری کریں۔ ایک دوست جو کہ عالم بھی تھے اور رفیق بھی تھے میں نے ان سے کہا کہ آپ میرے ساتھ ہندوستان چلیں تاکہ وہاں کسی ولی اللہ سے اپنے شبہات حل کروں اور ان سے بیعت کر کے مرید ہو جاؤں۔

ان مولوی صاحب نے کہا کہ ہندوستان کے سفر کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ سندھ میں ایک ولی کامل ہیں۔ جو کہ میرے مرشد ہیں آپ کو ان کی خدمت میں لے چلتا ہوں وہ آپ کے شکوک وشبہات کو دور کر دیں گے اور آپ کو اطمینان قلب حاصل ہو جائے گا۔

مجھے اس پر یقین نہیں آتا تھا کہ سندھ میں ایسا ولی کامل کہاں ہوگا میں نے ان مولوی صاحب سے بہت دفعہ کسی اولیاء اللہ کے لئے کہا، وہ مولوی صاحب ہمیشہ مجھے یہی جواب دیتے تھے کہ آخر ایک بار میرے ساتھ میرے مرشد کے پاس سندھ چلو تاکہ آپ کے شبہات دور ہو جائیں اور اطمینان خاطر ہو جائے۔ اگر وہاں آپ کے دل کو تسکین نہ ہو تو پھر آپ جس جگہ کے لئے کہیں گے میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔

آخر کار میں ان مولوی صاحب کے کہنے پر ان کے ساتھ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا اور خدمت اقدس میں بیٹھ گیا، جس طرح حضرت والا کی عادت تھی کہ ہر ایک آنے والے سے خیریت وعافیت دریافت کرتے اور نام پوچھتے تھے اور یہ کہ کہاں سے آئے ہو، وغیرہ، لیکن مجھے فقط خوش عافیت کہا اور کچھ نہیں پوچھا۔

عصر کی نماز کے لئے اذان کہی گئی، جماعت صف باندھ کر بیٹھ گئی۔ میں جنوب کی جانب صف میں بیٹھا تھا جب اقامت کہی گئی اور حضرت والا اٹھے اور جنوب کی جانب منہ کر کے کھڑے ہو گئے اور ازار (تہبند) باندھ رہے تھے، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شعاع مثل شعاع بجلی کے حضرت والا کے سینے سے میرے سینے اور قلب پر پڑ رہی ہے، اس سے میرے قلب میں ذکر جاری ہو گیا۔

اور پھر میرا یہ حال ہوا کہ میرے سارے بدن سے اور در و دیوار اور درختوں سے ذکر سنائی دینے لگا، اس وقت ہر چیز کو میں ذاکر دیکھتا تھا۔ اس کے بعد عام شبہات قلب سے ختم ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد میرے رفیق مولوی صاحب نے حضرت والا سے اجازت مانگی کہ میرے رفیق کو آپ سے کچھ پوچھنا ہے اور مجھ سے کہا کہ تم کو حضرت والا سے جو کچھ پوچھنا ہے پوچھ لو۔ میں نے کہا کہ میرے شبہات حل ہو گئے پوچھنے کی کوئی بات نہیں رہی۔ (تجلیات ص ۱۴۱)

دم کی تاثیر:

صاحب تجلیات شیخ ہالیجوی لکھتے ہیں :-

’’یہ واقعہ بندہ نے خود دیکھا ہے کہ ایک غیر مسلم عورت آئی، وہ پنو عاقل کے قریب سے آئی تھی۔ ہندو تھی۔ چند ایک آدمی ہندو اس کے ساتھ تھے، نہایت روتی چلاتی چیختی ہوئی آئی کہ ہائے میں مر گئی۔ حضرت نے دریافت کیا کہ کیا بات؟ تو اس کے ساتھ آئے ہوئے لوگوں نے بتایا کہ اس کے سینے پر پھوڑا ہے۔ جس کی وجہ سے نہایت درد ہے اور کئی دن سے بے تاب ہے، نیند نہیں آتی۔ حضرت نے مسجد کے باہر انہیں بیٹھنے کا حکم دیا۔ وہ بیٹھ گئے تو حضرت نے مسجد کے اندر ہی سے دم کرنا شروع کیا

اور اپنی داہنی انگشت شہادت سے اشارہ فرماتے گئے۔ فوراً اس عورت کو آرام ہو گیا اور اس کو وہیں نیند آ گئی، پھر حضرت نے مٹی کے ایک پاک ڈھیلے پر دم کر دیا اور فرمایا کہ اس کو پھوڑے پر پھیرتے رہو ان شاء اللہ شفا ہو جائے گا۔ تو وہ ہندو برادری کے لوگ دعائیں دیتے ہوئے واپس ہوئے۔ (تجلیات ص ۱۴۰)

حضرت اقدس کے اس طرح کے واقعات بکثرت ہیں۔ چند واقعات یہاں بطور نمونہ کے ذکر کئے گئے۔

باب نمبر ۱۴

وفات اور ازواج واولاد

یوں تو حضرت اقدس عرصہ سے مختلف امراض میں مبتلا تھے مگر عزیمت یہ تھی کہ شدید بخار کی حالت میں بھی مسجد شریف میں اپنی جگہ بیٹھ کر تمام معمولات انجام دیتے تھے اور کسی مشغولیت میں کوئی فرق نہ آتا تھا اور کوئی آدمی دیکھ کر یہ محسوس بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آپ بیمار ہیں۔ مگر یہ کہ جسم کو ہاتھ لگایا جاتا تو معلوم ہوتا کہ شدید بخار ہے۔

آخری ایام میں کم وبیش آٹھ ماہ بستر علالت پر تھے، لیکن اگر کسی وقت معمولی بھی افاقہ ہوتا تو مسجد میں آ کر نماز باجماعت ادا فرماتے اور امامت خود ہی فرماتے۔ جب تک طاقت باقی تھی نماز جمعہ کے لئے آپ ضرور تشریف لاتے اور جمعہ کے بعد وعظ بھی فرماتے۔ صاحب تجلیات فرماتے ہیں کہ:-

”آخری ایام میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ بیماری کی شدت کی وجہ سے نماز جمعہ کے لئے مسجد میں تشریف نہ لا سکے۔ نماز جمعہ کے بعد جماعت کے اصرار پر گھر کے دروازے کے باہر تخت رکھا گیا، تکیہ کے سہارے بیٹھ کر نہایت موثر اور بلیغ وعظ فرمایا۔ حاضرین میں ایک عجیب وغریب کیف وجذب طاری تھا، بیماری کی حالت میں بھی اہل جماعت کو دن میں ایک دو مرتبہ زیارت کے لئے اندرون خانہ ضرور بلواتے اور وعظ ونصیحت فرماتے۔

اکثر وبیشتر موضوع قرآن کریم کی آیات اور جناب نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ ہوتیں۔

حضرت والا کا اکثر وبیشتر یہ معمول تھا کہ اپنے لئے خود نسخہ تجویز فرماتے اور اپنا علاج خود کرتے لیکن مرض الموت میں آپ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ جس کا جو جی چاہتا دوا دیتا اور جو کچھ بھی دیا جاتا آپ اسے نوش فرما لیتے۔ بعض فقراء نے نقل کیا ہے کہ حضرت والا نے فرمایا کہ میرا بدن ڈاکٹروں اور اطباء کے لئے تجربہ گاہ بن گیا ہے۔

حکماء اپنی دواؤں کا تجربہ کر رہے ہیں اور ڈاکٹر اپنے انجکشن کا''۔

مرشدی حضرت مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہ نے بیان کیا کہ میں اور حضرت مولانا حافظ عبدالجلیل صاحب اور دیگر بعض لوگ اندرون خانہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر تھے، حضرت نے فرمایا کہ بیٹا اندر سے مفردات عرشی (طب کی ایک کتاب ہے) اٹھالاؤ اور دھتورے کی بحث نکالو، اس میں لکھا ہوا تھا کہ دھتورا دو سے تین ماشہ تک مصلح کے ساتھ دیا جاسکتا ہے، اس سے زیادہ زہر قاتل ہے۔ حضرت والا نے ہنس کر فرمایا کہ مجھے تو ۳۶ ماشہ کھلایا گیا ہے۔

حضرت مرشدی مدظلہ فرماتے ہیں میں حکیم جمیل الدین صاحب جو کہ حضرت کے خلفاء میں سے تھے، دہلی کے بقائی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، ان کی خدمت میں کراچی کی عیدگاہ کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کسی شخص نے یہ خبر آ کر سنائی کہ حضرت والا کی طبیعت زیادہ ناساز ہے۔

حکیم صاحب نے سوال کیا کہ علاج کس کا ہو رہا ہے؟ اس نے کہا کہ علاج کسی طبیب کا ہو رہا ہے، حکیم صاحب نے برجستہ فرمایا کہ اب حضرت کا انتقال ہو جائے گا۔ اب دنیا میں نہیں رہیں گے۔ میں نے اصرار سے پوچھا کہا آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟ فرمانے لگے کہ حضرت والا کا ہمیشہ یہ معمول تھا کہ علاج اپنا خود کیا کرتے تھے، اب اپنا علاج خود نہ کرنا بلکہ دوسروں کے حوالے کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر لیا ہے۔ (تجلیات ص ۷۲)

واقعہ یہ ہے کہ بعض اوقات اہل اللہ کو اشارات مل جاتے ہیں کہ اب کوچ کا وقت قریب ہے، اس وقت ان حضرات کا دل دنیا اور کاروبار دنیا سے اچاٹ ہو جاتا ہے، تاڑنے والے تاڑ جاتے ہیں کہ اب خیمہ اکھڑ چکا ہے، عمر کا کارواں جلد ہی منزل پر پہنچنے والا ہے۔ حضور جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ چاہے تو دنیا میں رہے اور چاہے تو رب کی جناب میں حاضر ہو جائے تو اس بندے نے رب کے حضور میں جانے کو پسند کیا۔ اس بات کو سن

کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رونے لگے لوگوں کو تعجب ہوا کہ اس میں رونے کی کیا بات ہے؟

لیکن جب اس کے جلد ہی بعد حضور اکرم ﷺ کی وفات ہو گئی تب لوگوں نے سمجھا کہ معاملہ خود رسول اکرم ﷺ کا تھا۔ (بخاری شریف باب مناقب المہاجرین)

اسی طرح نبی کریم ﷺ کے سچے اور مخلص پیروؤں کو بھی حضور اکرم ﷺ ہی کے طفیل میں اشارہ بخش دیا جاتا ہے کہ قیام دنیا کی مدت پوری ہو رہی ہے۔

حضرت مرشدی مدظلہ نے نقل فرمایا ہے کہ اخیر دور میں ایک روز حضرت نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا میں اسی سال رہایا (یعنی رکھا) اب میرا وقت پورا ہو چکا ہے۔''

غرضیکہ مختلف علاج چلتے رہے، حضرت والا کسی سے کوئی تعرض نہ فرماتے۔ مرض میں اضافہ ہوتا رہا، کمزوری بھی بڑھتی رہی، کم و بیش آٹھ ماہ بستر علالت پر رہے اور ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ ہجری چہارشنبہ کے دن نماز صبح کے وقت داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر واصل محبوب حقیقی ہوئے۔ " انا للہ وانا الیہ راجعون ." ہالیجی شریف میں مدفون ہوئے تاریخ وصال مندرجہ ذیل مصرعہ سے نکلتی ہے۔

''حامد ذات حق حماد اللہ''

''۱۳۸۱ھ''

حلیہ جمال:

درمیانہ دراز قد، دہرا بدن، کشادہ و منور پیشانی، گندمی رنگ پر نور و پر وقار چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں، مسلسل جاگنے کے آثار آنکھوں سے ہر وقت نمایاں تھے۔ داڑھی مبارک سفید گول مدور، مثل چاند منور،

ازواج واولاد:

حضرت اقدس کے دو محل تھے، پہلے سے دو صاحبزادے محمود حسن اور محمود حسین تھے۔ دوسرے محل سے بھی دو صاحبزادے تھے۔ حاجی محمود احسن اور حافظ محمود اسعد سب کا وصال ہو چکا ہے۔

حضرت کے وصال کے بعد سجادہ نشین حضرت حافظ محمود اسعد صاحب ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد جانشین ان کے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالصمد صاحب مدظلہ ہیں جن کے اہتمام میں حضرت کے ملفوظات کا مجموعہ تحفۃ السالکین شائع ہوا ہے۔

باب نمبر۱۵

تعلیمات وملفوظات

حضرت اقدس کے حالات، جس قدر مل سکے یہاں تک پورے ہو گئے جی چاہتا ہے کہ حضرت کے مواعظ و مقالات کا بھی ایک انتخاب ناظرین کے سامنے پیش کر دیا جائے تا کہ حضرت کی مجالس کا بھی اندازہ ہو جائے اور دل میں ایمان کی تازگی، عبادت کا شوق اور مقصد حیات کو پا لینے کی لگن بھی پیدا ہو جائے۔ حضرت کے ملفوظات کے لئے تجلیات شیخ ہالیجوی اور تحفۃ السالکین کے ہر سہ حصے کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ یہاں تو مختصر سا انتخاب پیش کیا جائے گا۔

ضرورت شیخ:

کسی سائل نے پوچھا کہ اس شعر کا مطلب کیا ہے۔

یک زمانہ صحبت بااولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(اولیاء کے ساتھ تھوڑی دیر کی صحبت سو سال کی بے ریا طاعت سے بہتر ہے۔)

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ بایزید بسطامیؒ کی خدمت میں ایک آدمی آتا تھا، اسنے کہا کہ حضرت ستر سال ہوئے ہیں میں ساری رات عبادت کرتا ہوں، اور نیند نہیں کرتا ہوں اور دن میں روزہ بھی رکھتا ہوں میری حالت آپ جیسی کیوں نہیں ہوتی۔ آپ کی یہ حالت عبادت کی وجہ سے ہوئی اور اس عبادت کی وجہ سے اتنے مراتب اور مقام پیدا ہوئے ہیں مگر میں اتنی عبادت بھی کرتا ہوں مگر کچھ بھی نہیں ہوا۔

حضرت نے اس کو جواب دیا کہ تو نے جو عبادت کی ہے وہ شیطان کی غذا بن گئی ہے۔ خدا کا مقبول بندہ جو عبادت کرتا ہے وہ روح کو پہنچتی ہے لیکن جو تو نے عبادت کی ہے وہ نفس تک پہنچی، روح تک نہیں پہنچی۔ وہ عبادت نفس ہی کھا گیا یہ اس

لئے ہوا کہ تو نے عبادت خود ہی کی ہے کسی اہل اللہ سے پوچھ کر نہیں کی ہے جو تجھے نفس کے مکر سے بچاتا۔ شیخ کے کہنے سے عبادت میں روح بڑھتی ہے۔

ایک بزرگ کسی بادشاہ کے پاس گئے، بادشاہ نے کہا کہ ہمارے ہاں ایک ایسا بزرگ ہے جو بارہ ماہ کے بعد رزق کھاتا ہے، بزرگ نے کہا کہ اس کو رزق ملتا ہے۔ کہا گیا کہ ہم دیکھ رہے ہیں وہاں کوئی جاتا نہیں بزرگ نے کہا اس درویش کے باہر نکلنے کا موقع کون سا ہے؟ اس کو اس خاص موقع پر نہ نکالو بلکہ تین دن کے بعد نکالو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اس دن لوگ وہاں نہیں پہنچے نہ بادشاہ آیا، نہ عوام آئی۔ وہ بزرگ معمول کے مطابق اس خاص موقع پر باہر نکلا اور کوئی آدمی اسے نظر نہیں آیا۔ اس نے دل میں کہا کہ وجہ کیا ہے کہ لوگ آئے نہیں۔ لوگ بدظن ہوگئے اور میری عزت چلی گئی۔ تین دن کے بعد بادشاہ گیا تو دیکھا کہ وہ مرا پڑا ہے بزرگ نے کہا کہ دیکھو تین دن میں ہی معبود اس کا مرگیا اگر بارہ مہینے تک روٹی نہ کھا کر بچ سکتا تھا تو تین دن میں کیوں نہیں بچ سکا، بات یہ ہے کہ اس کا نفس تھا اور وہ نفس کو راضی رکھتا تھا اور اس میں وہ گم تھا۔ اب نفس کی عزت نہیں ہوئی تو وہ مرگیا۔ (گویا لوگوں کے درمیان اس کی عزت ہونا اس کے لئے رزق تھا)

نفس نتواں کشت الا ظل پیر
دامن آں نفس کش راسخت گیر
راہ پرخوف است دزدان درکمیں
رہبرے بر تا نمانی بر زمیں

نفس کو صرف پیر کا سایہ ہی کچل سکتا ہے، اس نفس کش کا دامن مضبوطی سے تھام لو، راستہ خطرناک ہے، لٹیرے گھات میں ہیں، اس لئے رہبر کو ساتھ لے لو تا کہ زمین پر نہ گر جاؤ۔

اسی لئے کہا گیا ہے کہ "یک زمانہ صحبتت با اولیاء۔"

اگر باغ رکھنا ہے تو ساری شرائط پوری کرنی ہوں گی۔ پہلی شرط یہ کہ زمین اچھی

ہو، اچھی زمین نہیں ہوگی تو باغ نہیں لگایا جاسکتا۔ دوسری شرط یہ کہ زمین پر پہلے سے جو جھاڑ لگے ہوئے ہیں۔ ان کو اکھاڑ دو تو صاف زمین کا ہونا شرط ہے تا کہ بونے کے قابل ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ بیج ڈالا جائے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ پانی دیا جائے۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ اس کے چاروں طرف باڑ لگادی جائے اور اس کی حفاظت کی جائے کہ کوئی جانور اس کے قریب نہ جائے۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ مالی رکھا جائے۔ تا کہ جو دوسرا طفیلی درخت اگے تو اسے کاٹ دیا کرے۔

سب باتیں ہوں اور مالی نہ ہو تو گھاس نکلے گی، طفیلی درخت پیدا ہوں گے۔ جنگل بن جائے گا، باغ نہیں رہے گا۔ اب سنو کہ پہلا کام استعداد طبعی ہونی چاہیئے۔ اگر استعداد نہ ہو تو انسان کام کا ہی نہیں۔ دوسرا کام غلط ارادے اور باطل عقیدے ختم کئے جائیں، ان پر ہل چلایا جائے۔

تیسری بات اوراد و وظائف ہیں جو بیج کی مانند ہیں پھر مداومت کرنا یہ پانی کی طرح ہے۔ پانچویں بات یہ ہے کہ صحبت ناجنس سے دور رہا جائے، ایسے امور جو قلب کے لئے نقصان دہ ہیں، ناپاک طعام، نااہلوں سے کلام، ان سے بچا جائے، یہ باڑھ ہے۔ چھٹی بات ہے شیخ کی صحبت، یہ مالی ہے اللہ کی جانب توجہ کے خلاف جو ارادہ ہوگا شیخ اسے بتائے گا اس کو طفیلی درخت کی طرح اکھاڑ دے گا۔

اس لئے مولانا فرماتے ہیں:-

یک زمانہ صحبتت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

"وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ" جو میری طرف متوجہ ہے، رجوع کرتا ہے اس کا اتباع کرو، اس کے راستہ پر چلو۔ شیخ کی صحبت کے بغیر انسان پھنس جاتا ہے اللہ والوں کے ساتھ بیٹھو تو تم میں بھی اہلیت پیدا ہوجائے گی۔ یہی مطلب ہے "نفس نتواں کشت الا ظل پیر" کا۔

ہزار نکتۂ باریک تر زمو اینجاست

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند
فدائے ہمت آں رند عافیت سوزم
کہ در گدا صفتی، کیمیا گری داند

یہاں ہزاروں نکتے بال سے بھی باریک ہیں، جو بھی سر منڈائے، کیا ضروری ہے کہ وہ قلندری بھی جانتا ہو۔ میں اس عافیت سوز رند کی ہمت پر فدا ہوں، جو گدا صفت ہو کر کیمیا گری جانتا ہے۔

ہمت اے دل کز یں پستی قدم بالا نہم
یا بکام خود رسم یا سر دریں سودا دہم

اے دل ذرا ہمت کر کہ میں اس پستی سے بلندی پر قدم رکھوں پھر یا تو مقصد تک پہنچوں یا اسی جنوں میں سر ہی قربان کر دوں۔ (حضرتؒ ان اشعار کو بار بار اشتیاق کے ساتھ مجلس میں پڑھتے رہے)

توقف کے بعد فرمایا کہ حلب شہر میں ایک بزرگ رہتے تھے ان کے شیخ کی وفات ہو گئی ان کے پیر بھائی حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی تھے اور حضرت شیخ سعدی بھی پیر بھائی تھی۔ وہ بزرگ حضرت بہاء الدین کی زیارت بوجہ پیر بھائی ہونے کے کرنے آئے وہاں سے قافلہ سوار ہو کر سمندر کے ساحل سے ہوتا ہوا بہت عرصہ کے بعد ملتان پہنچا۔ یہاں وہ جتنا ہو سکا رہے پھر واپس گھر کے لئے روانہ ہوئے۔

جب وہ چلدیئے تو حضرت بہاء الدین نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ یہ تھا تو بہت بڑا بزرگ لیکن اسکی ولایت ختم ہو گئی ہے اس کا نام دیوان اولیاء سے خارج کر دیا گیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جب یہ شخص اپنے گھر سے ادھر کو نکلا تو راستہ سمندر کے ساحل سے آ رہا تھا، وہاں بارش ہو رہی تھی لیکن خدا کی قدرت کہ بارش سمندر میں ہو رہی تھی اور باہر خشکی تھی، وہاں زمین بنجر تھی چھوٹے چھوٹے درخت بھی تھے، مگر وہاں بارش نہیں ہو رہی تھی، اس پر اس بزرگ نے کہا کہ اس بارش سے کیا فائدہ؟ جہاں ضرورت ہے وہاں نہیں برستی اور جہاں پانی کی کوئی ضرورت نہیں ہے

وہاں بارش ہو رہی ہے یہ کام تو بے فائدہ ہوا۔ اس وجہ سے کہ اللہ کے کام کو بے حکمت کہہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی محبوبیت سے ہٹا دیا۔

حضرت بہاء الدین کے صاحبزادہ نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے اس کو مطلع کیوں نہیں کر دیا۔ شاید وہ اصلاح کرتا یا استغفار کر کے معاف کرا لیتا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو حیاء آئی کہ اس مہمان کو ایسی بات کس طرح کہہ دوں جو اس کے لئے باعث رنج والم ہوتی۔ صاحبزادے نے کہا کہ حضرت آپ مجھے لکھ کر دیں میں ان کو پہنچا دوں اور ان کو اس بات مطلع کر دوں۔

حضرت نے لکھ کر دے دیا اور وہ صاحبزادے پیغام لے کر ان بزرگ کے یہاں پہنچے۔ جب ان بزرگ کو پتہ چلا کہ میری اس کم علمی کے باعث اللہ تعالیٰ نے ناراض ہو کر مجھے اپنے درجہ سے گرا دیا ہے تو سخت رنج وغم میں مبتلا ہوئے۔ غلام کو حکم دیا کہ اصطبل سے شریر سے شریر گھوڑا نکالو اور مجھ کو رسی سے باندھ کر اس گھوڑے کے کندھے کے ساتھ باندھ دو تاکہ روند روند کر مجھ کو ختم کر دے میں اب اس دنیا میں رہنے کے قابل نہیں ہوں کیونکہ میرا مالک مجھ سے ناراض ہے اس ذلیل حیات سے مر جانا ہی بہتر ہے۔ جب ان بزرگ کو رسی سے باندھا گیا اور لوگ گھوڑے سے باندھنے کی تیاری کرنے لگے تو اوپر سے ہاتف غیبی نے آواز دی کہ اے فلاں تم فکر نہ کرو تم سے تمہارا مولیٰ راضی ہو گیا اور پہلے سے بھی زیادہ تمہارے درجات کو بلند کیا گیا۔

یہ ہے اولیاء کا مقام ومرتبہ ان کی نظر ہمیشہ اپنے رب کی رضا پر ہوتی ہے ان کی نظر ظاہر پرستی اور بناؤ سنگار پر نہیں ہوتی، وہ ہمیشہ قلب کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں اور مالک سے کامل تعلق کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ہم لوگ تو صرف بزرگوں کی صورت بناتے ہیں اور ان کے طرز کا لباس پہنتے ہیں۔ ہم میں وہ اعمال اور حالات نہیں ہیں:-

”نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند۔“

نفس اندر گھات لگا کر بیٹھتا ہے جس طرح شکاری گھات لگا کر بیٹھتا ہے کہ کوئی آجائے تو اس کو بندوق لگائے۔ انسان جو بھی نماز اور ذکر کرتا ہے یہ نفس اس کو رائیگاں کرنے کے لئے وار کرتا ہے، خیالات اور وساوس ڈالتا ہے تاکہ شکار میں آجائے اور اس کی عبادت کو روح تک پہنچنے نہ دیا جائے کہ یہ عبادت روح کی غذا بن جائے اولیاء اللہ اس نفس کی اصلاح کرتے ہیں اور عبادت کو روح کی غذا بناتے ہیں۔ اس لئے مولانا کہہ رہے ہیں۔

یک زمانہ صحبتت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(تحفۃ السالکین ص ۱۵۵، ج ۱)

اصلاح باطن کی تلقین:

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ اصلاح باطن کے لئے تلقین کی جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:-

”انسان دنیا میں مدار زندگی اس بات پر رکھتا ہے کہ دنیا میں ترقی کرے۔ نفس کی لذتیں حاصل کرے کچھ دوسرے انسان ایسے بھی ہیں کہ جو مدار زندگی اور اپنا مرکز آخرت کو قرار دیتے ہیں۔ اللہ کی رضا مطلوب ومقصود ہوتی ہے۔ یہ دو قسم کے لوگ دنیا میں رہتے ہیں ایک کا خیال ہے کہ دنیا کی زندگی بن جائے دوسرے کا خیال ہے کہ آخرت کی زندگی سدھر جائے۔ وہی جاودانی زندگی کامیاب ہو جن کا خیال اس دنیا کی زندگی کا ہے، ان کو اللہ تعالیٰ کی فکر اور آخرت کی فکر نہیں ہوتی، وہ ہر وقت نفس کے لئے لطف ڈھونڈتے ہیں اور جن کا خیال آخرت کی فلاح کا ہوتا ہے وہ نفس کا خیال نہیں کرتے اور نہ یہ کہ دنیا کس طرح گزر رہی ہے اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ دھکے کھا کر زندگی گزار دیتے ہیں۔ دنیا کی ترقی کی طرف خیال نہیں کرتے۔ نفس کی رضا کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا۔

”تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃِ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا وَّلَا فَسَادًا“ وہ آخرت کا گھر ہم نے صرف ان لوگوں کے لئے بنایا ہے جو زمین میں تکبر اور فساد نہیں چاہتے۔ اور دنیا بنانے کے لئے تو تکبر اور فساد کرنا ناگزیر ہے۔

جو لوگ نفس کو خوش کرنے کی فکر میں پڑے رہتے ہیں اور دنیا کی ترقی کے لئے سوچتے ہیں، ان کے لئے فرمایا ”قُلْ ھَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَ خْسَرِیْنَ اَعْمَالًا. اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَھُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا“ تم کہہ دو کہ کیا ہم بتا دیں کہ سب سے زیادہ خسارے میں پڑے ہوئے کون لوگ ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیاوی زندگی کی محنت وکوشش رائیگاں چلی گئی اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ کوئی اچھا کام کر رہے ہیں۔

ترازو اس لئے ہوتی ہے کہ دو چیزوں کی نسبت معلوم کی جائے کہ کون زیادہ ہے اور کون کم ہے۔ اگر ایسی چیز ہے کہ اس کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے تو وہاں ترازو کی ضرورت ہی نہیں۔ اسی لئے فرمایا ”فَلَا نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَزْنًا“ ہم ان کے لئے کوئی وزن قیامت کے دن قائم نہیں کریں گے جب ان کے اعمال حبط ہو گئے، تو پھر وزن کیسا؟

اللہ کا ذکر انسان میں زندگی پیدا کرتا ہے، یہ روح کی غذا ہے۔

یاد حق آمد غذا ایں روح را
مرہم آمد ایں دل مجروح را

خدا کی یاد اس روح کے لئے غذا ہے اور اس دل مجروح کے لئے مرہم ہے. ”وَاذْکُرِاسْمِ رَبِّکِ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا“ اللہ کا نام لو کہ نفس ہر شے سے چھوٹ کر الگ ہو جائے، انسان کی اصلاح ذکر میں ہے۔

”اِسْتَحْوَذَ عَلَیْھِمُ الشَّیْطَانُ فَاَنْسٰھُمْ ذِکْرَ اللّٰہِ“ انسان پر شیطان حملہ آور ہوتا ہے پھر وہ اللہ کا ذکر بھول جاتا ہے ذکر اللہ سے علیٰحدگی کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کا اس پر حملہ ہو چکا ہے جب ذکر کی طرف انسان آتا ہے تو شیطان کا تسلط ختم

ہوجاتا ہے۔ ”وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ “ جن لوگوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے نفسوں سے بھلا دیا۔ ان کی طرح مت ہو۔

انسان اس دنیا کا خیال ہی نہ رکھے، بس یہ خیال ہو کہ میرا اللہ سے کتنا تعلق ہے، اسی کو مضبوط کرنا چاہیئے۔ انسان رات دن میں کم از کم اسم ذات کا وظیفہ آٹھ ہزار بار پڑھتا رہے۔ اللہ اللہ اللہ۔ اسم ذات پڑھتے وقت چار خیال کئے جاتے ہیں:-

(۱) ارادہ جواب۔ (۲) ارادہ رضا الٰہی۔ (۳) ارادہ تبتل۔ (۴) ارادہ فلاح۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے لئے پیدا کیا، اپنی محبت کے لئے پیدا کیا ہے۔ روح اللہ کو جانتی ہے اور کسی کو نہیں جانتی۔ نفس ان فانی چیزوں کو جانتا ہے اور کسی کو نہیں۔ روح کو پیدا کیا اور اس کو اپنے عشق سے بھر دیا۔

”اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ “ ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑ پر پیش کیا۔

لیکن اللہ کی اس امانت سے آسمان، زمین اور پہاڑ سب ڈر گئے۔ انسان نے امانت کو اٹھا لیا۔ انہوں نے کیوں نہیں اٹھایا اور انسان نے کیونکر اٹھا لیا؟ بات یہ ہے کہ تعلق دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک ذاتی دوسرا عارضی۔ ذاتی تعلق وہ ہے کہ کسی چیز سے تعلق اس لئے ہو کہ وہ چیز ہی مقصود ہو اور اس کے سوا کچھ بھی مقصود نہ ہو اور عارضی یہ ہے کہ کسی چیز سے تعلق اس وجہ سے ہو کہ اس سے کام نکلے گا۔

اس کی مثال ماں باپ کے ان دو بیٹوں کی سی ہے جن میں سے ایک باپ کی ذات سے محبت کرتا ہے اور اس کی خدمت کرتا ہے اور دوسرا اس کے مال کو حاصل کرنے کے لئے خدمت کرتا ہے۔ خدمت دونوں کر رہے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ ایک دل میں باپ کی ذات کی محبت ہے دوسرے کے دل میں مال کی محبت ہے۔ ایک کا تعلق اصلی ہے اور دوسرے کا عارضی۔

آسمان و زمین کا تعلق وہ نہیں تھا جو کہ انسان کا تھا۔ جہاں ذاتی تعلق ہوتا ہے وہ چھوڑا جا نہیں سکتا۔ اور جس کا تعلق عارضی ہوتا ہے وہ مشورہ کرتا ہے اور عقل کی رائے کو پیش کرتا ہے، دیکھتا ہے کہ اس میں نفع ہے یا نقصان۔ آسمان وغیرہ کو غور کرنے کا موقع ملا، ان کو اصلی اور ذاتی تعلق نہ تھا۔

حکم ہوا کہ امانت کا کون خیال رکھے گا، جو خیال رکھے گا ”اُولٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ“ یہ لوگ بہترین مخلوق ہیں اور جو امانت کو ضائع کرے گا ”اُولٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ“ یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں۔ آسمان وغیرہ نے غور کیا تو اس بار کے اٹھانے سے ڈر گئے کہ کہیں ہم مغضوب نہ ہو جائیں۔

انسان کا چونکہ ذاتی تعلق تھا تو اس کی نظر دوسرے حصہ ”شر البرية “ پر نہیں پڑی۔ اس کی غرض تھی کہ محبوب سے ملوں، وہ اس کا متلاشی تھا۔ چنانچہ بار امانت اٹھا لیا اور ”خَيْرُ الْبَرِيَّةِ“ ہو گیا۔ یا یہ تصور کیا کہ میں امانت کیسے ضائع کر سکتا ہوں۔ اس وقت وہ صرف روح تھا۔ جب وہ بدن میں آئی تو یہاں سب چیز کا محتاج ہوا۔ کھانے پینے، کپڑے مکان کا محتاج ہوا۔ یہ سب باتیں سامنے آئیں، شیطان بھی بہکانے کے لئے آ گیا۔ نفس بھی شہوات کو پسند کرنے لگا۔ ”زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ “ الخ

رہنے کے لئے انسان کو جو جگہ ملی وہ نچلی اور سفلی ہے اور فطری اور ذاتی مزاج دنیا کا اندھیرا اور جہل ہے۔ اگر بچپن سے ماں باپ کی زبان نہ معلوم ہو تو کچھ بھی نہیں بول سکتا۔ جانوروں کی طرح ہوتا، یہ تو ماں باپ سے زبان سیکھتا ہے، علم پڑھتا ہے، تجربہ کرتا ہے۔

دنیا میں کدورت ذاتی ہے، صفائی عارضی ہے، گھر کو چھوڑ دو تو کچرا بن جائے گا۔ سفید کپڑے پہن لو، میلے ہو جائیں گے۔ زمین کو صاف کر کے کھیتی کے قابل بناؤ پھر اگر چھوڑ دو تو وہ کھیتی کے قابل نہیں رہے گی۔ کدورت، جہل، ظلمت طبعی ہیں۔ انسان کو امتحان کے لئے نیچے ایسی جگہ رکھا گیا جہاں نفس، خواہشات اور شیطان پڑوس میں

آ گئے۔

پہلے انسان مجرد روح تھا۔ یہ سب چیزیں بعد میں آئیں۔ روح کو سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ آگے کیا کچھ ہوگا، تو یہ ذاتی تعلق تھا روح کا اپنے رب سے۔ اس لئے امانت کا بار اٹھالیا۔ ”**کل مولود یولد علی الفطرۃ** “ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔

آئینہ صاف ہوتا ہے لیکن جب غبار پڑ جاتا ہے تو چہرہ کو ڈھانپ لیتا ہے اور دکھائی نہیں دیتا۔ اگر صاف کیا جائے تو چہرہ دکھائے گا، روح جوہر ہے تو اسکا تعلق اللہ کے ساتھ ہے۔ لیکن شیطان اور نفس نے اس کو ڈھانک لیا ہے جب قیامت میں وہ غبار سے نکلے گی تو بے چین ہوکر اللہ سے تعلق رکھنا چاہے گی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں آج تجھ سے بات نہیں کروں گا تو اس پر بڑی چوٹ پڑے گی، انسان کہے گا کہ میں نے تو ہر چیز ضائع کردی۔

قرآن مجید کی آیات ظاہر کرتی ہیں کہ انسان کا اللہ سے تعلق ذاتی ہے۔ دنیا میں آیا تو مقتضیات بشریہ، نفس اور شیطان بڑا زور لگا رہے ہیں کہ دنیا میں پھنس جاؤ اور ان چیزوں سے دل لگاؤ سب سے نہیں تو کچھ سے تو دل لگاؤ ورنہ ایک چیز سے ہی دل لگاؤ۔ مثلاً فلاں فلاں (مال و دولت اور اولاد وغیرہ) تو بندہ مومن ان کو جواب دیتا ہے اللہ اللہ تم جو چاہو کہتے رہو، میں نے تو اپنا تعلق اللہ سے لگایا ہے وہ میرے دل میں بس چکا ہے، نہ صرف اب بلکہ ہر وقت کے لئے میں اس کا ہوں۔ میرا اس سے ازلی تعلق ہے، تم جن چیزوں کی دعوت دیتے ہو، وہ تو فانی ہیں۔

”**کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَان** “اور ”**کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ** “

میں ان فانی چیزوں کو کیوں پسند کروں وہ حی ہے اور یہ میت ہیں۔ وہ قیوم ہے، تھامنے والا اور سنبھالنے والا ہے ہر چیز کو۔ اور یہ سب اس کے سنبھالنے کے محتاج ہیں۔ لہذا میں ان سے بری ہوں۔ اپنا دل ایک کو دے رہا ہوں، باقی چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ ”**قل یا ایھا الکافرون لا اعبد ماتعبدون** “
میرا دین یہ ہے کہ ماسوا اللہ سے بے زار ہوں کسی کو نہیں دیکھتا۔

دوسرا ارادہ رضا ہے، عاشق تو یہی چاہتا ہے کہ میرا محبوب ہر وقت مجھ سے راضی رہے، میں وہ کام کروں جو میرے محبوب کو پسند ہو اور اس کی وجہ سے وہ مجھ سے راضی رہے۔ حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ”**الا اخبرکم بخیر اعمالکم وازکٰھا عند ملیککم** “ کیا تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جو سب سے بہتر ہو اور سب سے پاکیزہ ہو اللہ کی راہ میں سونا اور چاندی خرچ کرنے سے بہتر ہو اور دشمن سے راہ خدا میں لڑنے سے بھی بہتر ہو۔ وہ عمل ہے اللہ کا ذکر، قلب کا تعلق اللہ کے ساتھ ہو جائے، یہ عمل رضائے الٰہی کا موجب ہے۔

تیسرا ارادہ تبتل ہے۔ ”وَاذْکُرِاسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً“، تبتل کا معنی ہے ہر چیز سے علیحدگی۔ صرف اپنے رب کے ساتھ تعلق اور دل کا لگاؤ ہو۔

چوتھا ارادہ فلاح کا ہے۔ یعنی فلاح آخرت، میں جب دنیا سے جاؤں تو وہاں کامیاب ہوکر پہنچوں۔ یہ فلاح بھی ذکر سے حاصل ہوگی ”وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْراً لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ “ اللہ کو خوب یاد کرو تاکہ تم کو فلاح حاصل ہو۔

اس کے علاوہ استغفار بھی کیا جاتا ہے کہ اس ذکر اللہ سے پہلے جو مجھ سے بے ادبی، گستاخی، نافرمانی اور چھوٹے بڑے گناہ ہو چکے ہیں، ان سے معافی چاہتا ہوں۔ ”اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ “ ایک سو بار روزانہ پڑھنا چاہیئے۔

اس کے علاوہ درود شریف بھی پڑھتا رہے کہ اس نبی پاک نے اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کروایا ہے اور یہ میرا محسن اور مرشد ہے۔ جس نے یہ سبق سکھایا ہے۔ درود شریف پڑھتے وقت یہ خیال کرے کہ میں حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے بیٹھا ہوں، حاضر و ناظر جاننا شرک ہے، لیکن محبت کی روح سے خیال کرے کہ میں اپنے محبوب سے باتیں کرر ہا ہوں۔ یہ نہ سمجھے کہ حضور ﷺ سن رہے ہیں۔

درود شریف پڑھتے وقت دوزانو ہوکر بیٹھے کیونکہ حضور ﷺ اکثر دوزانو ہوکر بیٹھتے تھے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی آپ کے سامنے اسی طرح بیٹھتے تھے، درود

شریف پڑھتے وقت تین خیال دل میں رکھے۔ (۱) عزت (۲) محبت (۳) متابعت۔

عزت یہ کہ ساری مخلوق سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت فرمائی ہے۔ محبت یہ ہے کہ ساری چیزیں جو محبت والی ہیں، دوست واحباب، اقرباء ووالدین حتیٰ کہ اپنی جان بھی، ان سب سے بڑھ کر میرے پیارے محبوب حضور کریم ﷺ ہیں، میں ان پر فدا ہوں۔ متابعت یہ کہ میں کبھی بھی ان کے طریقے (سنت) سے انحراف نہ کروں گا۔

یہ درود شریف ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ شب جمعہ کو بعد نماز عشاء پچاس بار پڑھنا چاہیئے۔ درود شریف کے بعد یہ دعا مانگی جائے کہ یا اللہ میرا تعلق آپ سے، آپ کے دین اسلام سے، اور رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح ہوجائے جیسا کہ خلفاء راشدینؓ کا تھا۔ یہ سبق دل میں مضبوط بیٹھ جائے، اس لئے کہ قبر کے اندر بھی انسان سے اسی تعلق کے متعلق پوچھا جاتا ہے۔ (تحفۃ السالکین ص ۵۵، ج ۱)

تسخیر جنات نہیں تسخیر نفس:

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت والا سے تسخیر جنات کے لئے عرض کیا۔ یعنی ایسا وظیفہ بتا دیا جائے کہ جس سے جنات مسخر ہوجائیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ انسان کو خالق حقیقی نے پیدا کیا ہے اس لئے چاہیئے کہ اپنے خالق کے وصال کا طالب ہو۔ تسخیر جنات کی طلب کو چھوڑ دے کیونکہ یہ جنات گمراہی کا باعث ہوتے ہیں اور یہ جنات اکثر گمراہ لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس انسان کو چاہیئے کہ اپنے نفس کی تسخیر کی کوشش کرے تاکہ اسکا نفس مسخر ہو اور مطیع ہوجائے۔ اس لئے کہ اس کی تسخیر حق تعالیٰ کی رضا کا سبب اور نجات آخرت کا باعث ہے۔ (تجلیات ص ۹۷)

عامل نہ بنو کامل بنو:

مرشدی حضرت مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہ نے نقل کیا کہ ایک طالب علم

نے حضرت والا سے درخواست کی کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتادیجئے کہ جس سے مجھ کو روزانہ پانچ روپے تکیہ کے نیچے سے مل جایا کریں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ بیٹا مجھے یہ عمل نہ معلوم ہے اور نہ تو مجھ کو میرے شیخ نے یہ عمل سکھایا ہے اور نہ تو ان عملیات کو میرے مشائخ نے پسند فرمایا ہے اور آپ نے ایک نہایت مدلل ومفصل تقریر فرمائی جس میں عملیات کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ بیٹا اگر تم کو روزانہ پانچ روپے مل جایا کریں تو ہر ضرورت کے وقت تم کو پانچ روپے یاد آئیں گے، اللہ تعالیٰ نہیں یاد آئیگا کیونکہ دنیا میں تمہاری حاجت روائی انہی پانچ روپوں سے ہوتی رہی ہے۔

آخر میں بطور خلاصۂ تقریر کے فرمایا کہ کامل بنو، عامل نہ بنو۔ عامل وہ ہے جو خدا کو اپنی مرضی پر چلانا چاہتا ہے اور کامل وہ ہے جو خود خدا کی مرضی پر چلنا چاہتا ہے۔ (تجلیات ص ۱۱۹)

عالم الغیب صرف خدا ہے:

مجلس میں ایک شخص نے عرض کیا کہ اگر کوئی آدمی یہ بات کہے کہ مرشد وہ شخص ہوسکتا ہے جو مرید کو ہر وقت دیکھتا رہے جو مرشد مرید کو نہ دیکھے اور اس کے ہر وقت کے حالات سے باخبر نہ ہو تو وہ مرشد نہیں ہوسکتا۔ اس پر حضرت نے علماء کرام (مولانا عبد الغنی جاجروی اور مولانا مظہر الدین وغیرہ) کی موجودگی میں یہ ارشاد فرمایا:-

”ہمارے لئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رہنما ہے اور ہمیں اس سے رہنمائی لینی چاہیئے۔ انبیاء علیہ السلام سے مقام اور مرتبہ میں کوئی شخص بڑھ کر نہیں ہوسکتا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم سے پوچھا جب کہ وہ پھل کھارہی تھیں کہ ”اَنّٰی لَکَ هٰذَا“ یہ بے موسم پھل کہاں سے آگئے۔ ”قالت هو من عند الله“ یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ اگر حضرت زکریا علیہ السلام کو معلوم ہوتا تو کیوں پوچھتے۔ ”هُنَالِکَ دَعَا زَکَرِیَّا“ اس وقت زکریا علیہ السلام نے دعا کی کہ بے موسم میوے تو دے سکتا ہے تو مجھے بھی بڑھاپے میں اولاد عطا کر۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائی لے کر گئے، جھوٹا کرتا لے کر آئے کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے کی جدائی پر اتنا روئے کہ آنکھیں بھی چلی گئیں مگر معلوم نہ ہوسکا جب کئی سال گزر گئے حضرت یوسف جیل میں گئے پھر حکومت پر آئے، سات سال خوشحالی کے گزر گئے، پھر سات سال قحط کے آگئے تب ان کے بھائی مصر سے آئے اور پھر اس کے بعد مصر سے اپنے باپ کے لئے حضرت یوسف نے کرتا بھیجا تو اس کرتہ کی خوشبو ان کو آئی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ نبی ہیں مگر اپنے بیٹے کی خبر نہیں ہے کہ زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اللہ کے فرشتے آئے تو ان کو معلوم نہ ہوسکا اور وہ ان کے لئے گائے کے بچے کو بھون کر لے آئے۔ جب وہ نہیں کھا رہے تھے تو ان کو خوف ہوا کہ شاید دشمن ہیں کہ نمک نہیں کھا رہے ہیں جب فرشتوں نے خود کہا کہ ہم تو بشارت کے لئے آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بچہ عنایت کرے گا تب جا کر فکر ختم ہوئی۔

یہی فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو ان کو ڈر ہوا کہ میری قوم کی جو حالت ہے اس میں اپنے مہمانوں کو کہاں بچاؤں۔ قوم کو سمجھانے لگے کہ "ھٰٓؤُلَاءِ بَنَاتِیْ" یہ میری بیٹیاں ہیں۔ ان سے نکاح کرلو مگر میرے مہمانوں کے سامنے مجھے شرمندہ مت کرو تب فرشتوں نے ظاہر کیا کہ ہم تو فرشتے ہیں آپ کی قوم کو عذاب دینے کے لئے آئے ہیں، تب جا کر اطمینان ہوا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا، وہ آکر کوئی معقول عذر بیان کرے، یا نہیں تو پھر میں اس کو ذبح کردوں گا۔ پھر ہدہد آیا تو کہنے لگا میں ایسی خبر لایا ہوں جس کا احاطہ آپ کو نہیں حاصل ہے۔ "اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِہٖ" حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس قوم کا پتہ نہیں تھا اور نہ ہدہد کے سفر کا علم تھا ورنہ وہ یہ کیوں کہتے کہ میں اس کو ذبح کردوں گا یا کوئی عذر پیش کرے۔

حضور کریم ﷺ کے اہل خانہ کے ساتھ واقعہ افک (تہمت) پیش آیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو معاملات پیش آئے تو آپ بھی دوسرے صحابہ کی طرح پریشان رہے جب وحی الٰہی نے تصدیق کی تب جا کر اطمینان ہوا۔

یہ تمام واقعات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ پیش آئے جو مخلوق میں سب سے بڑھ کر اعلیٰ اور افضل مقام و مرتبہ رکھتے ہیں مگر انہیں غیب کا علم نہیں ہے، علم غیب خاصۂ خداوندی ہے جو اس بات کو نہیں مانتا اس کو ایمان باللہ نہیں ہے۔ قرآن مجید میں وارد ہے "**قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہ**" آسمانوں اور زمینوں میں کوئی جاندار چیز ایسی نہیں ہے کہ جو غیب کو جان سکے، مگر اللہ صرف وہی غیب جانتا ہے۔

ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، فریب کے ساتھ کچھ صحابہ کرام کو لے گئے ان کو جا کر شہید کردیا۔ اگر آپ کو پہلے سے علم ہوتا تو آپ ان فریب کاروں کو جان لیتے اور اپنے آدمی ان کو نہ دیتے تو کیا شہید کروانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جان بوجھ کر آدمی دیئے تھے۔

اس لئے یہ عقیدہ اسلام میں متفق علیہ ہے کہ "علم غیب را خاصہ خدا دانستن" یعنی علم غیب کو خاصہ خداوندی جاننا۔ آئی بات سمجھ میں۔ جب انبیاء کا یہ حال ہے تو اور لوگوں کی بات ہی کیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر آئے ان کے پیچھے قوم گمراہ ہوگئی جب واپس آئے تو بھائی کو پکڑا، ان کی ڈاڑھی اور سر کو پکڑا اور کہا تو نے کیوں ان کو گمراہ ہونے دیا۔ تو حضرت ہارون علیہ السلام فرماتے ہیں "لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ" (میری ڈاڑھی نہ پکڑیئے)" کَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ" یعنی میں نے اتنی کوشش کی کہ قریب تھا کہ مجھے قتل کردیتے، پھر میں نے صبر کیا تاکہ قوم تقسیم نہ ہوجائے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حقیقت حال کی خبر ہوئی تو اطمینان ہوا اور معافی مانگی۔

درحقیقت لوگ علماء کرام کی صحبت اختیار نہیں کرتے اس وجہ سے اس طرح کے

کفریہ عقائد میں گمراہ ہوجاتے ہیں۔ صحابہ کرام کے اندر بھی مراتب ہیں سب ایک جیسے نہیں ہیں۔ بعض کو بعض پر فضیلت ہے، مگر بعد میں آنے والا کوئی بھی صحابی کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

یہ لوگ فریب اور مکر کرکے کہتے ہیں کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں وغیرہ تاکہ لوگ ان کے پاس آجائیں ایسے لوگ صحیح مرشد نہیں ہوسکتے۔

باقی اولیاء کرام پر بعض اوقات کچھ چیزیں منکشف ہوجاتی ہیں مگر یہ سب اللہ کی مشیت کے ساتھ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ چاہے کسی بندہ پر کوئی چیز منکشف کردے، باقی ہروقت ہرحال میں مرشد اپنے مرید کو دیکھتا رہتا ہے اور اس کے حالات کو جانتا ہے تو یہ عقیدہ رکھنا کفروشرک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین کام بتائے ہیں۔ ”یَتۡلُوۡعَلَیۡھِمۡ اٰیَاتِهٖ وَیُزَکِّیۡھِمۡ وَیُعَلِّمُھُمُ الۡکِتَابَ وَالۡحِکۡمَةَ“ ہمارے نبی ان پر آیات الٰہی کے تلاوت کرتے ہیں ان کا تزکیہ نفس کرتے ہیں اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

اولیاء کرام بھی ان فرائض کو سرانجام دیتے ہیں۔ خاص طور پر تزکیہ نفس کے لئے امت کو تلقین کرتے ہیں مگر جب تک ولی کامل زندہ ہوتا ہے اس وقت تک تلقین کا اثر رہتا ہے بعد میں لوگ اس کو بھول جاتے ہیں اور اس ولی کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں، مگر کتاب وسنت کا علم آجانے کے بعد انسان گمراہ نہیں ہوسکتا۔ عالم نے اگر صحیح علم دیا تو اس کے مرنے کے بعد بھی علم کی وجہ سے انسان کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق ملتی ہے اس لئے علم ہر چیز پر مقدم ہے۔ یہ سب سے بڑی خدمت ہے۔ عوام الناس کے گمراہ ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ علماء کی صحبت اختیار نہیں کرتے اور ان کو قرآن وسنت کا علم حاصل نہیں ہوتا۔ (تحفۃ السالکین ص ۲۷۳، ج ۲)

مشائخ قادریہ کا طریقہ ذکر:

ارشاد فرمایا کہ حضرات صوفیہ کرام نے ذکر کو چار تسبیحوں میں تقسیم کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیہ کرام کے نزدیک عالم چار ہیں:-

(۱) عالم ناسوت
(۲) عالم ملکوت
(۳) عالم جبروت
(۴) عالم لاہوت

انہیں چاروں کا خیال کرکے ذکر کیا جاتا ہے۔

پھر صوفیاء کرام کے یہاں لطائف چھ ہیں۔ پانچ عالم امر کے اور ایک عالم خلق کا ”اَلَا لَهُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ“ عرش عظیم کے نیچے سارا عالم خلق یعنی مخلوق ہے اور اس کے اوپر عالم امر ہے۔ عالم خلق کی چیزیں یہ ہیں۔ مٹی، ہوا، آگ، پانی ان کی ترکیب سے لطیفہ نفس کا وجود ہے اور عالم امر کے لطائف یہ ہیں۔ روح، سر، قلب، خفی، اخفیٰ۔

ذکر انہیں چھ لطیفوں میں کیا جاتا ہے۔ حضرات صوفیہ نے کافی تجربہ کے بعد ان کے چھ مقامات متعین کئے ہیں اگر ان مقامات سے ذکر کیا جاتا ہے تو مفید ہوتا ہے۔

اگر ذکر کے متعلق یہ اعتراض کیا جائے کہ اصلاح قلب کے لئے یہ طریقہ کیوں مقرر کیا ہے، یہ تو بدعت ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں جہاد کا حکم ہے۔ پہلے زمانہ میں لڑائی تیروں، تلواروں سے اور گھوڑوں پر سوار ہوکر کی جاتی تھی۔ جہاد کا حکم تو قیامت تک قائم ہے۔ کبھی فرض عین، تو کبھی فرض کفایہ۔ تو اسوقت لڑائی تیروں اور تلواروں سے تو نہ ہوگی بلکہ موجودہ رائج الوقت ہتھیاروں سے ہوگی تو اس طریقہ کو یقیناً بدعت نہ کہا جائگا۔ اسی طرح یہاں بھی اصل مقصد ہے قلب کی اصلاح اور دل کے تعلق کو اپنے خالق ومالک کے ساتھ وابستہ کرنا، ساری دنیا سے دل کو ہٹا کر صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنا، اسی پر اعتماد کرنا، اسی کو ہر کام میں متصرف اور کارساز سمجھنا، اسی چیز کو حاصل کرنے کے لئے صوفیاء کرام نے یہ طریقہ متعین فرمایا ہے۔

روح کا تعلق اصل میں اپنے خالق کے ساتھ ہے جب وہ اس دنیا میں آئی اور

دنیا کی آلودگی اور گندگی نے اس کو گھیرا تو وہ ان چیزوں میں ملوث ہوگئی اور اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے کٹ کر ماسوا اللہ سے جڑ گیا۔ اور انسان ماسوا اللہ سے محبت کرنے لگا اور اللہ کو چھوڑ کر غیروں پر اعتماد کرنے لگا، اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس حد تک ذلیل وخوار ہوا کہ غیر اللہ کو اپنا معبود مشکل کشا اور کارساز بنالیا۔ اللہ تعالیٰ سے عبدیت کا تعلق توڑ کر غیر اللہ سے جوڑ لیا، اس لئے اب روح کو ذکر اللہ کے ذریعے پاک کیا جاتا ہے تا کہ غیر اللہ کے تعلقات دل سے نکل جائیں اور قلب میں صرف اللہ تعالیٰ کا تعلق باقی رہے۔

ذکر جہری چھ لطیفوں میں کیا جاتا ہے۔ پہلی تسبیح " **لاالٰہ الااللہ** " ہے۔ یہ ذکر ان تین لطائف میں کیا جاتا ہے جن کا تعلق عالم ناسوت سے ہے

" **لا** " کا لفظ داہنے پستان سے دو انگشت نیچے کی جگہ سے ادا کیا جاتا ہے۔ (یعنی یہ تصور کیا جاتا ہے کہ "**لا**" وہاں سے ادا ہو رہا ہے) یہ لطیفہ روح ہے۔

" **الٰہ** " کا لفظ لطیفۂ روح کی محاذات میں وسط سینہ سے ادا کیا جاتا ہے، یہ لطیفۂ سرّ ہے۔

" **الا اللہ** " کا بائیں پستان کے دو انگشت نیچے سے ادا کیا جاتا ہے، یہ لطیفہ قلب ہے۔ یہی مقام قلب کا مستقر ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے " **ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب** " (جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا بدن درست ہوتا ہے، اور جب وہ فاسد ہو جاتا ہے تو سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے۔)

حقیقت میں اس گوشت کے لوتھڑے کو قلب نہیں کہا جاتا ہے، قلب تو ارادہ وخیال کا نام ہے۔ باقی اس کو قلب اس لئے کہا جاتا ہے " **یتقلب من حال الی حال** " (وہ ایک حال پر برقرار نہیں رہتا بلکہ بدلتا رہتا ہے) اس جگہ پر چونکہ اول خیال آتا ہے، اس لئے مجازاً اسی گوشت کے ٹکڑے کو قلب کیا جاتا ہے۔

یہ " **لا الٰہ الا اللہ** " کا ذکر انہیں تینوں لطائف سے کہا جاتا ہے۔ یہ تصور کرکے کہ ان مقامات میں زبان ہے اور اسی سے آواز آرہی ہے، اس وظیفہ کے وقت یہ خیال کرے کہ میں ساری دنیا سے بیزار ہوں، ہر ماسوا اللہ سے میں نے اپنا تعلق توڑ لیا، اب میرا تعلق کسی شے سے نہیں، دل سے ہر ماسوا اللہ کے خیالات کو پھینک کر صرف اللہ کا خیال کرتا ہوں مجھے وہی کافی ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے، وہی میرا کارساز ہے، وہی مجھ میں متصرف ہے۔

جب یہ تسبیح پوری ہو جائے تو کہے " **محمد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم** " اور اس وقت یہ خیال کرے کہ اس پیغام کے پہنچانے والے اور تعلق مع اللہ قائم کرنے والے صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

دوسری تسبیح ہے " **الا اللہ** " کی یہ تسبیح عالم ملکوت کی ہے۔ یہ لطیفۂ نفس سے ادا کی جاتی ہے۔ یہ لطیفہ ناف سے دو انگشت نیچے چنے کی دال کے بقدر ہے، اس وقت ذاکر یہ خیال کرے کہ میں عالم ناسوت اور اس کے تعلقات سے آزاد ہو کر عالم ملکوت میں پہنچ گیا ہوں، یہاں میرے ساتھ کوئی گندگی اور دنیوی آلائش نہیں ہے کیونکہ عالم ناسوت میں دنیاوی تعلقات موجود تھے اس کی " **لاالٰہ** " سے نفی کر دی گئی ہے۔ اب یہاں اس قسم کی کوئی چیز موجود نہیں ہے اسی وجہ سے نفی کو چھوڑ کر صرف اثبات پر اکتفا کی گئی۔

اعتراض:

اس ترکیب پر میر سید شریف نے اعتراض کیا ہے کہ " **الااللّٰہ** " میں لفظ " **الا** " صفتی بمعنی "غیر" کے ہے، لہذا غیر اللہ غیر اللہ کا وظیفہ پڑھنا صحیح نہیں ہے

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ترکیب اور معنی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس ترکیب سے

کلمہ توحید کا مفہوم ثابت نہ ہو سکے گا۔ کلمہ توحید کا مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ سے الوہیت کی نفی کر کے اللہ کے لئے الوہیت کا اثبات کیا جائے۔ یہ معنی ” الا “صفتی سے ثابت نہ ہوگا کیونکہ اس میں تو صرف غیر اللہ سے الوہیت کی نفی ہوتی ہے، باقی اثبات سے سکوت ہے۔ لہذا یہ ” الا “استثنا ہی ہوگا۔

اشکال اور اس کا حل:

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ بغیر مستثنیٰ منہ کے صرف ” الا اللہ “ مستثنیٰ کہنا غلط ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ محذوف منوی ہے، اس کی مثال کلام عرب میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ” الا الاذخر “ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہ اس وقت کی بات ہے جب آپؐ نے فرمایا تھا کہ حرم مکہ میں کوئی درخت وغیرہ نہیں کاٹا جا سکتا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ” الا الاذخر یا رسول اللہ “ تو آپ نے فرمایا ” الا الاذخر “ یہاں بھی مستثنیٰ منہ محذوف منوی ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ اس کلمہ کو بار بار کیوں کہا جاتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تاکید کے لئے کہا جاتا ہے۔ پھر اس پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ تاکید کے لئے صرف تین دفعہ کہنا کافی ہے، اس سے زیادہ صحیح نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تاکید کبھی مخاطب کے تنبیہ کے لئے کی جاتی ہے تو وہ تین دفعہ پورا ہو جاتا ہے مگر کبھی تاکید خود اپنے نفس کے واسطے ہوتی ہے تو اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ جب تک نفس میں تنبہ نہ آ جائے۔

جب یہ تسبیح پوری ہو جائے تو کہے ” محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تیسری تسبیح لفظ ” اللّٰہ “ کی ہے۔ یہ عالم جبروت کا ذکر ہے۔ اسے لطیفہ خفی سے ادا کیا جاتا ہے، جو پیشانی کے وسط میں ہے۔ اس وقت ذاکر یہ خیال کرے کہ میں عالم ملکوت سے نکل کر عالم جبروت میں پہنچ گیا ہوں۔ جو صفات باری تعالیٰ کا مقام ہے اس مقام سے ” اللّٰہ “ کہا جاتا ہے جو کہ تمام صفات کمال کا جامع ہے۔ گویا بندہ اللہ کی صفات میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ جب یہ تسبیح پوری ہو جائے تو کہے ”جل شانہ “ یعنی میں نے اپنی طاقت کے مطابق یہ ارادہ و خیال کیا، باقی صفات باری تعالیٰ کا احاطہ محال ہے۔

چوتھی تسبیح ہے ” ھو “ یہ تسبیح عالم لاہوت کی ہے۔ جو لطیفہ اخفیٰ سے ادا کی جاتی ہے۔ لطیفہ اخفیٰ کا مقام سر کا تالو ہے۔ جو بچپن میں نرم ہوتا ہے۔ ” ھو “ضمیر نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں بلکہ یہ اسم ذات ہے، جس پر مولانا روم علیہ الرحمۃ کا یہ شعر دلالت کرتا ہے۔

فکر ما تیر است از ” ھو “ در ہوا
در ہوا کے باید آید تا نیاید ناخدا

اس وقت ذاکر یہ خیال کرے کہ میں اللہ کی ذات میں مستغرق ہو چکا ہوں جب تسبیح ختم کرے تو کہے ” جل شانہ “ یعنی اللہ تعالیٰ کی شان اونچی ہے۔ میں اس کے ادراک سے قاصر ہوں۔

ذکر کی ابتداء میں گیارہ دفعہ سورہ اخلاص ہر مرتبہ بسم اللہ کے ساتھ پڑھ کر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور سلسلہ قادریہ کے آخری پیر تک سب مشائخ کو ایصال ثواب کرے، اس کے بعد کہے کہ اے میرے رب جس طرح میرے مشائخ پر آپ نے رحم وکرم کی نظر فرمائی ہے ان کے صدقے میں اس عاجز کے قلب پر بھی وہی رحم وکرم کی نظر فرمائیے۔ اس کے بعد ” **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** “ اور ” **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** “ **افضل الذکر** پڑھ کر ذکر شروع کرے۔

ذکر قلبی:

ذکر قلبی کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مع حبس دم یعنی سانس کو بند کر کے۔ (۲) بغیر حبس دم کے، یہ دونوں قلب سے کئے جاتے ہیں۔ حبس دم والے ذکر کی ہر روز چھ تسبیح

کی جاتی ہے، پانچ تسبیحات نماز پنجگانہ کے بعد اور چھٹی تسبیح ذکر جہری ختم کرنے کے بعد متصلاً۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ زبان کو تالو سے ملالے۔ سانس کو قلب میں بند کرے اور قلب سے کہے " اللّٰـه اللّٰه " اگر سانس پھول جائے تو سانس کو " هو " کے لفظ سے لطیفہ سر سے باہر نکالے اور لفظ " اللّٰه " کے ساتھ لطیفہ قلب میں لے جائے۔ پھر سلسلہ جاری رکھے۔

لفظ " الله " کا ذکر بغیر حبس دم کے روزانہ آٹھ ہزار مرتبہ کیا جاتا ہے۔ تسبیح کے ایک دانہ کو پکڑتے وقت، چار دفعہ لفظ " الله " کہے۔ پھر چھوڑتے وقت بھی چار دفعہ کہے۔ اس طرح ایک تسبیح پر آتھ سو دفعہ ہو جائیں گے اور دس تسبیح پر آٹھ ہزار ہو جائیں گے۔

اس ذکر کے کرتے وقت چار خیال کئے جائیں گے۔

(۱) نفس اور شیطان کو جواب دینے کا ارادہ۔ انسان کو نفس اور شیطان ابھارتے ہیں، دنیا کے تعلقات اپنی طرف کھینچتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہماری طرف آ، مومن کہتا ہے "الله الله " گویا ان کو جواب دیتا ہے، کہ تو مجھے نہیں چاہیے مجھے الله تعالیٰ کافی ہے۔

(۲) رضائے الٰہی کا ارادہ یعنی ذکر کرتے وقت یہ خیال کرے کہ ذکر کرنے کے سبب الله تعالیٰ مجھ سے راضی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ "اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرِ اَعْمَالِکُمْ "الخ (یہ حدیث گزر چکی ہے)

(۳) تبتل کا ارادہ، یعنی اے الله ساری کائنات سے منہ موڑ کر میں نے آپ کو ہی پکڑا ہے باقی ساری کائنات سے میں جدا ہوں۔

(۴) فلاح دارین کا ارادہ۔ " وَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ "الله کا ذکر زیادہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

اس کے علاوہ آیت الکرسی کی ابتداء " الله لااله هو الحی القیوم " کا

وظیفہ چالیس دن تک تین سو تیرہ دفعہ اور اس کے بعد روزانہ ایک تسبیح پڑھی جائے گی۔ اس کا افضل وقت فجر کی سنت اور فرض کے درمیان ہے ورنہ کسی بھی وقت پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ روزانہ چوبیس گھنٹہ میں ایک سو دفعہ " اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْهِ " پڑھا جائے گا۔ حدیث شریف میں تاکید ہے کہ استغفار کرتے رہا کرو، اس وقت یہ خیال کیا جائے گا کہ یا الله میرے صغیرہ، کبیرہ، عمداً، خطاً سب گناہ معاف فرما دیجئے اور روزانہ سو مرتبہ درود پڑھنا چاہیئے۔

درود شریف کا صیغہ یہ ہے۔ " اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَآلِهٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ عَدَدَ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ دَائِماً اَبَداً۔"

(تحفۃ السالکین ص ۱۷۸، ج ۱)

خدمت دین کے بنیادی ارکان:

فرمایا کہ دین کی خدمت کے بنیادی ارکان تین ہیں۔ اول یہ ہے کہ دین کی خدمت اور دینی امور آدمی کے اپنے ذاتی کام بن جائیں۔ یعنی دین کا کام اس کے حق میں اجنبی نہ رہے بلکہ آدمی اسے خاص اپنا کام سمجھ کر کرے۔

دوسرے یہ کہ اسے مخلوق سے کسی طرح کی امید اور طمع نہ ہو جو کچھ امید اور طمع ہو، صرف خالق تعالیٰ سے ہو۔ یعنی وہ اپنے تمام امور میں حق تعالیٰ ہی کو وکیل و کارساز جانے کسی مخلوق کے سامنے نہ ہاتھ پھیلائے اور نہ دل میں کوئی امید رکھے اور نہ دینی خدمت کو حصول دنیا کا ذریعہ بنائے۔

تیسرے یہ کہ حق بات کہے یعنی کلمہ حق کہنے میں کسی سے نہ ڈرے خواہ اس سے لوگ راضی ہوں یا ناراض۔ (الاشارات الحمادیہ ص ۱۰)

قلب سلیم:

فرمایا کہ اصل مطلوب یہ ہے کہ بندہ ہر وقت حق تعالیٰ کو یاد کرے۔ خواہ قلب

اور لسان دونوں سے یا کسی ایک سے اور دنیاوی علائق وروابط کچھ نہیں ہیں۔ ''اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ'' (تمام دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ سوائے اہل تقویٰ کے) قلب سلیم وہ ہے جس میں غیر اللہ کا گزر نہ ہو۔

تعلم وتعلیم اور اخلاص:

فرمایا کہ علم حاصل کرنا مشکل ہے، تعلیم دینا اس سے مشکل ہے اور ایک چیز ان دونوں سے بھی دشوار ہے، وہ ہے اخلاص۔ (الاشارات ص ۱۰)

خدمت دین:

فرمایا کہ آدمی یہ کبھی نہ کہے کہ میں پڑھنے کے بعد تعلیم دوں گا بلکہ یہ کہے کہ میں دین کی خدمت کروں گا۔ خواہ مسجد میں جھاڑو ہی لگانا ہو۔ وبنعمة اللہ تتم الصالحات۔ (الاشارات الحمادیہ ص ۱۰)

باب نمبر ۱۶

شجرہ سلسلۂ عالیہ قادریہ

جس طرح علوم ظاہری، بالخصوص علم حدیث میں اسناد کی بڑی اہمیت ہے۔ اسناد ہی کی بنیاد پر حدیث کی صحت اور اس کے ضعف وسقم کا پتہ چلتا ہے اسی لئے ہر محدث جب کسی حدیث کو بیان کرنا چاہتا ہے تو وہ مکلّف ہوتا ہے کہ جن واسطوں سے وہ حدیث اس تک پہنچی ہے انہیں بیان کرے پھر جب حدیث کی کتابیں مرتب اور مدون ہوگئیں تب یہ ضروری ہوا کہ کس استاذ سے وہ کتاب پڑھی ہے؟ صرف کتاب کے مطالعہ کو کبھی کافی نہیں سمجھا گیا تاوقتیکہ کسی استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہ کیا ہو۔ علم عالم سے حاصل ہوتا ہے نہ صرف کتاب سے، محدثین کی اصطلاح میں ان علماء کو جنھوں نے محض کتابوں کے مطالعہ سے علم حاصل کیا ہو '' صحفی '' کہا جاتا ہے ایسے ارباب علم محدثین کے نزدیک چنداں اعتبار نہیں رکھتے علم میں رسوخ اور گہرائی پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کسی ماہر اور حاذق عالم کی صحبت اختیار کی جائے۔ تاکہ اس سے علم کا صحیح ذوق حاصل ہو جس طرح علم ظاہر میں یہ ایک مسلمہ اصول ہے اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ تزکیہ واحسان اور تصوف وسلوک یعنی علم باطنی میں یہ اصول کارفرما ہے محض کتابوں سے اصلاح نفس اور تزکیہ کبھی حاصل نہیں ہوسکتا اس کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کسی صاحب نفس قدسیہ عارف باللہ ماہر امراض نفسانی اور حاذق طبیب روحانی کی خدمت میں رہے اس کے حضور میں اپنے نفس وقلب کی اصلاح کرائے۔

جب یہ بات ہے تو یہاں بھی ضروری ہے کہ سالک راہ طریقت کے پاس بھی سند ہو جس کے واسطے سے اس کا تعلق مرشد اول جناب سیدنا ونبینا حضرت محمد ﷺ سے متصل ہوتا ہو۔ اسی لئے ہر بزرگ کا ایک سلسلہ بیعت وصحبت ہوتا ہے اسے ان حضرات کی اصطلاح میں شجرہ کہا جاتا ہے، شجرہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں کیسے کیسے اور کن کن بزرگوں کی روحانیت سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اور کن کن اکابر اولیاء اللہ کے برکات اس سلسلہ میں ہیں۔

پھر یہ سب حضرات اللہ کے نیک بندے ہیں ان سے محبت رکھنا ان کا دلی

احترام کرنا، ان کی عقیدت میں سرشار ہونا خود ایک عظیم عبادت اور موجب برکات وسعادات ہے

"عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة"
(صالحین کے تذکرہ کے وقت اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے)

علامہ سخاویؒ نے لکھا ہے یہ مشہور محدث حضرت سفیان بن عیینہ علیہ الرحمۃ کا قول ہے اور محدث علامہ ابن جوزیؒ کے حوالے سے بھی انہوں نے نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابوعمرو بن نجید نے حضرت ابوجعفر بن ھمدان سے پوچھا اور یہ دونوں صالحین میں سے تھے کہ میں کس نیت سے حدیث لکھوں؟ انہوں نے فرمایا کہ کیا یہ بات تمہیں نہیں معلوم کہ " **عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة** " (صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے) انہوں نے کہا کہ یہ معلوم ہے تو انہوں نے فرمایا تب سمجھ لو! رسول ﷺ **راس الصالحین.** ہیں۔ (المقاصد الحسنہ ۲۹۸)

اس سے معلوم ہوا کہ سلف میں یہ بات معروف تھی کہ صالحین کا ذکر موجب رحمت ہے

تو شجرہ میں یکجا طور پر بہت سے صالحین کا ذکر ہوتا ہے ایک سالک جب عقیدت کے قلب سے اور محبت کی زبان سے ان ناموں کو لیتا ہے تو یقیناً اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ اسی لئے حضرات مشائخ اپنے متوسلین کو شجرہ عطا فرماتے ہیں کہ وہ کبھی کبھی برکت کے طور پر اسے پڑھا کریں۔ لیکن لوگوں نے اس مسئلہ میں غلو اختیار کیا اور شجرہ کو پروانۂ مغفرت سمجھ لیا اسے قبروں میں رکھنے کا دستور بنالیا ذکر اللہ، فرائض، نوافل، اور قرآن سے غافل ہوکر شجرہ ہی کی تلاوت میں لگ گئے اور اسی کو سب کچھ سمجھ لیا تو حضرات مشائخ اہل حق نے اس غلو کی اصلاح کی، اور شجرہ کی اصل حقیقت واضح کی، اور بجائے اس کے اپنے متوسلین کو ضروری اعمال واذکار کی طرف متوجہ کیا۔

حضرت اقدس ہالیجوی قدس سرہ دیکھتے تھے کہ لوگ غیر ضروری چیزوں میں لگ کر ضروری امور سے غافل رہ جاتے ہیں تو اصل چیز کی طرف متوجہ کرنے کے لئے

انھوں نے شجرہ وغیرہ کی طرف اتنی توجہ نہیں دی جتنی عام طور پر اس کی طرف توجہ ہوتی ہے۔

میں نے اپنے شیخ سے شجرہ کی بابت پوچھا تو فرمایا کہ ہمارے شیخ ومرشد کے نزدیک اصل شجرہ یہ ہے کہ شیخ کی تعلیمات کی جان ودل سے تعمیل کی جائے تاہم میرے اصرار پر بتایا کہ حضرت صاحب کے بعض متوسلین نے حضرت کی زندگی میں شجرہ شائع کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے شجرہ کا ایک پرانا نسخہ عطا فرمایا میں اس پورے شجرہ کو نقل کر دیتا ہوں۔ اللہ نے کبھی توفیق بخشی تو شجرہ میں آئے ہوئے بزرگوں کے مختصر حالات تحریر کروں گا۔ ان شاءاللہ

اعوذباللہ من الشیطان الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
شجرة طیبة اصلها ثابت و فرعها فی السماء

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين سید نا و نبينا و مولانا محمد صلى الله عليه و سلم

نمبرا الہٰی بحرمت سیدنا ونبینا ومولانا وشفیعنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سید الاولین والآخرین و بحرمت ساداتنا وشیوخنا تمام کارہائے دینی ود نیوی واخروي بآسانی درگزراں واز ہمہ خطرات درحفظ خوددار ومعرفت ومحبت خود وطہارت قلبی ازماسواک عطافرما، آمین آمین یارب العالمین

نمبر۲ الہٰی بحرمت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ

نمبر۳ الہٰی بحرمت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۴ الہٰی بحرمت خواجہ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۵ الہٰی بحرمت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۶ الہٰی بحرمت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۷ الہٰی بحرمت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۸ الہٰی بحرمت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۹ الہٰی بحرمت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۱۰ الہٰی بحرمت سید عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۱۱ الہٰی بحرمت سید عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۱۲ الہٰی بحرمت سید ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۱۳ الہٰی بحرمت سید ابوالفرح محمد بن عبداللہ الطرسوسی رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۱۴ الہٰی بحرمت سید علی ابن احمد رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۱۵ الہٰی بحرمت سید ابی سعید مبارک بن علی مخزومی رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۱۶ الہٰی بحرمت سیدنا ومولانا وھادینا سید محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۱۷ الہٰی بحرمت شیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۱۸ الہٰی بحرمت صوفی صفی الدین رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۱۹ الہٰی بحرمت سید احمد رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۲۰ الہٰی بحرمت سید محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۲۱ الہٰی بحرمت سید علی رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۲۲ الہٰی بحرمت سید شاہ میر رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۲۳ الہٰی بحرمت سید شمس الدین محمد اول رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۲۴ الہٰی بحرمت سید محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۲۵ الہٰی بحرمت سید عبدالقادر ثانی رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۲۶ الہٰی بحرمت سید عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۲۷ الہٰی بحرمت سید عبدالقادر ثالث رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۲۸ الہٰی بحرمت سید شمس الدین محمد شاہ ثانی رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۲۹ الہٰی بحرمت سید عبدالقادر رابع رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۳۰ الہٰی بحرمت سید شمس الدین محمد ثالث رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۳۱ الہٰی بحرمت سید حامد شاہ رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۳۲ الہٰی بحرمت سید شمس الدین محمد شاہ رابع رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۳۳ الہٰی بحرمت سید صالح شاہ رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۳۴ الہٰی بحرمت سید عبدالقادر خامس رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۳۵ الہٰی بحرمت سید محمد بقا شہید رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۳۶ الہٰی بحرمت سید محمد راشد روضہ والے رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۳۷ الہٰی بحرمت سید حسن شاہ سوئی والے رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۳۸ الہٰی بحرمت قطب الوقت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۳۹ الہٰی بحرمت شیخ المشائخ قطب الاقطاب مولانا ابوالحسن شاہ تاج محمود رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۴۰ الٰہی بحرمت سیدی ومرشدی قطب ارشاد حضرت حماد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۴۱ الٰہی بحرمت سیدی ومرشدی حضرت مولانا الحافظ عبدالواحد صاحب مدظلہ العالی

برحمتک یا ارحم الرحمین

اعجاز احمد اعظمی
نزیل جامعہ حمادیہ کراچی

میرے شیخ ومرشد

(حضرت مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہ)

حضرت اقدس مولانا حماد اللہ صاحب قدس سرہ کا تذکرہ آپ نے اس کوتاہ قلم کے ناتمام قلم سے پڑھ لیا، جی چاہتا ہے کہ ان کے کچھ خلفاء کا تذکرہ بھی شامل کتاب ہوجاتا، تو کتاب کا حسن وجمال دوبالا ہوجاتا، لیکن افسوس راقم الحروف کو اس سلسلے میں کچھ معمولی سی بھی معلومات نہیں ہیں، کسی کسی بزرگ کا کچھ تذکرہ اپنے شیخ ومرشد سے سن رکھا ہے۔ آئندہ صفحات میں ان کا کچھ تذکرہ کروں گا۔ جی میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ پہلے اپنے شیخ کا تذکرہ کروں۔ اگرچہ ان کے احوال ماضیہ سے مجھے زیادہ واقفیت نہیں تاہم کافی عرصہ ان کی صحبت میں گزارا ہے، اس لئے تاریخی واقعات تو نہیں البتہ مزاج ومذاق کی کچھ ناتمام جھلکیاں ان شاء اللہ پیش کرسکوں گا۔

طالب علمی سے رسمی فراغت میری شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء میں ہوئی، ۱۳۹۳ھ ۱۹۷۳ء میں مدرسہ دینیہ غازیپور میں مدرس مقرر ہوا، مدرسہ دینیہ کے مہتمم جناب عزیز الحسن صاحب صدیقی کی زبانی ایک صاحب کا تذکرہ کبھی کبھی سنتا تھا، وہ بتاتے تھے کہ اس مدرسہ میں کبھی مشکوٰۃ شریف تک تعلیم ہوئی ہے، اسی ضلع غازیپور کے ایک گاؤں شیخ پور پلیا کے رہنے والے ایک طالب علم حافظ عبدالواحد صاحب نے اسی مدرسہ میں مشکوٰۃ شریف تک قاری عبید اللہ صاحب الہ آبادی سے تعلیم حاصل کی تھی، وہ بہت سنجیدہ، نیک وصالح اور بہترین حافظ قرآن تھے، نہایت ذہین وذکی تھے۔ لیکن دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد پاکستان چلے گئے اور وہاں کسی سندھی پیر کی خدمت

میں پہونچ کر مجذوب سے ہوگئے ہیں، اونچی بہت اونچی لنگی باندھتے ہیں، خوب نیچا کرتا پہنتے ہیں، صرف تسبیح و مصلیٰ کے ہوکر رہ گئے ہیں، دنیا سے بیزار، آدمیوں سے متوحش! ان کے پیر صاحب چھپروں کی خانقاہ اور مدرسہ بنائے ہوئے ہیں، پیر اور مرید اور طلبہ و اساتذہ سب چھپروں میں رہتے ہیں، خیال یہ ہوتا تھا کہ تارک الدنیا قسم کے کوئی پیر ہوں گے، معلوم نہیں اہل حق میں ہیں یا راہ حق سے کچھ منحرف ہوں گے، سندھی پیروں کے بارے میں کچھ اچھا تاثر ذہن میں نہ تھا، کچھ رسمی پیروں کا، کچھ بدعتی پیروں کا تصور تھا، یہ ذکر کبھی کبھی ہوتا، اور ذہن میں کوئی نقش نہیں بن پاتا تھا۔

۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں بعض ناخوشگوار تجربوں کے بعد جن سے میرے دل کی دنیا ہل کر رہ گئی تھی، مجھے جستجو ہوئی کہ کوئی بزرگ اللہ والا ایسا ملے، جس کے قدموں پر جبین عقیدت خم کرکے اسی کے آستان کا ہو رہوں، میرے ارد گرد دور و نزدیک متعدد بزرگ تھے، جن سے مجھے عقیدت بھی بہت تھی، ان حضرات کی خدمت میں کبھی کبھی پہونچتا بھی رہتا تھا، وہ حضرات اپنی کریمانہ طبیعت اور بزرگانہ مزاج کی وجہ سے بہت شفقت و عنایت بھی فرماتے تھے، مگر اللہ جانے کیا بات تھی، میں اب بھی سوچتا ہوں تو کوئی جواب اس کا سمجھ میں نہیں آتا کہ میں نے ان حضرات سے باوجود ان کے کمال کے اور باوجودیکہ مجھے ان سے عقیدت بھی بہت تھی کبھی ان سے بیعت وارادت کی درخواست تو کجا کبھی ارادہ بھی نہیں کیا کہ ان سے بیعت ہو جاؤں۔ بس ایک نامعلوم سی جستجو تھی کس کو ڈھونڈھتا تھا۔ میں نہیں سمجھ پا رہا تھا جس بزرگ کی خبر ملتی دوڑ کر ان کی خدمت میں پہونچتا مگر اپنی طرف سے محبت و عقیدت لے کر جاتا، ادھر سے شفقت و عنایت لے کر لوٹتا مگر یہ خیال دل سے محو سا رہتا کہ بیعت ہو کر اسی آستانہ پر جم جاؤں۔

میں اسے محسوس کرتا تھا اپنی حرماں نصیبی پر رونا آتا تھا، اپنی ماضی کی خطاؤں اور حال کے گناہوں کو یاد کرتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اللہ کی جانب سے مجھے میرے گناہوں کی شاید سزا ہے کہ کسی آستانے سے ایسی مناسبت نہیں ہوتی کہ وہیں خیمہ گاڑ دوں، اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار کرتا تھا، مدتوں استخارہ کرتا رہا، ہمت ہار چکا تھا، کہیں تلاش کا حوصلہ باقی

نہیں رہ گیا تھا، دعا کرتا تھا کہ اے اللہ! جس طرح جسمانی روزی آپ بغیر میری کسی کلفت کے مسلسل بھیج رہے ہیں، مجھے روزی کیلئے دوڑنا نہیں پڑتا، روزی کو تلاش نہیں کرنا پڑتا، وہ خود ہی وقت وقت پر آپ کی طرف سے آتی رہتی ہے، ایسے ہی روحانی غذا کا سامان بھی یہیں بیٹھے بٹھائے کر دیجئے، تقریباً برس دن اس دعا اور اس استخارہ پر گزر گئے۔ پھر ایسا ہوا کہ دہلی کے ایک بہت بابرکت اور مشہور بزرگ، حضرت شاہ غلام علی صاحب نور اللہ مرقدہ خلیفہ و جانشین حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید قدس سرہ کے ملفوظات کا مجموعہ ”درالمعارف“ (بزبان فارسی) دستیاب ہوا، بہت دلآویز، بہت پرسوز، دردمحبت سے لبریز، شریعت وطریقت کی دلنشیں تشریحات کا مرقع، دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کو بیدار کرنے والا، شریعت کی عظمت کا آئینہ دار، طریقت کا بہترین رہنما، اس مجموعہ ملفوظات کو میں نے پڑھا، بار بار پڑھا، دل بہت تڑپا، آنکھیں جھل جھل برسیں، ایمان کی حرارت تیز ہوئی، اسی وقت اپنی محرومی کا احساس تیز تر ہوا کہ کاش کوئی مرد خدا ملتا، اور اس کی قدموں کی دھول بن کر میں رہتا۔

اس کتاب میں حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے ایک جگہ ہم جیسے تہی دستان قسمت کی اشک شوئی اور چارہ جوئی کا ایک نسخہ تحریر فرمایا ہے، بات تو ذرا لمبی ہو جائے گی، مگر کیا کروں۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

مرتب ملفوظات حضرت شاہ رووف احمد صاحب لکھتے ہیں، ترجمہ و تلخیص پر اکتفا کرتا ہوں۔

> اور اس کے بعد ”نسبت اویسیت“ کا ذکر چل پڑا، حضرت والا نے فرمایا کہ جو شخص پیغمبر خدا ﷺ یا کسی اور بزرگ سے ”نسبت اویست“ کا خواہاں ہے، اسے چاہئے کہ ہر روز تنہائی میں دو رکعت نماز ادا کرے، اور اس بزرگ کے واسطے فاتحہ پڑھ کر (یعنی ایصال ثواب کر کے) اس بزرگ کی روح کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے، چند روز میں یہ نسبت شریف

ظہور کرے گی۔“

یا بعد نماز عشاء اپنے تصور میں رسول اللہ ﷺ کے دستہائے مبارک اپنے ہاتھ میں تھام کر بیعت کرے اور کہے اے اللہ کے رسول! میں نے پانچ باتوں پر آپ کے دست مبارک پر بیعت کی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت پر، نماز قائم کرنے پر، زکوٰۃ ادا کرنے پر، رمضان کے روزے پر اور حج بیت اللہ پر اگر اس کی استطاعت نصیب ہوگی، یہی عمل ہر شب کرے۔

درالمعارف ص ۸۷

نسبت اویسیت کا مطلب یہ ہے کہ بغیر ظاہری وسائط کے کسی بزرگ کی روحانیت سے سالک کو فیض حاصل ہو، یہ نسبت حضرت اویس قرنی علیہ الرحمہ کے نام سے وابستہ ہے، حضرت اویس قرنی علیہ الرحمہ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غائبانہ روحانی نسبت قائم تھی، ایسے ہی کسی کو کسی بزرگ سے غائبانہ نسبت بغیر ظاہری واسطوں کے حاصل ہوتی ہے تو اسے ”اویسیت“ کہتے ہیں۔

کسی بزرگ کی روح کی طرف متوجہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیض ان کے بزرگ کی روحانیت کے واسطے سے آرہا ہے۔ اس تصور میں نہ ان بزرگ کو حاضر و ناظر ماننا ہے، نہ انہیں معبود و مقصود جاننا ہے، جس طرح استاذ اور شیخ کے واسطے سے فیضان الٰہی شاگرد اور سالک کے قلب پر اترتا ہے، وہی صورت یہاں بھی ہے، فیضان الٰہی انہیں واسطوں سے اترا کرتا ہے۔ اگر آدمی انہیں واسطوں کو مقصود و معبود بنالے تو شرک ہے، اور اگر ان کو ان کی حد پر رکھے تو بیحد فوائد ان سے متعلق ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے اویسیت کا پہلا طریقہ جو بتایا ہے، اس سے میں نے اپنی طبیعت میں مناسبت نہیں پائی تو میں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا لیکن اپنے قلب و باطن بلکہ ظاہر کی بھی گندگی کی وجہ سے اس کی ہمت تو نہ کر سکا کہ غائبانہ رسول اقدس ﷺ کے دست مبارک پر بیعت ہوں، قلب تھراجاتا تھا کہ ان ظاہری و باطنی نجاستوں کے ساتھ تصور میں ہی سہی، کس طرح آپ کے دست اقدس کو تھاموں، مجھے یہ آسان معلوم ہوا کہ ان کے کسی امتی کے ہاتھ پر غائبانہ بیعت ہوں۔ چاروں مشائخ سلسلہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی علیہ الرحمہ والرضوان میں قلب کا رجحان اور عقیدت کا والہانہ پن سب سے زیادہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے پاتا تھا، ان کی تصانیف میں فتوح الغیب اور مواعظ الفتح الربانی کا ابتداء میں بکثرت مطالعہ کیا تھا، ان سے خاص تعلق دل کو ہمیشہ محسوس ہوتا رہا، میں روزانہ عشاء کی نماز کے بعد تصور میں انہیں کے دست اقدس پر بیعت ہوتا رہا، مجھے کچھ ادراک نہیں ہوتا تھا کہ اس کا کیا اثر مرتب ہو رہا ہے، یہ سلسلہ تقریباً چھ ماہ تک مسلسل جاری رہا۔

ایک روز اچانک بغیر کسی وہم و گمان کے مدرسہ دینیہ غازیپور کے مہتمم جناب عزیز الحسن صاحب صدیقی نے نہایت مسرت کے لہجے میں خوش خبری سنائی کہ وہ حافظ عبدالواحد صاحب جنھوں نے یہاں مشکوٰۃ تک تعلیم حاصل کی تھی اور پاکستان پہونچ کر ایک سندھی پیر سے مرید ہوگئے تھے، تشریف لائے ہیں، ابھی وہ یہ کہہ ہی رہے تھے کہ ایک بزرگ پستہ قد، ہلکے بدن کے، ادھیڑ عمر کے، سر پر سیاہ صافہ باندھے لمبا گھیر دار کرتا پہنے، نصف ساق تک لنگی باندھے، چہرہ نور سے معمور، نگاہیں جھکی ہوئی، مسکینوں جیسی رفتار سے چلتے ہوئے کمرے میں سلام کر کے داخل ہوئے، میں مصافحہ کیلئے کھڑا ہوا، عزیز صاحب نے اشاروں میں بتایا کہ یہی ہیں، اور انہیں بھی اشاروں ہی میں میرے متعلق کچھ بتایا، ان بزرگ نے مجھے سینے سے لپٹایا، ان کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو برس پڑے۔

دل نے گواہی دی کہ یہ بزرگ صاحب نسبت ہیں، ان کا سینہ و قلب معرفت کی آگ سے دہک رہا تھا، باتیں شروع ہوئیں تو لفظ لفظ سے تواضع اور بے نفسی کا ظہور ہو رہا تھا۔ فنائیت، خود شکنی ہر ہر ادا سے ظاہر ہو رہی تھی، میں نے اسی مجلس میں پوچھ لیا کہ

حضرت آپ کا سلسلۂ طریقت کیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ میرا تعلق سلسلۂ قادریہ سے ہے، پھر اپنے شیخ حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی کے احوال سنائے، ان کے آگے کا سلسلہ مجھے پہلے سے معلوم تھا۔

حضرت سے دل کو بڑا انس محسوس ہوا، دو ماہ کا قیام غازیپور میں رہا، غازیپور شہر سے کچھ فاصلے پر ان کا آبائی گاؤں شیخ پور ہے، زیادہ تر قیام وہیں رہا، اس مدت میں زیادہ تر ان کے ساتھ رہا۔ ان کی جلوت وخلوت دیکھتا رہا، ان سے بے تکلفی کے ساتھ باتیں کرتا رہا، ان کے احوال دریافت کرتا رہا، مجھے اس وقت رہ رہ کر خیال آتا رہا کہ میں چھ ماہ سے مسلسل سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ سے عالم تصور میں بیعت کر رہا ہوں، کہیں اللہ کی طرف سے اسی قبولیت کا اظہار تو نہیں ہے؟ بعض تجربات کی وجہ طبیعت عجلت پر مائل نہ تھی۔ دو ماہ خوب دیکھا بھالا، بہت مناسبت محسوس ہوئی۔ اس سفر میں میں نے بیعت نہیں کی، مگر دل کا مرکز مناسبت متعین ہو گیا۔ دوسرے سال حضرت کا دوسرا سفر ہوا اور میں دامن شیخ سے وابستہ ہو گیا۔

از برائے سجدہ کردن آستانے یافتم   سرزمینے بود منظور آسمانے یافتم

جائے ولادت: ۔ حضرت مولانا کا آبائی وطن ضلع غازیپور میں ایک گاؤں ہے جس کا نام شیخ پور ہے، غازی پور کی تحصیل سید پور سے بجانب مشرق، غازی پور شہر جانے کیلئے دو سڑکیں ہیں ۔ ایک شاہراہ عام ہے، جو سید پور کے بعد نند گنج ہوتی ہوئی غازیپور تک پہونچتی، یہ بنارس غازیپور کا معروف روڈ ہے، دوسری سڑک جو نسبتاً خستہ اور کمزور ہے، سید پور سے دو کلومیٹر پورب آکر دائیں جانب مڑ جاتی ہے، یہ راستہ بھی غازیپور تک آتا ہے، یہ غازی پور کچہری کے پاس نکلتا ہے، اسی سڑک کے کنارے سید پور سے پندرہ سولہ کیلو میٹر کے فاصلے پر شیخ پور گاؤں ہے ۔ اس گاؤں میں مسلمانوں کی آبادی ہے، حضرت کا وطن اور جائے پیدائش یہی ہے، سنہ پیدائش متعین طور سے معلوم نہیں مگر اندازہ ہے کہ ۱۹۲۹ء کے لگ بھگ آپ کی ولادت ہوئی ہوگی۔ والد اس زمانے میں ریلوے میں ملازم تھے، ابتدائی تعلیم کہاں حاصل کی، قرآن کریم کہاں حفظ کیا، اس کا علم نہیں ہو

سکا۔ ہندوستان پاکستان میں باوجود پڑوس ہونے کے اتنی دوری ہے کہ معلومات کے ذرائع مفقود ہیں۔ اس وقت غازیپور میں مدرسہ دینیہ علمائے فن کا مرکز تھا۔ عربی تعلیم اسی مدرسہ میں حاصل کی، وہاں ان کے خاص استاذ الہ آباد کے رہنے والے ایک بزرگ حضرت مولانا قاری عبید اللہ صاحب تھے۔

بعد میں حضرت قاری صاحب مدرسہ دینیہ سے یوسف پور چلے گئے تھے، تو حضرت مولانا بھی ان کے ساتھ یوسف پور چلے گئے، اور ان سے پڑھتے رہے۔ حضرت فرماتے تھے کہ عربی پڑھنے والا اکیلا شاگرد اور قاری صاحب اکیلے استاذ، وقت کی کوئی قید نہ تھی، جب بھی موقع ملتا، تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا، بے تکلفی بھی بہت تھی، کبھی استاذ کھانا پکاتے، طالب علم ہاتھ بٹاتے اور دونوں مل کر روکھا پھیکا کھا لیا کرتے، اکثر یہ سعادت طالب علم کے حصے میں آتی، اس طرح ایک طالب علم نے ایک استاذ کا ہو کر دورۂ حدیث کے پہلے کی سب کتابیں محنت سے پڑھ ڈالیں، پھر استاذ کے حکم سے مولانا دیوبند چلے گئے، یہ ۱۹۴۹ء کا زمانہ تھا، ایک سال دار العلوم دیوبند میں رہ کر حدیث کی تعلیم مکمل کی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ شیخ الحدیث تھے، مولانا کا شمار دیوبند میں ممتاز طالب علموں میں تھا، چنانچہ سالانہ امتحانات میں حضرت اقدس کو امتیازی نمبر حاصل ہوئے۔

حضرت کا سن فراغت ۱۹۵۰ء ہے، ۱۹۵۴ء میں پاکستان تشریف لے گئے، وہاں ان کے بڑے بھائی جناب عاشق علی صاحب مرحوم پہلے سے موجود تھے، کراچی میں ان کی سکونت تھی، مولانا نے بھی وہیں سکونت اختیار کی، پھر تلاش مرشد میں ہالیجی شریف نکل گئے، حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی قدس سرہ کے حالات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ان کے یہاں زندگی بہت سادہ، کھانا سادہ، اتنا سادہ کہ ہمارے دور کے متوسط گھرانوں میں اس کا تصور بھی مشکل ہے، آج کل کے لوگوں کیلئے اور کوئی مجاہدہ نہ ہو تو یہی مجاہدہ سخت ترین مجاہدہ ہے، حضرت فرماتے ہیں کہ ہم لوگ شہر کے رہنے والے، چٹپٹے، مسالے والے کھانوں کے عادی، ہالیجی شریف میں خانقاہ کا کھانا چند روز کھاتے تو منہ سے

پانی چھوٹنے لگتا، لیکن یہ خانقاہ کی محبت تھی، ان کے جذبات باطن کی کشش تھی کہ ہفتوں بلکہ مہینوں اسی سادگی میں مست رہتے تھے، نام خدا کی حلاوت وہ تھی کہ ہر حلاوت ولذت سے بے نیاز کرر کھا تھا، وہاں کا کھانا کیا تھا، آپ حضرت ہالیجوی قدس سرہ کے حالات میں پڑھ آئے ہیں، پھر سن لیجئے کہ آج دور تعیش میں یہ ایک نامانوس سی حکایت معلوم ہوتی ہے۔

حضرت کے یہاں بازار کی بنی ہوئی چیز ''شجر ممنوعہ'' تھی نہ مٹھائی اور نہ کوئی اور چیز! خانقاہ میں اگر کوئی شخص بازار کی پکی اور بنی چیز لاتا تو آپ اسے قبول نہ کرتے اور نہ فقراء خانقاہ میں کسی کو کھانے کی اجازت دیتے، جو کچھ نان نمک ہوتا، وہیں حضرت کے گھر تیار ہوتا، پکانے والے بھی سب ذاکر وشاغل، صاحب تقویٰ وطہارت، اور کھانے والے بھی پاک صاف قلب وزبان والے باطنی احوال میں خود بخود ترقی ہوتی چلی جاتی، اوہام وخیالات اور ہجوم وساوس کا تو شاید وہاں گزر بھی نہ تھا۔ پیر خانقاہ کی شخصیت اتنی طاقت ور تھی، کہ غبی اور بے استعداد سالک بھی، نور معرفت سے منور ہو جاتا تھا۔

حضرت نے جب مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دیا، تو اپنا سب کچھ دیدیا، ایک عالم خود فراموشی کا آپ پر طاری ہو گیا، کھانے کپڑے مکان اور سامان معیشت کا ہوش نہ رہا، دن رات ذکر الٰہی کی محویت رہتی تھی، اعزہ واقرباء کو افسوس ہوتا تھا کہ اتنا پڑھا لکھا عالم و فاضل نہ جانے کیا ہو گیا ہے، کہ دیوانہ سا ہو رہا ہے، لیکن کسی کو کیا خبر کہ یہ دیوانگی کتنی مبارک تھی، ہزاروں فرزانگیاں اس پر قربان!

سالک جب اللہ کی محبت واطاعت کی یہ راہ طے کرتا ہے، اور مردانہ وار دنیا اور حب دنیا سے منہ موڑتا ہے، تو اس پر عجیب عجیب حالات کا ورود ہوتا ہے، یہ راہ غیب کی راہ ہے، شہود سے برکنار ہو کر گزرتی ہے، محبّ، محبوب حقیقی کی جستجو میں نکلتا ہے، مگر وہ ایسا غیب بلکہ غیب الغیب ہے کہ اس کے آثار ومظاہر گو ہر جگہ اور ہر قت نمایاں ہیں، مگر وہ خود اللہ کی پناہ! جتنا اسکی جستجو میں آگے بڑھئے غیب اور گہرا ہوتا جاتا ہے، اور غیب جتنا گہرا ہوتا جاتا، ایمان بالغیب کی شان بلند ہوتی جاتی ہے، اس وقت حیرت مسلسل میں پڑ جاتا ہے

۔ پھر اتنا ہی احساس باقی رہتا ہے جس کو کسی عارف نے بیان کیا ہے۔

دور بینان بارگاہ الست   غیراز یں پے نہ بردہ اند کہ ہست

جو لوگ دربار الٰہی میں بہت دور تک نظر رکھتے ہیں، ان کے علم وادراک کی حد بس یہیں تک ہے کہ، وہ موجود ہے، اس کے آگے وہ بھی سرنگوں ہیں، اور اس منزل حیرت تک پہونچنے میں بھی ایک طویل مسافت طے کرنی پڑتی، شیخ کامل ہوتا ہے، تو راستے کی تمام گھاٹیوں کو پار کرا دیتا ہے۔

حضرت نے ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت والا سے تعلق ہونے کے بعد ان کی برکت سے عرصہ تک ذوق وشوق کی عجیب وغریب کیفیات رہیں، ہر وقت ایک سرشاری اور سرور کی کیفیت رہا کرتی تھی۔ لیکن اچانک جو کیفیت بدلی ہے تو سارا ذوق وشوق کافور، عجیب سی مہجوری کی کیفیت پیدا ہو گئی، ذکر وشغل کا سارا لطف جاتا رہا، طبیعت پریشان ہو گئی، اسی پریشانی میں خانقاہ شریف میں حاضری ہوئی، خدمت اقدس میں پہونچ کر بھی وہی افسردگی اور بے کیفی چھائی رہی۔ دل اپنے آپ میں نہ تھا، اسی بے قراری میں میں نے حضرت کے پاؤں پر ہاتھ مار کر کہا کہ آپ سے میرا کوئی تعلق نہیں، نہ آپ میرے پیر نہ میں آپ کا مرید! حضرت نے نہایت سکون اور وقار سے جواب دیا۔ بیٹا

!حال رازوال، مقام رادوام

یعنی یہ تو حال ہے، حال چلا جاتا ہے، لیکن جب وہ راسخ ہو کر مقام بن جاتا ہے، تو دائم رہتا ہے، ابھی تلوین ہے، بعد میں تمکین حاصل ہوگی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مجھے اس جواب سے تسلی نہیں ہوئی، وہی بے چینی رہی، کچھ دنوں کے بعد میں نے اسی گستاخانہ انداز میں ہاتھ مار کر کہا کہ میرا آپ سے کوئی تعلق نہیں، نہ آپ میرے پیر، نہ میں آپ کا مرید، یہ سن کر حضرت پر ایک کیفیت طاری ہوئی، حضرت ہمیشہ مجھ سے اردو میں بات کرتے تھے، مگر آج سندھی زبان میں ارشاد فرمایا: پُٹڑَ مخلوق سا ں تعلق

چھٹ، خالق ساں تعلق کر

بیٹا! مخلوق سے تعلق توڑ، خالق سے تعلقجوڑ، بس اتنا سننا تھا کہ ساری بے قراری

کافور ہوگئی، اور طبیعت ٹھہر گئی۔

ایک مقام سخت آیا تھا، مگر شیخ کی توجہ و کرم سے یہ گھاٹی پار ہوگئی۔

شیخ نے تکمیل سلوک کے بعد بیعت کی اجازت عطا فرمائی۔ حضرت اقدس ۱۹۵۴ء میں کراچی تشریف لے گئے ۱۹۶۱ء میں شیخ کا انتقال ہوا۔ اس چھ سات سال کے عرصہ میں حضرت اقدس بکثرت شیخ کی صحبت میں رہے، اور اجازت سے سرفراز ہوئے۔

حضرت اقدس سے اس حقیر کو غالباً ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء میں شرف ملاقات حاصل ہوا، غازی پور میں دو ماہ قیام رہا۔ سفر حضر، جلوت خلوت میں بکثرت ساتھ رہا۔ سب سے پہلی جو بات دل میں بیٹھی وہ حضرت کی رقت قلب اور بات بات پر آنسوؤں کا چھلک پڑنا تھا۔ اللہ کا ذکر آیا اور آنکھیں برس پڑیں، رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ آیا اور دل بیتاب ہوا، اور یہ بے تابی آنکھوں کی راہ سے بہنے لگی۔ قرآن کریم کی تلاوت میں، نماز کے اندر رونے، اور گریہ وزاری کے تذکرے بزرگوں کے حالات میں پڑھے تو بہت تھے لیکن مشاہدہ بہت کم ہوا تھا، یہ حسرت، حضرت کو دیکھنے کے بعد پوری ہوئی، میں نے کراچی کے معمولات میں دیکھا کہ حضرت بعد نماز فجر بیٹھ جاتے تھے، اور قرآن کی تلاوت زبانی حفظ سے شروع فرماتے، ایک دو صاحب قرآن شریف کھول کر سنتے، قرآن کی تلاوت جاری ہے، اور آنکھوں سے آنسو رواں ہیں، آواز قدرے متاثر ہو رہی ہے، کبھی اچھی خاصی گھٹ جاتی ہے، مگر نہ تلاوت کا تسلسل ٹوٹتا ہے، نہ آنکھوں کی روانی میں فرق آتا ہے۔ سننے والے بھی رونے لگتے دو دو تین تین پارے سناتے اور روتے رہتے، مجھے رہ رہ کر قرآن کریم کی آیت یاد آتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ **و اذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینهم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون ربنا آمنا فاکتبنا من الشاهدین** (سورہ مائدہ) جب وہ لوگ اس کلام کو جو رسول پر اتارا گیا ہے، سنتے ہیں تو تم ان کی آنکھوں کو دیکھتے ہو کہ آنسوؤں سے بہہ پڑتی ہیں، کیونکہ انھوں نے حق کو پہچان لیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار

ہم ایمان لائے ہم کو گواہوں میں لکھ لیجئے۔

رسول اللہ ﷺ کے احوال مبارکہ میں بار بار یہ بات پڑھنے میں آتی ہے کہ قرآن پڑھتے وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے، ایک امتی کی آنکھوں کو اس طرح بہتے دیکھ کر رسول اکرم ﷺ کی یاد بے ساختہ دل کو تڑپا جاتی تھی۔

ایک بار میں اور میرے مرحوم دوست حضرت حاجی عبدالرحمٰن صاحب خیر آبادی علیہ الرحمہ شیخ کی خدمت میں ان کے گاؤں شیخ پور میں حاضر تھے، حاجی صاحب مرحوم بھی بڑے صاحب دل انسان تھے، حضرت کی ایک ایک کیفیت سے متاثر ہوتے تھے، رات کا قیام وہیں تھا، صبح کو حضرت فجر کی نماز ہم لوگوں کے شدید اصرار پر پڑھانے کیلئے تیار ہوئے۔ غالباً دوسری رکعت میں سورہ قیامہ کی تلاوت فرمائی، پہلی رکعت میں آواز بھرانی شروع ہوگئی، اور مقتدیوں کے دل سینے میں دھڑکنے لگے تھے، دوسری رکعت میں سورہ قیامہ کی تلاوت شروع کی تو تھوڑی دیر میں ہچکی بندھنے لگی اور جب **کلا بل تحبون العاجلة** پر پہونچے آواز بے قابو ہوگئی، اور سارے مقتدی رو پڑے، اس نماز میں ایسی حلاوت اور یکسوئی حاصل ہوئی کہ مدتوں اس کی یاد، دل میں لطف پیدا کرتی رہی، حاجی صاحب مرحوم اخیر اخیر تک اس دن کے کیف و حلاوت کا ذکر کرتے رہے۔

۱۹۹۷ء میں میری حاضری حضرت اقدس کی خدمت میں کراچی میں ہوئی، اس وقت یکسوئی کے ساتھ معیت وصحبت کی سعادت نصیب ہوئی، وہاں یہ رنگ اور نمایاں دیکھا، نماز فجر کی تلاوت میں بار بار آواز بھراتی، اور مقتدیوں کی حالت دگرگوں ہوتی۔

دوسری بات جو حضرت اقدس کے معمولات زندگی میں بہت نمایاں ہے، وہ تواضع وفروتنی ہے، یہ صفت حضرت کی ذات میں اس درجہ نمایاں ہے کہ ہر شخص بیک ملاقات ہی اسے محسوس کر لیتا ہے، فنائیت، کسر نفسی اپنے کو مٹائے رکھنے کا وہ جذبہ ہے کہ بس! میں نے دیکھا ہیکہ ہر ایک کی خدمت اس بے تکلفی سے کر دیتے ہیں جیسے یہی ان کا کام ہے، اور

یہی انہیں کرنا چاہئے، میں نے بار بار دیکھا ہے کہ کسی کو پانی کی حاجت ہوئی، اور حضرت بے تکلف خادموں کی طرح پانی لے کر پیش کر رہے ہیں، مہمانوں کیلئے بستر بچھا رہے ہیں، چارپائی اٹھا اٹھا کر لا رہے ہیں، میں جن دنوں حضرت کی خدمت میں کراچی میں تھا، جامعہ حمادیہ کے مہمان خانہ میں قیام تھا، میرے ساتھ اس وقت کے طالب علم اور اس وقت کے مدیر ماہنامہ ضیاء الاسلام شیخو پور عزیزم مولوی حافظ ضیاء الحق سلمہ تھے، حضرت نے بڑا اہتمام ہم دونوں کا کیا تھا، ہم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوتے ۔ حضرت تشریف لاتے اور بے تکلف بستر سے نیچے طالب علموں کی طرح دوزانو بیٹھ جاتے، ہم لوگوں کی درخواست اور اصرار کے باوجود اس جگہ نہ بیٹھتے جو کسی بڑے کے شایان شان ہوتی ہے ۔

ان دنوں میں ان کے شیخ ومرشد حضرت مولانا حماداللہ صاحب ہالیجوی قدس سرہ کے حالات لکھ رہا تھا ۔ میں حضرت کے صاحبزادے مولانا مفتی عاصم عبداللہ کی درس گاہ میں تپائیوں کے درمیان بیٹھا لکھتا ہوتا، حضرت تشریف لاتے تو تپائیوں کے اندر نہ تشریف لاتے باہر ہی طالب علموں کی ہیئت میں بیٹھ جاتے، اور مجھے اپنی جگہ سے ہلنے نہ دیتے ۔

شیخ پور کے دوران قیام کچھ لوگوں نے ایک گاؤں چلنے کی دعوت دی، وہ گاؤں شیخ پور سے قدرے فاصلے پر ہے، میں موجود تھا، داعی میرے طالب علموں میں تھے، میں نے ان کو ہدایت کی کہ موٹر سائیکل لیتے آئیں ۔ اس پر حضرت بآسانی وہاں پہونچ جائیں، انھوں نے بات مان لی اور وعدہ کیا کہ موٹر سائیکل لے کر آؤں گا، مگر جانے کا وقت آیا تو دیکھا کہ ایک سائیکل ٹھیلہ لے کر آئے جو سواریاں نہیں بلکہ سامان ڈھونے کیلئے استعمال ہوتا ہے، میں نے ان سے مواخذہ کیا، تو وہ کچھ بے تکے عذر کرنے لگے، مجھے بہت رنج ہوا کہ ان لوگوں کو بزرگوں کی ذرا بھی قدر نہیں، اگر ذرا فکر کئے ہوئے تو موٹر سائیکل نہ سہی رکشہ مل جاتا، میں نے انہیں ڈانٹا اور کہہ دیا کہ حضرت ٹھیلہ پر نہیں بیٹھیں گے، میں نے کچھ لوگوں سے کہا کہ موٹر سائیکل لاؤ اس وقت موٹر سائیکلیں اتنی عام نہیں تھیں ۔ جتنی اب ہیں، تھوڑی محنت کے بعد ایک موٹر سائیکل مل گئی ۔ میرے

زجر وتوبیخ سے داعی متاثر تھے، حضرت بہت لجاجت اور عاجزی سے مجھ سے کہنے لگے کہ میں اسی ٹھیلے پر جاؤں گا، وہ اس بے تکلفی سے اس پر بیٹھنے کیلئے تیار تھے، جیسے یہ کوئی بہت عمدہ سواری ہو، بات سن کر میں سناٹے میں آگیا، میں نے کوشش کی موٹر سائیکل جلد آجائے، میں کسی طرح انہیں ٹھیلے پر بیٹھنے سے روکتا رہا، بارے موٹر سائیکل آئی، اب حضرت مصر ہیں کہ آپ اس پر بیٹھئے میں ٹھیلے سے جاتا ہوں، میں نے بضد ہو کر حضرت کو موٹر سائیکل پر بٹھایا، حضرت تشریف لے گئے، ٹھیلے پر دوسرے احباب بیٹھے ۔

یہی حال کراچی میں تھا ۔ حضرت جس محلے میں پہلے رہتے تھے، اور وہاں کی مسجد میں ابتداء سے امامت فرماتے ہیں، وہ مدرسے سے خاصے فاصلے پر ہے جب تک طاقت رہی، مدرسہ سے پیدل ہی تشریف لے جایا کرتے تھے ۔ اب بڑھاپے میں گاڑی پر تشریف لے جاتے ہیں تو اپنے لئے انھوں نے ایسی گاڑی کا انتخاب کیا ہے جو سب گاڑیوں میں کمتر ہے ۔ یہ خاکسار بھی حضرت کے ہمراہ اسی گاڑی سے آتا جاتا تھا، حضرت نے ہمیشہ باصرار اپنے اس حقیر مرید کو گاڑی میں ممتاز جگہ پر بیٹھایا ۔ اور خود کسی طرف بیٹھ جاتے، اس میں میری تدبیر اور کسی اصرار کو کامیابی نہ ملی ۔

حضرت جامعہ حمادیہ کراچی کے بانی ومہتمم ہیں، لیکن دفتر اہتمام میں کارکنان اہتمام اور نائب کی نشستگاہیں تو متعین ہیں مگر خود حضرت کیلئے کوئی متعین جگہ نہیں ہے، لوگوں نے ایک نشستگاہ حضرت کیلئے بنائی ضرور ہے، مگر وہاں جب تک میں رہا، حضرت کبھی بیٹھے نہیں، مدرسے کے کاغذات اور کچھ کتابیں منتشر رکھی ہوئی تھیں ۔ خود حضرت کا حال یہ تھا کہ کسی عام جگہ پر بیٹھ جاتے اور دفتر بھی کراچی کے عام مدرسوں کے برخلاف نہایت سادہ اور بغیر کسی آرائش وزیبائش کے ہے ۔

حضرت کی خدمت میں رہ کر ایک بات کا احساس بڑی شدت سے ہوتا رہا، وہ یہ کہ حضرت کے قلب مبارک میں ذات خداوندی کا ہمہ وقت استحضار رہتا ہے، عام طور سے لوگ بزرگوں سے دعاؤں کی درخواست کرتے ہیں، حضرت سے جب کوئی درخواست کرتا تو فوراً نہایت خشوع اور خضوع سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں، ایسا ایک

ہی مجلس میں بار بار ہوتا ہے، مگر حضرت کے چہرے پر کسی طرح کا ملال نہیں محسوس ہوتا۔ جتنی مرتبہ بھی دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتے ، ایسا محسوس ہوتا ، جیسے سراپا دربار الٰہی میں حاضر ہوں۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ کے ایک بزرگ خلیفہ حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی (نابینا) علیہ الرحمہ کا حضرت مولانا اکثر تذکرہ فرماتے ، حضرت قاری صاحب فن تجوید وقرأت کے امام ومجتہد تھے ’’عنایات رحمانی ‘‘ ان کی مشہور ومفید تالیف ہے، حضرت مولانا نے ان کا ایک حال بیان فرمایا، جس سے انداز ہوتا ہے کہ ان کے قلب میں ذات الٰہی کا کس قدر استحضار تھا ، اور اس دربار سے ان کا کیسا والہانہ لگاؤ تھا ، فرمایا کہ ایک روز دیکھا کہ فجر کی نماز کے بعد دعا کیلئے حضرت قاری صاحب نے ہاتھ اٹھایا ، اور مسلسل حضور الٰہی میں مناجات کرتے رہے، اور یہ سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ جب ظہر کی اذان شروع ہوئی تب منہ پر ہاتھ پھیرا۔

اتنی دیر تک دعا میں ہاتھ اٹھا کر مشغول رہنا دلیل ہے اس بات کی کہ قلب کلیۃً اسی دربار میں حاضر تھا ، یہ کیفیت حضرت اقدس نے حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ کے بارے میں بیان کی ، اور مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ حضرت مولانا ’’حدیث دیگراں‘‘ کے ضمن میں اپنا حال بیان فرما رہے ہیں۔

اس خاص انابت واستحضار کے ساتھ موقع موقع پر حضرت کی ذہانت وظرافت بھی جلوہ گر ہوتی رہتی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا انداز اس ذہانت وظرافت کے امتزاج سے اس قدر پیارا ہوتا ہے کہ آدمی قربان ہو کر رہ جائے۔

ایک صاحب بوڑھے داڑھی مونچھ صاف حضرت کی خدمت میں اپنے پوتے کو گود میں لئے ہوئے حاضر ہوئے کہ حضرت اسے دم کر دیجئے ، حضرت دم کرنے لگے بے زبان بچہ اپنے دادا کے منہ پر ہاتھ مارتے ہوئے کچھ غوں غاں کر رہا تھا، حضرت نے فرمایا کہ آپ جانتے ہیں یہ کیا کہہ رہا ہے؟ کہہ رہا ہے اب ہم آگئے ہیں سیٹ خالی کیجئے اور جانے کی تیاری کیجئے ، داڑھی رکھ لیجئے۔ اب وہاں آخرت کے لحاظ سے رہیئے ، وہ صاحب بہت متاثر ہوئے اور وعدہ کیا کہ اپنے اندر تبدیلی لاؤں گا۔

ایک صاحب نے حضرت سے سوال کیا کہ مجھے تلاوت قرآن سے بہت شغف ہے، اگر میں سارے ذکر واذکار کو چھوڑ کر تلاوت قرآن پر ہی اکتفا کروں تو کیا حرج ہے ؟ حضرت نے بے ساختہ فرمایا کہ اگر آپ کہیں کہ میں تمام غذاؤں کو چھوڑ کر صرف گھی کھایا کروں تو کیا حرج ہے؟ اس پر حکیم اور ڈاکٹر کا جواب کیا ہوگا۔ بس وہ خاموش ہو گئے۔

حضرت کا جواب بڑا حکیمانہ تھا، قرآن کی تلاوت کا مرتبہ بے شک بہت عظیم ہے۔ لیکن انسانی احوال کے اعتبار سے دوسرے اذکار واوراد کی بھی بڑی اہمیت ہے، قرآن کریم کے حق تلاوت کی ادائیگی کا راستہ بھی انہیں اوراد واذکار سے ہموار ہوتا ہے، اس لئے محض تلاوت کی بات ہے تو بظاہر بہت خوشنما ، مگر افادیت مکمل نہ ہوگی ، جب تک دوسرے اوراد واذکار معمول میں نہ ہوں ، حضرت کے جواب میں قرآن کی عظمت بھی پورے طور پر نمایاں اور دوسرے اذکار کی اہمیت بھی واضح ہے۔

حضرت اقدس پر رسول کریم ﷺ کی صفت رحمۃ اللعالمینیت کا پرتو معلوم ہوتا ہے، مہربانی وشفقت کا برتاؤ ہر شخص کے ساتھ اس درجہ ہے، کہ کسی کی ادنیٰ تکلیف سے بے چین ہو جاتے ہیں ، اسی کا اثر ہے کہ ہر شخص کے لئے بڑے اہتمام سے دعا کرتے رہتے ہیں۔ جس نے دعا کی درخواست کی ہے اس کیلئے تو خیر کرتے ہی ہیں ، عامۃ الناس کیلئے بھی ہمیشہ دعا فرماتے ہیں

ایک روز حضرت نے ایک بہت طویل دعا پڑھی جسے وہ سونے سے پہلے پڑھا کرتے ہیں ، مجھے وہ دعا محفوظ نہ رہی ، اس میں وہ کائنات میں ہر ایک کے لئے خواہ وہ آسمانی مخلوق ہو یا زمینی مخلوق سب کیلئے بالتفصیل دعا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں کو مجھ گنہگار کے حق میں بھی قبول فرمائیں۔

غرض حضرت اقدس اسلام وایمان اور معرفت واحسان کے ایک پیکر جمیل ہیں اور مروت وانسانیت کے ایک دلآویز مرقع !

☆☆☆☆☆